مشاہیر فرمانروایان ہند کا سلسلہ

مرتبہ

سر ولیم ولسن ہنٹر کے سی ایس آئی ۔ سی آئی ای ۔ ایل ایل ڈی

سوانح عمری

اورنگ زیب

مصنفہ

اسٹینلی لین پول صاحب بی اے

مترجمہ

مولوی محمد لطیف صاحب بی اے ۔ سیکنڈ اسسٹنٹ

رجسٹرار عدالت العالیہ صاحب جوڈیشل کمشنر صوبہ اودھ

مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں چھپا

سنہ ۱۹۰۰ء

فہرست مضامین سوانح

مشاہیر فرمانروایان ہند کا سلسلہ

اورنگ زیب

تمہید

میراث اکبری

شہنشاہ اکبر نے جو فرمانروایان ہند مین سب سے بڑا بادشاہ تھا
۱۶۰۵ء مین وفات پائی- باعتبار جانشینی وہ اپنے خاندان کا تیسرا
بادشاہ تھا مگر باعتبار اسکے کہ سلطنت کرنے کا جوہر قابل اُسمین تھا اُسکا
نمبر اول تھا اور سچ پوچھیے تو وہی مغلون کی سلطنت ہندوستان کا
بانی مبانی تھا- اُسنے اپنی ذریات کے واسطے بہت بڑی میراث چھوڑی
اُسکی سلطنت مین ہندوستان کے سب صوبے شامل تھے اور مغرب مین

کابل تک مشرق مین بنگالہ تک واہن کوہ ہمالیہ مین کشمیر تک اور دکن مین خاندیش تک اُسی کا تسلط تھا۔ اُسنے چالیس برس کی لڑائیون مین محض یہی نہین کیا تھا کہ یہ وسیع ملک فتح کرلیا ہو بلکہ بہت کچھ سب کو باہم ملا کر انتظام کے ساتھ ایک بھی کردیا تھا۔ اُسنے ہندو اور مسلمان کو شیعہ اور سُنی کو راجپوت اور افغان کو غرضکہ سارے ہندوستان کی بیشمار قومون کو باوجود ذات وجماعت کے بے تعداد تفرقون کے ایک مستحکم سلطنت کی متابعت مین متفق کردیا تھا۔ اِس خاص طور کی ناہموار سلطنت پر حکمرانی کرنے مین جن خطرناک مشکلون کا سامنا اکبر کو تھا اُنپر نظر کیجیے تو اُسکا رتبہ سب مشرقی بادشاہون مین کہین برتر پائیے گا اور کیا عجب کہ وہ بڑے سے بڑے بادشاہان یورپ کا بھی مدمقابل نظر آئے۔ اُسکی سلطنت کی جو عاقلانہ حکمت عملی تھا اُسکا وہ خود ہی موجد تھا اور اُسی نے اُسکی اشاعت بھی کی اُسکے طریقۂ سلطنت کے اچھے ہونیکا صریحی ثبوت یہ ہے کہ باوجود اُسکے جانشینون کی حماقتون اور بدکاریون کے اُسکی سلطنت کو مدت مدید تک قیام رہا زوال نصیب ہوا تاآنکہ اُسکے پوتے اورنگ زیب کے مذہبی جوش نے سب کچھ برباد کردیا۔

اکبر کی بڑی مشکلین یہ تھین کہ جن لوگون سے اُسے سابقہ تھا اُنمین مذہب اور قوم کے اختلافات بہت تھے اور نفاق و حسد کا بازار گرم تھا اُن مشکلون کے دُور کرنے کی ترکیب جو اکبر نے کی وہ ایسی تھی کہ اُسی کی بدولت سلطنت مغلیہ ایسے استحکام اور شان و شوکت کے ساتھ جم گئی کہ آگے چلکر بھی پورے سَو برس تک قائم رہی۔ اورنگ زیب نے اُس ترکیب کو اُلٹ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکے مورث اعلیٰ کا سب کیا کرایا خاک مین ملگیا اور اُسکے خاندان کے زوال کا مصالحہ تیار ہو گیا۔

اکبر نے تاریخ ہندوستان بے فائدہ نہین پڑھی تھی۔ جو سبق اُسنے لیے تھے اُنسے اُسنے سمجھ لیا تھا کہ اگر میرے خاندان کو اس ملک پر قبضہ رکھنا ہے اور نئے حملہ آورون کے مقابلہ مین یہان جما رہنا ہے تو اسکا انحصار انہین کے ہندوون کی وفاداری پر ہے کہ انہین کی تعداد یہان کی آبادی مین بھی کثیر ہے اور فوج مین بھی وہ کثرت ہے اور بضرورت مالی عہدون کے بھی بیشتر حصہ پر یہی لوگ مامور ہین۔ اُسکا منشا یہ تھا کہ ایک قومی مذہب قائم کرکے اُسکی مدد سے قومی سلطنت کی بنیاد ڈالے۔ چنانچہ اُسنے ایک بادشاہی مذہب وضع کیا تھا جسے وہ یہ

سمجھتا تھا کہ یہ ایسا عام ہے کہ اسے میری ساری رعایا مانیگی ہندو ریفارمر
دو سو برس سے ایسے جامع مذہب کے فکر مین تھے اور سیاح واعظ ہندوستان
بھر مین اسی پر وعظ کہتے مارے پھرتے تھے - پندرھوین صدی مین جب
بنگالہ کے فقیر نے قضا کی تو ہندو مسلمانون مین اُسکی نعش پر جھگڑا پڑا -
فقیر مذکور دفعتًا اُن لوگون مین آن کھڑا ہوا اور اتنا کہکر کہ کفن کے نیچے
دیکھو تو سہی پھر غائب ہو گیا - چنانچہ اِن لوگون نے کفن اُٹھا کر دیکھا
تو کپڑے کے نیچے صرف خوشنما پھولون کا ایک انبار ملا - آدھے پھول
ہندوون کی پاک رسوم کے ساتھ جلا دیے گئے اور باقی کے آدھے
مسلمانون نے دھوم دھام سے دفن کر دیے - اکبر کے زمانہ مین بہت سے
مبارک مقامات دونون مذہب والون کے مشترک آستانے بنگئے تھے -
پہاڑی پر ایک ہی نشان کی تعظیم مسلمان یہ سمجھکر کرتے تھے کہ ہمارے
پیغمبر صاحبؐ کا نقش قدم ہے اور ہندو یہ سمجھکر اُسے پوجتے تھے کہ ہمارے
دیوتا کے پانون کا نشان ہے* -

* یہ عبارت سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صاحب کے مضمون دی روان آف اورنگ زیب (زوال اورنگ زیب) سے ماخوذ ہے مضمون مذکورہ ماہ مئی ۱۸۸۸ع کے پرچہ نائنٹینتھ سنچوری مین شائع ہوا تھا -

اکبر بادشاہ کے دوست اور مشیر ابو الفضل نے جو کتبہ کشمیر کے ا
معبد کے واسطے لکھا ہے اُسکو مذہب اکبری کا خلاصہ سمجھنا چاہیے اُ
ترجمہ حسب ذیل ہے:-

اے خدا مین ہر معبد مین اُن لوگون کو دیکھتا ہون جو تجھکو دیکھتے
جو زبان مین سنتا ہون اُسمین لوگ تیری ہی حمد کرتے ہین- شرک و ا
دونون تیری ہی جستجو مین ہین- ہر مذہب یہی کہتا ہے کہ تو واحد
بے ہمتا ہے- مسجد مین تیری ہی نماز پڑھی جاتی ہے اور عیسائی کلیسا
تیری ہی محبت مین گھنٹے بجاتے ہین کبھی مین کلیسا مین جا نکلتا ہون
مسجد مین جا کھڑا ہوتا ہون- مگر جہان جاتا ہون تیری ہی تلاش مین
(گہ معتکف کعبہ وگہ ساکن مسجد- یعنی کہ ترا میطلبم خانہ بخانہ) تیرے
بندون کو نہ مذہب سے مطلب نہ بے دینی سے غرض- کیونکہ تیرے
کے عکس سے دونون مین سے کوئی بھی محروم نہین ہے- ملحد کو ا
مبارک مومن کو ایمان مبارک- مگر آخر کار گلاب کی پتی خاک ہو کر
ہی کے پاس جائیگی-

اُسنے اسلام کے سخت اصولون کو نکال کو بجاے اُنکے انتخاب

صوفیانہ مسائل اختیار کیے تھے اور مختلف مذہبون مین جو کچھ اسکو قابل قدر

معلوم ہوا وہ اقتباس کر لیا تھا۔

"مین سواے اسکے اور کیا کر سکتا ہون کہ عقل کی مشعل اٹھا کر زندگی

کے تاریک غار مین اس بڑے معجزے یعنی دنیا کا تماشائی ہون اور جسنے

اسکو بنایا ہے اور رہتا ہے اور موجود بھی ہے اور غائب بھی ہے اسکی

شان کا قائل ہون اور سواے اسکے جو کچھ ہو اسکو محض صورت اور رسم

سمجھون کہ وہ نوع انسان کی مختلف اقوام مین مختلف اوضاع کی

ہوتی ہین"*

اکبر کا بادشاہی مذہب چلا نہین۔ لوگون کے دلون مین اسکی جگہ ہی

نہ ہوئی۔ اور اسی پر کیا منحصر ہے اسطرح کا بہت سے مذہبون سے انتخاب

کیا ہوا مذہب کبھی بھی نہین چلتا۔ تاہم اسکی کشادہ دلی اور ہمدردی نے

زنجیر سلطنت کے بکھرے ہوے ٹکڑون کو باہم ملا دیا اور کچھ زمانے کے لیے

بجاے مختلف فرقون کے ایک قوم ہوگئی۔ صلح کل اسکا شعار تھا۔ کسی ذرہ

کا مذہب کیون نہو اور کسی رنگ کی قومیت کیون نہو اسکو بے تعصبی سے

---

* یہ ترجمہ ہے لارڈ ٹینسن صاحب کی نظم اکبرس ڈریم (اکبر کا خواب) کی چند سطرون کا۔

کا تھا۔ وہ پرتگال کے سپیون کے دل بڑھاتا تھا اور اُنکی رنگین ا
کندہ کی ہوئی تصویرون کی قدر کرتا تھا۔ اُسکے حضور مین فلسفیانہ
ہوا کرتے تھے اور آزادی کے ساتھ ہر مذہب کے مسلم اصولون پر
ہوتی تھی۔ اُسنے آفتاب کی عبادت جائز رکھی تھی اور اُسکو قدرت ا
کا مظہر کامل سمجھتا تھا۔ اور ہر روز اپنی رعایا کو اپنے شال کا نمونہ دکھا
تھا اور مالک ازل و ابد کی عبادت کے لیے اُس نور کے سامنے جھکتا
تھا جسکے طلوع و غروب پر اوقات کا شمار منحصر ہے۔ اپنے عام مسائل
صلح کل کو خانگی باتون مین بھی راہ دینے کی نیت سے اکبر نے مختلف
قومون اور مختلف مذہبون کی بیبیون سے شادی کی تھی۔

یہ سب کچھ اکبر نے محض حکمت عملی سے نہین کیا۔ اُسکے خیالات
کا رجحان صریحی طور پر فلسفیانہ تھا۔ اس آزادہ روی کا عملی ثبوت
ہے کہ اختلاف مذہب کے باعث جتنے محصول لگائے جاتے تھے
وہ سب اُسنے اُٹھا دیے۔ منحوس جزیہ یعنے وہ جو مسلمانی محصول
کفار پر لگایا جاتا تھا یکقلم موقوف ہوگیا۔ اکبر کے محصول جمع کرنیوالو
اور نیز اُسکے خدا کی نظر مین سب آدمی برابر تھے اور کوئی چیز معمو

یا نجس نہین سمجھی جاتی تھی - قومی تعصبون کے دُور کرنے کے لیے اکبر
دیسی ہندوون کو ایرانی رافضیون کو اور افغان اور مغل سُنیونکو
بلا امتیاز فوجی اور مالی عہدون پر مامور کرتا تھا اور ہر فرقہ کے لوگون
کے ساتھ یکسان مراعات کرتا تھا - اِس غرض سے کہ سب قومون اور
مذہبون کے بڑے بڑے لوگ خیرخواہان دولت کے زمرہ خاص مین
جمع ہو جائین اور بلا واسطۂ دیگرے تخت شاہی سے وابستہ رہین اکبر
نے ایسے سردار بنائے تھے جنکو جاگیرین عطا ہوتی تھین مگر موروثی نہ
ہوتی تھین - یہ لوگ منصب دار کہلاتے تھے - اور جبتک بادشاہ
خوش رہتا موقوف نہ ہوتے تھے - فوجی خدمت کی شرط پر ان لوگونکو
تنخواہ ملا کرتی تھی یا براہ راست سرکار سے زمین عطا ہو جاتی تھی -
اِس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے کہین ایسا نہ ہو یہ چین حیاتی منصبدار
آگے چلکر ملکی سردار بنتے جائین جانچ کا طریقہ بہت سخت رکھا گیا تھا
اور عاملان مالگزاری کی نگرانی بہت ہوشیاری کے ساتھ ہوتی تھی -
جب تک کہ سختی کے ساتھ پابندی رہی یہ طریقہ بہت اچھی طرح چلتا رہا
تقریباً سو برس تک ہندو اور ایرانی سردارون نے اپنے ایک ہی

آقا کی خدمتین لڑائی مین اور نیز ملکی انتظام مین بہت خیرخواہی کے ساتھ
انجام دین۔ البتہ جب تعصب مذہبی نے اس طریقہ کی طاقت کو بالکل
چوس لیا تو لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خاک مین ملگیا۔

اکبر کا بیٹا سلیم جو اکتوبر ۱۶۰۵ء مین ۳۷ برس کا ہو کر جہانگیر کے
لقب سے تخت نشین ہوا وہ اپنے بیمثال باپ سے کہین جداگانہ مزاج
کا تھا اور باپ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کرچکا تھا۔ مزاج مین سختی
بہت تھی اور مشہور شرابخوار تھا اُسنے اپنی تزک مین جسمین اُسکی
صدق بیانی حیرت مین ڈالتی ہے یہ سب حال لکھا ہے کہ مثل اپنے
نامراد بھائیون یعنی مراد و دانیال کے وہ بھی اٹھارہ برس کی عمر سے شراب
کا عادی ہوگیا تھا۔ اور تھوڑے نہ بہت بیس پیالے روز پیا کرتا تھا۔
شروع مین تو شراب انگوری ہوتی تھی مگر پھر تو دو آتشہ ہوگئی اور وہ
ایسی تند ہوتی تھی کہ سر طامس رو سفیر دولت انگلشیہ کو اُسکی بو سے
چھینک آگئی اور سب دربار والے بہت خوش ہوے۔ جب عمر زیادہ
ہوئی تو میکشی کم کردی تھی تاہم رات کو بالکل مدہوش ہوتا تھا یہانتک
کہ رات کا کھانا بھی نوکر ہی کھلاتے تھے اور اُسکے بعد سر طامس لکھتے ہین

اکہ "وہ آرام کرتا تھا اور شمعین بجھادی جاتی تھین اور مجھے ٹٹول ٹٹولکر
راستہ چلنا پڑتا تھا۔ شرابخوار تو ضرور تھا مگر جہانگیر احمق نتھا۔ یہ مدہوشیان
رات ہی کو ہوتی تھین۔ دن کو وہ سراپا ہوش ہوتا تھا۔ کیا مجال
تھی کہ روزانہ درباروں مین کسی سردار کے مُنھ سے ذرا بھی شراب
کی مہک آجاے اور اگر کوئی امیر شب گذشتہ کے بھولے ہوے جلسونکا
ذکر بے تمیزی سے کرجاتا تھا تو اُسکو سخت سزا ملتی تھی۔ بادشاہ
نے تو یہانتک کیا تھا کہ ایک فرمان سعادت بنیان میخواری کی ممانعت
مین جاری کیا تھا اور مثل اپنے ہمعصر جیمس اول کے تباکو کے خلاف
تو ایک رسالہ لکھڈالا مگر اپنی رغبت کی چیز یعنی افیون کی نسبت
کچھ نہ کہا۔

اکبر سے اور نیز اپنی ماں سے کہ وہ راجپوت قوم کی رانی تھی
جہانگیر نے قوی بہت اچھے پائے تھے کہ باوجود ان بے عنوانیون
کے اُسکے جسم اور دماغ پر کچھ زیادہ خراب اثر نہین پڑا۔ سر طامس رو
نے اُسکی ذہانت کی بابت راے بہت اچھی قائم کی تھی۔ اور
اسمین بھی کوئی شک نہین کہ اتنی بڑی سلطنت پر تسلط رکھنے اور

دکن مین اور راجپوت سرداروں سے جنگ کرنے مین جو مستعدی
اُس سے ظاہر ہوئی وہ بہت قابل تعریف ہے - یہ ضرور سچ ہے کہ
جہانگیر کو موجد ہونے کی عزت حاصل نہین تاہم وہ اتنا عقلمند ضرور تھا
کہ اُسنے اپنے باپ کی حکمت عملی کو جاری رکھا اور اُسی حکمت عملی کی
بدولت ہندوون کی خیرخواہی بدستور قائم رہی - جہانگیر کی بے تعصبی
کچھ آزادہ روی کے باعث نہ تھی بلکہ زیادہ تر بے پروائی اُسکا باعث
تھی - پھر بھی باوجود اسکے کہ مسلمان ہونے کا دم بھرتا تھا ہندوون
اور عیسائیون کے ساتھ وہی مراعات ملحوظ رکھتا تھا جو اکبر کے وقت
سے قائم تھین - وہ بھی عیسائیون کی دستکاری کا حامی تھا - حضرت
مریم کی مجسمی اور تصویرین اُسکے محلون مین زینت کیواسطے رکھی جاتی
تھین - یہ ضرور ہے کہ سلطنت جہانگیری کو فروغ زیادہ تر مشیران
شاہی اور سپہ سالارون کی قابلیت کے باعث ہے تاہم اگر جہانگیر
اپنے باپ کے قدم بقدم چلنا نہ پسند کرتا تو اُسمین اتنی عقل اور طاقت
ضرور تھی کہ اپنے واسطے اپنا خاص طریقہ اختیار کرتا - اپنی سلطنت کے
آخر زمانہ مین البتہ جہانگیر پورے طور پر اپنے شاہانہ مزاج اور لائق اور

مشہور بیگم نور جہان کی مٹھی مین ہوگیا تھا۔ سچ پوچھیے تو بیگم ہی اپنے بھائی
آصف خان کی مدد سے سلطنت کرتی تھی۔ بیگم کے زور پکڑنے کا یہ اثر ہوا
کہ مغلون کا قدیمی جنگی جوش کمزور ہو گیا۔ بادشاہ کا سب سے قابل بیٹا
شہزادہ خُرّم کھُلّم کھُلّا باغی ہو گیا۔ اس انتہا درجہ کے نقصان رسان طریقہ
کو ترقی ہوئی کہ صوبہ لرت کے ٹھیکے دیدیے گئے۔ رہزنی و قزاقی خوب بڑھی۔
دربار مین تحفہ تحائف کی طمع بیحد و حساب بڑھ گئی۔ خواب مین بھی یہ خیال
کسی شخص کے دل مین نہ آتا تھا کہ بیگم یا اُنکے درباریون کے حضور مین خالی
ہاتھ حاضر ہو۔

جہانگیر نے ۵۸ برس کا ہو کر نومبر ۱۶۲۷ء مین یکایک اِس دارفانی سے
کوچ کیا۔ معمولاً گرمی کے دنون مین دلفریب گھاٹیون کی سیر کے واسطے
کشمیر جا کر رہا کرتا تھا۔ وہین سے واپس آتے ہوے رستہ مین وفات پائی۔
تھوڑے دنون مہلت کے واسطے جہانگیر کا پوتا بلاقی داور بخش کے لقب سے
مشروط طور پر تخت نشین کر دیا گیا۔ اُسکے بعد جنوری ۱۶۲۸ء مین شہزادہ
خُرّم نے شاہجہان کے لقب سے بمقام آگرہ تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔
مثل اپنے باپ کے شاہجہان بھی ایک را[illegible]

تھا۔اور اُسکی رگون مین ہندوستانی خون بہ نسبت مغلی خون کے زیادہ
تھا۔یہ رانی مارواڑ کے مفرور راجہ کی بیٹی تھی۔پھر بھی شاہجہان بمقابلہ
اپنے مورثون کے فرقۂ سنت وجماعت کا پکا مسلمان تھا اور اُس مین
تعصّب کی وہ جھلک نظر آتی تھی جو اُسکے آزادہ رو باپ اور دریادل دادا
مین نام کو بھی نہ تھی۔اُسکے شغف مذہبی کو اُسکی سب سے زیادہ چاہتی بی بی
ممتاز محل کے اثر سے اور بھی زیادہ ترقی ہوئی۔ملکہ مذکور چودہ بچون کی
مان ہوئی۔اور اُسکے عاشق شوہر نے اُسی کی یادگار مین آگرے مین
تاج بی بی کا مشہور روضہ تعمیر کرایا۔مگر شاہجہان بڑا عقلمند بادشاہ تھا۔
اُسنے مذہب کو تدابیر مملکت مین خلل انداز نہونے دیا۔اُسنے مسیحی مشنریون
کے یہان رہنے پر اعتراض نہین کیا اور مثل اکبر کے ہندوون کو اپنی
فوجون کا سپہ سالار بھی مقرر کیا۔اُسکے زمانہ سلطنت مین کوئی بڑی
بڑی لڑائیان نہین ہوئین۔دکن مین حسب دستور سابق بدعملی رہی
مگر بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتین عارضی طور پر مطیع ہوگئین اور مجبور
ہوکر خراج دینے لگین۔اور قندھار کو ایرانیون سے پھر لے لینے کیلیے
[illegible] ہوئین۔انھین لڑائیون مین بادشاہ کے بیٹے اورنگزیب

نے بڑا نام پیدا کیا۔

شاہجہانی سلطنت کی زیادہ تر شہرت اس بات کی ہے کہ اُسمین امن و امان اور خوشحالی کو بہت ترقی ہوئی۔ شاہجہان کے وزیر بڑے بڑے قابل لوگ تھے۔ سعد اللہ علّامی ایک نو مسلم جو پہلے ہندو تھا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا مدبر تھا اور علی مردان اور آصف خان آزمودہ دیانت اور قابلیت کے لوگ تھے۔ فرانسیسی سیاح ٹیورنیر نے اس بادشاہ کی مبارک سلطنت کی تشبیہ باپ کی اُس حکومت سے دی ہے جو اُسکو اور گھر والون پر حاصل ہوتی ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ راستے بالکل محفوظ تھے اور قانون کے بموجب پورا پورا انصاف ہوتا تھا۔ اُسی زمانہ کا ایک ہندو مصنف بھی مثل اپنے ہمعصر عیسائیون اور مسلمانونکے شاہجہانی سلطنت کی انصاف وری کا مداح ہے اور اسکے فیاضانہ انتظام مملکت اور عدل گستری اور بذات خاص حساب وغیرہ کے جانچنے کا ذکر کرکے لکھتا ہے کہ ان ہی وجوہ سے اُسکے زمانہ مین ملک کی حالت بہت اچھی رہی۔

سلطنت مین عام طور پر امن وامان رہنے کی بدولت شاہجہانکو

اپنے شان وشوکت کی نمود کا شوق پورا کرنے کی بہت فرصت ملی
آگرہ کی بڑی بڑی عمارتین اور نئی دہلی کا عالیشان محل آج تک
اُسکے شوق تعمیرات کی گواہی دیتے ہین - اُسنے اپنے نئے شہر کا نام
شاہجہان آباد رکھا تھا اور صدہا برس تک دہلی کا یہی نام سکون
اور سرکاری کاغذون مین درج ہوتا رہا - دسنہ ... کی تعمیر کے
بعد سنہ ... ء مین یہ محل تکمیل کو پہونچا اور سارے مصنف متفق اللفظ
ہو کر کہتے ہین کہ روے زمین پر یہی محل سب سے زیادہ شاندار ہوگا
کہا جاتا ہے کہ اُسکے پاس بہت سے سفری خیمہ جات کشمیر کے بنے
ہوے تھے کہ اِنکے یکے بعد دیگرے نصب کرنے مین دو مہینے صرف
ہوتے تھے - اُسکے سنہ جلوس کی سالگرہ ہر سال بڑے تزک واحتشام
سے ہوتی تھی اور اُسمین زر کثیر صرف ہوتا تھا - ان موقعون پر مغلی دستور
کے مطابق بادشاہ بیش قیمت معدنیات سے تولا جاتا تھا اور جواہرات
کی کشتیان اُسپر سے نچھاور ہوتی تھین - یہ سب زر وجواہر کہ مالیت
مین پندرہ لاکھ کے ہوتے تھے دوسرے دن لوگون کو تقسیم کردیے
جاتے تھے - مگر باوجود اس شان وشوکت کے شاہجہان مین نام کو

بھی تکبر تھا۔ اُسنے بادشاہ کے حضور مین سجدہ کرنے کی خراب رسم کو موقوف کردیا اُسکی نیکمزاجی اور مہربانی کی شہرت تھی اور یہی اُسکے ہر دل عزیز ہونے کا باعث تھا۔ کوئی مغل بادشاہ ایسا ہر دلعزیز نہین ہوا جیسا کہ شاہجہان تھا۔

جب شاہجہان کی عمر زیادہ ہوگئی تب بھی اُسکی نیک مزاجی اور ہر دلعزیزی مین کمی نہین ہوئی مگر لہو ولعب مین زیادہ مصروف رہنے لگا اور اپنی اولاد کے ہاتھ مین ہوگیا اُسکی چاہتی بی بی تاج محل اپنے چودھوین بچہ کی ولادت مین ۱۶۳۱ء مین مرگئی تھی اور وہ اپنی سب سے بڑی بیٹی جہان آرا سے بہت محبت کرنے لگا تھا۔ اور اس درجہ پیار کرتا تھا کہ بہت کچھ بدنامی ہوتی تھی۔ اور عورتون کی صحبت سے جو اور عارضی حظ حاصل ہوتے ہین اُنسے بھی پرہیز نہ تھا۔ جوانی مین وہ بہت سنجیدہ اور معتدل مزاج کا آدمی تھا بہت مستعد سپاہی تھا اور بہت باتدبیر مشیر تھا۔ چونسٹھ برس کی عمر مین وہی حرص و ہوا کا بندہ بن گیا اور شان و شوکت دکھلانے اور عیش و عشرت اور نظارہ بازی کرنے مین مصروف رہنے لگا۔

"اے کاش اب بھی وہ اپنی اُسی دلیرانہ وضعداری پر قائم رہتا جو عنفوان شباب مین تھی۔ جب وہ مشرق سے طلوع ہوا ہے تو امید تھی کہ بڑی قابل فخر نسل اُس سے پھیلے گی مگر جب نصف النہار سے ڈھل گیا تو اُسکی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ مگر جس طرح آفتاب کی گرمی مین دوپہر ڈھلنے پر تمازت مین کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ جون جون غروب ہونے کا وقت قریب آتا جاتا ہے وہ بھی دھیما پڑتا جاتا ہے اور جو تھوڑا سا دن باقی رہجاتا ہے اُسی سے خوش ہوتا ہے اُسی طرح اِسنے بھی عالم شباب مین نام پیدا کرنے کی کوشش کی اور جب ضعیفی آئی تو اُسکے بدلے عیش اور محبت مین پڑ گیا"*

سلطنت کا بار اُسکے عیش مین مخل ہوتا تھا۔ چنانچہ اُسنے یہ ترکیب کی کہ اپنے اختیارات اپنے چار بیٹون کو تفویض کر دیے۔ اور ہر ایک کو اپنے دور دراز صوبجات مین سے ایک ایک صوبہ کا نائب السلطنت کر دیا۔ اُسے امید یہ تھی کہ اسطرح ان لوگون کے آئے دن کے بغض و عناد کا

* یہ ترجمہ ہے ڈرائیڈن صاحب کی نظم "اورنگ زیب" کا جو کانسٹبل صاحب کی کتاب "اورینٹل میسینی" (مطبوعہ ۱۸۹۲ء) کی جلد سوم مین چھپی ہے (صفحہ ۵۵)۔

بھی خاتمہ ہو جائیگا اور نا خلفی کے حوصلون کے پورا کرنے کا موقع بھی
انکو میسر نہ آئیگا۔ عصاے سلطنت اُسکے ہاتھ سے گرا چاہتا تھا۔ اُس نے
سوچا کہ لاؤ اِس عصا کے ٹکڑے کر ڈالون اور بڑھاپے مین آرام سے
بسر کرون۔ اس تدبیر کی غلطی بہت جلد کھل گئی۔ اِس عصا کے ٹکڑے
مصر کے جادو گرون کے عصاؤن کی طرح سب سانپ بن گئے اور
اُسی کے تخت کے چارون طرف پھنکارین مارنے لگے اور جو کچھ رہی
سہی طاقت اُسکی باقی تھی اُسکا بھی کام تمام کر دیا۔ حتی کہ عصاے
اورنگزیبی اور سب کو نگل گیا اور سب کے ساتھ تخت طاؤس کو
بھی چٹ کر گیا۔

مغل بادشاہون کی نسبت یہ روایت مشہور تھی کہ باپ نے وقت
اپنی آنکھون سے اپنے بیٹے کی بغاوت ضرور دیکھ لیگا۔ اکبر نے اپنے
نا خلف بیٹے کی خطا بخشی اپنے بستر مرگ پر کی تھی۔ جب شاہجہان
کا باپ مرا ہے تو وہ بھی باغی ہو رہا تھا۔ اب اُسکی باری آئی کہ اِسطرح
اُسکے نصیبون کا لکھا بھی اُسکے سامنے آئے۔ ۱۶۵۷ء مین وہ ایک
ایسے عارضہ مین مبتلا ہوا جسکی بابت شائستہ مزاج فرانسیسی سیاح

وطبیب برنیر نے لکھا ہے کہ وہ "ناگفتہ بہ ہے" پیر نابالغ کو آخرکار اپنی عشرت پرستی کا صلہ ملگیا۔ عام طورسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس مرض سے جانبری نہوگی اور اُسکے مرنے کی خبرین برابر مشہور ہوتی رہتی تھین اور ہر شہزادہ تاج شاہی کے واسطے لڑنے کی تیاری کرتا جاتا تھا۔

"جس طرح ذرا سے اشارہ پر بیٹے مستعد بجنگ ہوجاتے ہین اور فوراً میدان مین لڑنے کے واسطے کود پڑتے ہین اور اُن ہواؤن کی طرح جو سمندر مین تلاطم پیدا کردیتی ہین ہتھیارون کے زور سے اسکا فیصلہ کرلیتے ہین کہ سلطنت کرنا کسکی قسمت مین لکھا ہے۔ سلطنت کرنا چاہے جسکے مقسوم مین ہو جو نیا بادشاہ ہوگا اُسکو ایسے معاملات سے سابقہ پڑیگا جس سے اُسکے متقدمین ناآشنا ہے ہون۔ اکبر نے اپنے انتظام سے ناموافق مادّون مین اتفاق پیدا کرکے بڑی خوبی کے ساتھ سلطنت قائم کی تھی۔ مگر اُسکی تعمیر مین کہین کہین رخنے رہ گئے تھے اور اب اِن رخنون کے بڑھجانے سے عمارت کے شق ہوجانے کا اندیشہ ہو چلا تھا۔ آزادہ روی سے

بے پروائی بڑھی۔ کامیابی سے عیش پسندی آئی۔ بلخ کے سخت مزاج
ترک سوار جمنا کنارے رہتے رہتے نرم دل ہوگئے اور اُنکے مذہبی عقائد
بھی رفتہ رفتہ ضعیف ہوگئے۔ مردانگی کا جامہ اُتار پھینکا اور شوقین
اور شکم پرست ہوگئے اکبر کے دو بیٹوں نے شرابخواری کی بدولت جان
دی۔ مے نوشی کا اسقدر رواج بڑھا کہ قاضی صدر بھی صبوحی کے جام
چڑھانے لگے۔ مختصر یہ کہ آغاز سلطنت مین جو بہادر سپاہی تھے اور
اُنکی بیبیان بھی بہت دلیر ہوتی تھین اب بجاے اُنکے بدکار اور نازک
سرداروں کی نسل قائم ہوگئی۔ اورنگ زیب کے مورث جو شمال کی
جانب سے ہندوستان پر ٹوٹ پڑے تھے وہ سُرخ و سفید رنگ کے
موزے چڑھائے رہنے والے لوگ تھے اور جن اُمرا مین اورنگ زیب
بڑا ہوا وہ زرد رنگت کے زنانے کپڑے پہننے والے لوگ تھے۔ بابر بانی
سلطنت تھا اُسکا یہ حال تھا کہ تیس برس کی لڑائیوں مین جس دریا پہ
گزر ہوا اُسے تیر کر عبور کیا۔ نوجوان اورنگ زیب کے جو سردار تھے وہ
مہین ململ کے چُنٹ دار جامے پہنتے تھے اور پالکیون پر سوار ہو کر لڑائی
مین جاتے تھے!! بجاے اپنے پیدایشی ملک کی پہاڑی خشک ہوا کے

اب یہ لوگ عطر سونگھتے تھے اور اللہ کا پرانا نعرۂ جنگ محض بے اثر اور براے نام ہوگیا تھا کیونکہ اپنے مذہب کو تو جان جان کر بھلا چکے تھے پرانے ایمان کے بجاے بچون کے سے اوہام باطل اور کمزوری کی بے پروائی آگئی تھی - اور مذہبی قیود سے آزاد ہونے کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بد تہذیبی اور بدکاری کا بازار گرم تھا -

نیا بادشاہ چاہتا تو یہ کرسکتا تھا کہ مغلون کے مقابلہ مین (مغل سے مراد تھی ہر ہندوستانی مسلمان جسکی رنگت صاف ہو اور کمتر ایسا ہوتا تھا کہ اُسکا خون خالص مغلی ہو) راجپوتون کو کھڑا کر دیتا کہ یہ لوگ ہندوستان کے منتخب لڑنیوالے تھے اور تین مغل بادشاہون کی خدمات مین حق وفاداری بجا لائے تھے - مگر انکی وفاداری کا انحصار اس بات پر تھا کہ اُنکے رسم و رواج اور عقائد کا پورا پورا ادب ملحوظ رکھا جاے - یہ لوگ یا تو شاہی فوج کے پھول ہو کر رہتے یا پھر اُنکے جانی دشمن بنکر - نئے بادشاہ کو اختیار تھا کہ اسکا فیصلہ کرے کہ پھول بنا کر رکھنا ہے یا دشمن بنا کر -

مغلون مین جو زنانہ پن روز بروز بڑھتا جاتا تھا اُسکو مٹانا راجپوتونکو

ملا لینا یا برانگیختہ کر دینا۔ حاکمان صوبجات کے اس رجحان کو روکنا
اپنے اختیارات اپنے لڑکون کو دیگر خاندان قائم کرتے جائین۔ تباہ
ہونیوالے انتظام کے بے جان قالب مین روح پھونکنا اور تاریکی میں
عقیدت کے نور کی مشعل روشن کرنا۔ یہ وہ مسئلے تھے جنسے شاہجہان
کے بیٹے کو اپنے باپ کی بارونق مگر بگڑنے والی سلطنت کے ملنے پر
سابقہ پڑا۔ یہ کام تھا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسے پیغمبر
تھیوڈورک جیسے بادشاہ کے کرنے کا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ
کام تائید یزدانی کا تھا یا سعی انسانی کا؟

شجرۂ خاندان اورنگ زیب

تیمور

اکبر

ولادت ۱۵۴۲ء | جلوس ۱۵۵۶ء | وفات ۱۶۰۵ء

جہانگیر

ولادت ۱۵۶۹ء | جلوس ۱۶۰۵ء | وفات ۱۶۲۷ء

شاہجہان

ولادت ۱۵۹۲ء | جلوس ۱۶۲۷ء | وفات ۱۶۶۶ء

جہان آرا بیگم صاحب
ولات ۱۶۱۴ء
وفات ۱۶۸۱ء

دارا شکوہ
ولادت ۱۶۱۵ء
وفات ۱۶۶۹ء

شجاع
ولادت ۱۶۱۶ء
وفات ۱۶۶۰ء

روشن آرا
ولادت ۱۶۱۷ء
وفات ۱۶۷۱ء

اورنگ زیب عالمگیر
ولادت ۴ نومبر ۱۶۱۸ء
جلوس جولائی ۱۶۵۸ء
وفات ۳ مارچ ۱۷۰۷ء

مراد بخش
ولادت ۱۶۲۴ء
وفات ۱۶۶۱ء

قدسیہ
ولادت ۱۶۳۰ء
وفات ۱۷۰۶ء

زیب النسا
ولادت ۱۶۳۹ء
وفات ۱۷۰۱ء

محمد
ولادت ۱۶۳۹ء
وفات ۱۶۷۶ء

معظم شاہ عالم بہادر شاہ
ولادت ۱۶۴۳ء
جلوس ۱۷۰۷ء
وفات ۱۷۱۲ء

زینت النسا
ولادت ۱۶۴۳ء
وفات ۱۷۰۸ء

بدر النسا
ولادت ۱۶۴۷ء
وفات ۱۶۷۱ء

زبدۃ النسا
(سپہر شکوہ سے شادی ہوئی)
ولادت ۱۶۵۱ء
وفات ۱۷۰۷ء

اعظم
ولادت ۱۶۵۳ء
وفات ۱۷۰۶ء

اکبر
ولادت ۱۶۵۶ء
وفات ۱۸۱۶ء

مہر النسا
مراد بخش کے بیٹے سے شادی ہوئی
ولادت ۱۶۶۱ء
وفات ۱۷۰۵ء

کام بخش
ولادت ۱۶۶۷ء
وفات ۱۷۰۹ء

پہلا باب

شہزادگی

شاہجہان کے چار بیٹے تھے جو ۱۶۵۷ء مین باپ کو قریب المرگ دیکھکر تخت سلطنت کیواسطے لڑائی کی تیاریان کرنے لگے تھے۔ سب سے بڑا دارا تھا جسکی عمر بیالیس[۴۲] برس کی تھی۔ شجاع اُس سے سال بھر چھوٹا تھا۔ اورنگ زیب کا اُنتالیسوان[۳۹] برس تھا۔ اور مراد بخش جو سب سے چھوٹا تھا وہ چونتیسوین مین تھا*۔ برنیر نے ان لوگون کے اوصاف لکھے ہین۔ ڈاکٹر موصوف دارا اور اورنگ زیب

---

* دارا کے معنی ہین بادشاہ۔ شجاع کے معنی بہادر۔ اورنگ زیب کے معنی تخت کی زینت۔ مراد بخش کے معنی آرزو بر لانے والا۔ سب ملاکر شاہجہان کے چودہ اولادین ہوئین۔ یہ سب ممتاز محل سے تھین۔ ممتاز محل سے ۱۶۱۲ء مین شادی ہوئی تھی اور ۱۶۳۱ء مین وہ مربھی گئی۔ چھ لڑکیان تھین۔ آٹھ لڑکے تھے سات بچپن ہی مین مرگئے۔ جو بڑے ہوے اُنکے نام شجرۂ منسلکہ کتاب ہذا مین درج ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادی قدسیہ کو گوہر آرا بھی کہتے تھے۔

سے ذاتی واقفیت رکھتا تھا اور باری باری سے دونون کا معالج
رہ چکا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ داراشکوہ مین اوصاف حمیدہ کی کمی نتھی
رحمدل اور فیاض بھی تھا۔ مگر اُسکی خودی اور تکبر حد سے گزرا ہوا تھا۔
اُسکو اپنی دانشمندی کا بڑا غرّہ تھا اور نصیحت یا مخالفت سے بہت
جلد برانگیختہ ہوجاتا تھا کہ اُسکا تند مغلی مزاج اسکی تاب نہ لاسکتا
تھا۔ اگرچہ ظاہری طریقے براے نام مسلمانون کے سے کر رکھے تھے
لیکن سچ پوچھیے تو وہ سب لوگون مین سب ہی کچھ تھا اور اپنی بلند نظری
پر بہت ناز کرتا تھا۔ برہمنون کو انعامات دیتا تھا اور اُنسے فلسفیانہ
خیالات کی تعلیم لیتا تھا۔ اور مسیحی کمپنی کے پادری بزہی صاحب جو
مذہبی باتین بتاتے تھے اُنکو بھی گوش دل سے سنتا تھا۔ اُسنے ایسے
رسالے لکھے تھے جنمین مختلف مذہبون کے علم الٰہیات کا مقابلہ کر کے
یہ دکھلایا تھا کہ کفر اور اسلام دونون توام بہنین ہین

کہا جاتا ہے کہ دارا نے یہ آزادہ روی کی مذہبی ہمدردی
پولیٹکل مصلحتون سے اختیار کی تھی تاکہ باجگزار راجاؤن اور عیسائیونکو
کہ وہ توپخانہ کی گولااندازی کا کام خوب کرتے تھے اپنا کر لے تاکہ آیندہ

جو تخت سلطنت کے واسطے جھگڑا پڑے اُسمین انسے ... ملر زیادہ تر
قرینہ اس بات کا ہے کہ وہ راستبازی کے ساتھ یہ کوشش کر رہا تھا کہ
جس راستہ پر اکبر چلا تھا اُسی پر وہ بھی قدم رکھے۔ آگے چلکر معلوم ہوگا
کہ دارا کو اپنے آزاد خیالون سے بجاے نفع کے نقصان ہوا اور
اسی سے اُسکے ہلاک کرنے کا بہانہ ہاتھ آگیا۔ لیکن اُسکے مذہبی رنگ
سے قطع نظر کیجیے تو وہ بزدل نازک مزاج جلد باز آدمی تھا۔ اُسکے
دل مین باریک خیالات اور نئے نئے مرقعے ہمیشہ بھرے رہتے تھے
اُسکو نہ کبھی اپنے اوپر قابو ہوا نہ دوسرون پر۔ اور بسا اوقات ایسا
ہوتا تھا کہ جب غصہ کو دور کرکے غور کرنے کی سخت ضرورت ہوتی تھی
تب ہی وہ مغلوب الغیظ ہو جاتا تھا۔ اُسمین شاعر ہونے کی قابلیت
تھی اعلیٰ درجہ کا فلاسفہ ہونے کی قابلیت تھی۔ مگر فرمانرواے ہند
ہونے کی قابلیت ہرگز ہرگز اُسمین نہ تھی۔

اُسکا دوسرا بھائی شجاع دارا سے زیادہ مضبوط ارادہ کا تھا
مگر اُسکی سی خوبیان اسکے مزاج مین نہ تھین۔ وہ دلیر تھا ہوشیار تھا
زیرک تھا اور رموز مملکت کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ ہندو راجاؤن کو

رشوتین دینے کی ترکیبون سے واقف تھا۔ چنانچہ جسونت سنگھ جیسے بڑے مہاراجہ مارٖواڑہ کو اپنی طرف کرلیا تھا۔ وہ اپنے تئین شیعہ کہتا تھا تاکہ ذی اختیار ایرانی سردار یا اتفاق اُسکا ساتھ دین۔ یہ سب کچھ تھا مگر ان سب پر پانی پھیر دینے والی ایک کمزوری بھی غضب کی تھی۔ وہ عیش و عشرت کا بندہ تھا۔ عورتین بیشمار رکھتا تھا اور جب اُنمین جا بیٹھتا تھا تو برابر کئی کئی دن اور کئی کئی رات ناچ گانے اور شراب پینے مین بسر ہوتی تھی۔ جنکو عزیز رکھتا تھا اُنکو بیش قیمت خلعتون سے سرافراز کرتا تھا اور جب وقت جیسا مزاج مین آگیا کبھی تنخواہ بڑھا دیتا تھا کبھی گھٹا دیتا تھا۔ اپنے نقصان کے اندیشہ سے کوئی امیر کوشش نکرتا تھا کہ اُسکو اِس طرز زندگی سے باز رکھے۔ اِسی سبب سے سرکاری کام کہ وہ حاکم بنگالہ بھی تھا اکثر پڑا رہ جاتا تھا اور رُاسکی رعایا کے دلون سے اُسکی محبت جاتی رہی تھی*۔ خلیفۃ المنصور بانی سلطنت عباسیہ کی نسبت لکھا ہے کہ جب لڑائی درپیش ہوتی تھی

* یہ عبارت ڈاکٹر برنیر کی کتاب ٹریولس (وقایع سیاحت) کی ہے جسکا نسٹبل صاحب نے فرانسیسی سے انگریزی مین ترجمہ کیا ہے۔

تو جب تک فتحیاب نہو لیتا تھا کبھی عورت کی صورت پر نگاہ نہ ڈالتا تھا۔ شجاع کو بھی اُسی کی تقلید کرنی مناسب تھی۔ کسی مغل بادشاہ کو جو اپنے تئین زنانخانہ مین بند رکھے اور برابر رعایا کے سامنے آتا اور اُنکی فریادین سُنتا نہ رہے یہ امید نہین ہوسکتی تھی کہ رعایا اُسکی برتری کو مانتی رہے گی۔ شجاع کا زنانخانہ ہی اُسکی زندگی کا زندان خانہ تھا۔[1]

شاہجہان کا سب سے چھوٹا بیٹا مراد بخش بڑا جری اُجڈ تھا۔ شیر کی طرح دلیر۔ روز روشن کی طرح صاف دل۔ پولیٹکل باتون مین سادہ لوح۔ ملکی چالون سے نفرت کرنیوالا۔ اور اپنی شمشیر پر بھروسا رکھنے والا۔ میدان جنگ مین اُس سے سب کانپتے تھے اور شراب پینے بیٹھتا تھا تو سب سے بڑھکر یارون کا یار تھا۔ اپنی بات کا پکا تھا۔ مگر صلاح دینے مین اُس سے زیادہ اکھڑ اور عیش کرنے مین اُس سے زیادہ بےفکر بھی کوئی نہین ہوسکتا تھا۔ یہ بہادر وحشی بھی شرابخواری کی اُس موروثی لت کی بھینٹ چڑھا جو بابر نے اپنی اولاد کو میراث مین چھوڑی تھی۔ اُسکے نام کی رعایت سے دیکھیے تو مرادبخش کی ولی

مرادین سب برآئی تھین مگران مرادون کا برآنا ہی اُسکی تباہی کا موجب تھا
شاہجہان کے بستر علالت پر ہونے کے زمانہ مین جو جو سازشین
ہوئین اُنمین دو شہزادیون نے بھی بڑے بڑے کام کیے۔ بڑی شہزادی
جہان آرا جو بیگم صاحبہ کے لقب سے مشہور تھی اپنے باپ کی بڑی چاہتی
تھی۔ وہ حسین تھی اور طبیعت بھی اچھی پائی تھی۔ بڈھے باپ کو اُسکی
صحبت مین لطف آتا تھا اور اُسکی بہت کچھ جگہ شاہجہان کے دل
مین تھی۔ اور چونکہ اب خاص محل کی کوئی ملکہ رہ نہین گئی تھی اسلیے
دربار مغلیہ مین جہان آرا ہی کا دَور دورہ تھا۔ کوئی سازش یا چال
بغیر اُسکی مدد کے چلنے نہ پاتی تھی۔ اور جو بیش بہا تحائف اُسکو اُن لوگون
سے ملتے تھے جنکو بادشاہ سے کچھ نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا تھا اُنکو اور
اُس بیش قرار رقم کو جو اُسکو پاندان کے خرچ کے طور پر ملتی تھی ملا کر اُسکے
پاس دولت بھی کثیر ہو گئی تھی۔ اُسکی قسمت مین بھی مثل اور مغل شہزادیون
کے یہی لکھا تھا کہ تمام عمر کنواری بیٹھی رہے۔ اِسکی وجہ یہ تھی کہ ہندستان
مین اُسکے لائق کوئی بر نہ مل سکتا تھا یا شاید یہ وجہ ہو کہ کوئی بڑا امیر
اُس مصیبت کی عزت کی پروا نکرتا تھا کہ شاہی بیوی کی تابعداری کا

بار اپنے سر لے جس گھر مین کئی کئی بیویان ہون اُنمین شہزادیون کی وجہ سے کچھ اس درامان مین زیادتی نہین ہو جاتی تھی - مگر کہا جاتا ہے کہ مثل اور اپنی شاہی خاندان ورغانی دودمان بہنون کے شہزادی صاحبہ اپنی اسی حالت مین خوش تھین - پولیٹکل باتون مین یہ شہزادی داراکی حامی تھی اور جہان تک بس چلتا تھا بادشاہ سے اُس کی سفارش کرتی رہتی تھی - اُدھر چھوٹی بہن روشن آرا دلسے اورنگ زیب کی مددگار تھی اور بڑی شہزادی اور بڑے بھائی سے قلبی نفرت رکھتی تھی - جب تک دارا زندہ رہا روشن آرا کا کچھ زور نہ چلا مگر اُسنے برابر اورنگ زیب کے فائدہ کو مدنظر رکھا اور جو کچھ دربار مین ہوتا رہا اُسکی اطلاع اورنگ زیب کو کرتی رہی - روشن آرا اپنی بہن کی طرح صاحب جمال نہ تھی مگر اسکے باعث یہ نہ تھا کہ اُسکو کوئی پوچھتا نہ ہو - اور ان کامون سے سوا کنواری لڑکیون کو اپنے زنانخانے کی زندگی مین اور فکر ہی کاہے کی تھی -

شاہجہان کا تیسرا بیٹا اورنگ زیب ۳ - نومبر ۱۶۱۸ء کی رات کو بمقام دھونڈھ پیدا ہوا - یہ مقام مالوہ کی سرحد پر بڑودہ اور اُجین کے

قریب قریب بیچون بیچ مین واقع ہے۔ اُس کا باپ اُس زمانے مین صوبۂ دکن کا حاکم تھا۔ مگر یہ بادشاہ مستقبل دوہی برس کا تھا کہ شاہجہان پر دربار سے عتاب ہوا اور مجبوراً لڑتے بھڑتے تلنگانہ اور بنگالہ مین ہوکر بھاگنا پڑا۔ اور کہین تین چار برس بعد جاکر اُسکو صوبۂ دکن کی حکومت پھر نصیب ہوئی۔ آخرکار اُسنے جہانگیر کی اطاعت [illegible] کرلی اور عذرخواہی کی۔ اور اِس شرط پر بلا مزاحمت رہنے کی اجازت ہوئی کہ اپنے دو بیٹون دارا اور اورنگ زیب کو بطور کفیل آگرہ پہونچا دے (۱۶۲۵ء) کچھ معلوم نہین ہوتا کہ اس خانہ جنگی مین جو کئی برس گذرے اُسمین اور نورجہان سی شکی مزاج ملکہ کے پاس نظربند ہونے کے زمانہ مین اس بچہ کا کیا حال رہا۔ نہ اسکا کچھ حال کہین لکھا ہے کہ اسکے ایام طفولیت مین اُس زمانہ سے کہ نو برس کی عمر مین اُسنے اپنے باپکو تخت نشین ہوتے دیکھا تھا (۱۶۲۸ء) تک کہ یہ سترہ برس کا نوجوان [illegible] حکومت دکن کے معزز عہدے پر ممتاز ہوا کیا کیا واقعات پیش آئے۔ مشرقی شہزادون کے ایام طفولیت مین معمولاً کچھ ایسے واقعات بھی نہین ہوتے۔ اورنگ زیب نے مسلمانون کی معمولی تعلیم تو ضرور ہی پائی تھی۔

قرآن پڑھا ہی تھا۔ قواعد عربی کے دقیق مسائل بھی اُسکو بخوبی مستحضر تھے
اور جو مکتبی کتابین اب تک مشرق مین درسیات کا لازمی جزو بھی جاتی
ہین وہ بھی اُسنے پڑھی تھین۔ نظم مین بھی اُسکو خاصی دستگاہ تھی۔ اور
نثر مین تو اُسکے فارسی رقعات کا طرز تحریر اب تک ہندوستان مین قدر
کی نگاہون سے دیکھا جاتا ہے۔ بڑا ہوکر اورنگ زیب اسکا شاکی تھا
کہ میرے جاہل یا کم از کم تقلید کے پابند اُستاد نے جو تنگ طریقہ میری
تعلیم کا رکھا وہ بہت خراب تھا۔ اُسنے خود ایک خاکہ کھینچکر بتلایا
بھی تھا کہ شہزادہ کی تعلیم اسطرح سے ہونی چاہیے۔ غالب ہے کہ
ابتدائی مذہبی تعلیم ہی کا یہ اثر تھا کہ اُسکو مسلمانی غلو مذہبی کیطرف
بہت رجحان تھا۔ اور اسی غلو مذہبی کی بدولت اُسنے اپنا نام بھی
روشن کیا اور یہی اُسکے زوال کا بھی باعث ہوا۔

اورنگ زیب کی لڑکپن کی حکومت دکن کو برائے نام ہی فرمانروائی
سمجھنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم سن شہزادہ بہ نسبت اسکے
کہ جو زمین نظرون کے سامنے تھی اُسکی تسخیر کی تدبیر کرے زیادہ تر اپنی
آئندہ زندگی کی فکرون مین مصروف رہتا تھا۔ ممکن ہے کہ اُسکے باپ کے

پر تکلف دربار کے جاہ و جلال اور نمایشی شان و شوکت نے نوجوان شہزادے کے حق مین دل کو انسانی خواہشون کی ہوا پرستی پر غور کرنے کی طرف مائل کیا ہو- یا کسی دانشمند دوست نے اسکی تربیت پذیر طبیعت مین یہ عبرت جما دی ہو کہ اُسکے بہت سے شاہی رشتہ دارونکو بیفکری کے ساتھ لہو و لعب مین مصروف رہنے سے کیسے کیسے خراب نتائج حاصل ہوے- بہر حال اسکی وجہ جو چاہے سو ہو یہ بات تو ظاہر ہے کہ اورنگ زیب چھوٹی ہی سی عمر سے زندگی کے مرحلہ کو بہت مشکل مرحلہ سمجھنے لگا تھا- سنہ ۱۶۴۳ء مین کہ ابھی اُسکی عمر چوبیس ہی برس کی تھی اُسنے تارک الدنیا ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور وقعی مغربی گھاٹ کے پہاڑی سلسلہ کے ویران مقامات مین بود و باش اختیار کر لی (ڈاکٹر فرائر صاحب کو اسی مقام پر اورنگ زیب کا مسکن دکھلایا گیا تھا)- اور نفس کشی کی ریاضت شاقہ کہ وہ اسلامی فقیر کے لیے لازمی ہے اپنے اوپر اختیار کر لی-

چونکہ یہ غیر معمولی بات ایک نوجوان مغل شہزادے کے واسطے اُس سے کہین زیادہ عجیب و غریب تھی جیسی کہ ضعیف اور ناقص کے

ستائے ہوئے مایوس بادشاہ چارلس پنجم کے واسطے تھی اِس لیے
اورنگ زیب کے بعض معترضین اسکو مکاری اور پیش بندی پر محمول
کرتے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ طمع سلطنت سے اصطلاح الگ تھلگ
رہنے کے حیلے سے مقصود یہ تھا کہ اپنے ہمعصرون کی آنکھین بند
کردے تاکہ جو حوصلے اُسکے سینہ مین جوش زن تھے وہ اُنکی نظرون
سے مخفی رہین۔ لیکن اِس اعتراض کی کوئی معقول وجہ نہین معلوم
ہوتی اور یہ بھی ان بیشمار مثالون مین سے ایک مثال اُس انداز
کی ہے جس سے اورنگ زیب کی سوانح عمری لکھنے والون نے
اسکی منافقانہ طبیعت کے دکھلانے کی کوشش بلیغ کی ہے۔
بجائے اسکے کہ اُسکا کچھ کام نکلے اس ریاضت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکا
باپ اُس سے بہت سخت ناخوش ہوگیا۔ شہزادے کو یہ سزا ملی کہ
تنخواہ بند ہوگئی منصب اور جاگیر ضبط ہوگئے اور گورنر دکن کے عہدہ
سے معزول کردیا گیا۔ اُسکے خاندان والے ضرور اُسکے مذہبی رنگ
سے متاثر ہوئے اور اُسکا بڑا بھائی دارا جو آزاد منش ہونے کی
شان رکھتا تھا اُسکو پیرجی کے لقب سے یاد کرتا تھا۔ مگر یہ بات

پایۂ ثبوت کو نہین پہونچتی کہ ان لوگون کو اپنے بھائی کی نسبت
اندازہ کرنے مین دھوکہ ہوا جو قریب کے رشتہ دارون مین بہت کم
ہوا کرتا ہے اور نہ یہ ثابت ہوا کہ آسکے تارک الدنیا ہو جانے سے
سردارون یا رعایا کی نظرون مین اُسکی وقعت کچھ زیادہ ہو گئی۔
علاوہ برین اگر اورنگ زیب ایسا گہرا چکہ دینے والا مکار ہوتا تو
جب تک ضرورت باقی رہتی وہ اپنے اس رنگ کو قائم رکھتا اور
اُسوقت تک انتظار کرتا کہ جب تک وہ موقع حملہ کرنے کا ہاتھ آجاتا
جسکی تاک مین وہ اپنے سُنسان حجرے مین بیٹھا تھا۔ بجاے اسکے
اورنگ زیب سال ہی بھر کے عرصہ مین اعتکاف سے نکل آیا اور گجرات
سے بڑے صوبے مین حکومت کرنے لگا۔ اسکے بعد جب جب لڑائی
ہوتی اورنگ زیب سب کے آگے ہی دکھائی دیا اور رہا بہ رعایا کی
نظرون کے سامنے ڈٹا رہا۔ اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ عارضی
ترک دنیا بھی جوانی کے زمانے کی ایک دُھن تھی جسکو مذہبی جوش
سے تحریک ہو گئی تھی۔ اِس تجربہ کی جِدت تھوڑے ہی دنون مین
جاتی رہی۔ گوشۂ عافیت کی تنہائی سے فقیر کا جی گھبرا گیا۔ اور

نوجوان شہزادہ اس نیت سے واپس آگیا کہ اُس جگہ اپنے فقر کے
خیالات کو پورا کرے جہان اُسکی نفس کشی اُسکے لیے اور بھی تعریف
کے قابل ہو اور اُس بڑی دنیا پر اور بھی زیادہ اثر ڈالے جسمین کام
کرنے کے واسطے وہ خلق ہوا تھا - وہ اسلیے نہین پیدا ہوا تھا کہ "نکما
پڑا ہوا خواب دیکھا کرے اور خودشکنی مین کاہلی کے ساتھ اپنی
زندگی کے دن پورے کردے" اسکی فقیرانہ طبیعت اسواسطے
وضع کیگئی تھی کہ اُس سے ایک سلطنت کی سلطنت کا رنگ بدلے -
ایام شباب کے خواب کا اثر تھوڑے ہی دنون مین جاتا رہا
اور جو پہلے فقیر تھا وہ اب مدبرالملک اور سپہ سالار فوج بنگیا -
فروری ۱۶۴۶ء مین شاہجہان نے اسکو پانزدہ ہزاری منصب
پر ممتاز کیا اور دس ہزار سوار دیکر سلسلۂ کوہ ہندوکش کے شمال و
مغرب کے صوبجات بلخ و بدخشان کا حاکم مقرر کردیا کہ یہ صوبجات
حال ہی مین سلطنت مغلیہ مین شامل ہوے تھے - یہ صوبے
ایک زمانہ مین اکبر کے دادا بابر کی عملداری مین داخل تھے -
شاہجہان کو مدت سے حوصلہ تھا کہ اپنے سوئے ہوے دعوے کو

پھر جگائے اور اپنے نامی مورث کی سلطنت پھر حاصل کرے۔ وہ
ان ہی صوبون کو سمرقند کی سلطنت قدیم کے پھر لینے کا زینہ
بنانا چاہتا تھا کہ سمرقند دار السلطنت تھا اُسکے نامی دگرامی مورث
اعلیٰ تیمور کا جسکا لقب قہر الٰہی بھی تھا۔ اب یہ سلطنت مع بلخ
اور بدخشان کے باجگزار صوبون کے اُزبکون کے قبضہ مین تھی
کہ اُنپر استراخان کے خاندان کا ایک فرمانروا تھا اور اُس کا
سلسلہ بھی مثل اسکے ہندوستان والے دشمنون کے چنگیزخان
سے ملتا تھا۔ مگر اِن لوگون کی سلطنت اُس طاقت کے پاسنگ
بھی نتھی جو تمرلنگ نے اپنے جانشینون کے واسطے چھوڑی تھی۔
اور ایرانی جنرل علی مردان نے شہزادۂ اصغر مراد بخش کے ساتھ
پچاس ہزار سوار اور دس ہزار پیدل و توپخانہ لیجا کر بغیر اسکے
کہ پہلے سخت لڑائی کی نوبت آئے بلخ اور اُسکے قریب کے
شہرون کو ۱۶۴۶ء مین تسخیر کرلیا تھا۔

مگر تسخیر کرلینا تو کچھ مشکل نہ تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اِسکو رکھا
کسطرح جاے کہ یہ ملک بہت دور دراز تھا اور اسکے اور بقیہ

سلطنت کے بیچ مین کوہ ہندوکش کا سلسلہ حائل تھا اور جاڑے کے دنون مین اُسپر عبور نا ممکن تھا - اور ہر وقت بیباک پہاڑی فرقون کے حملہ کا اندیشہ رہتا تھا کیونکہ ان فرقون کے زیر کرنے کی جس پہاڑی سرکار نے کوشش کی اُسکو سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہوا - جب اورنگ زیب اپنی جائے حکومت پر پہونچا تو تھوڑے ہی عرصہ مین اسے معلوم ہو گیا کہ یہ ملک کس قسم کا ہے اور اسکے حامیون کا کیا رنگ ہے اور جیسا کہ ایک عقلمند سپہ سالار کو کرنا چاہیے تھا ایسے نازک مقام سے مراجعت ہی کرنی مناسب سمجھی - چنانچہ اُزبکون کے بادشاہ سے صلح کر لی اور بیکار صوبے واپس دیکر ہندوستان واپس آنے کی تیاری شروع کر دی - اکتوبر کا مہینہ آن پہونچا تھا اور اب پہاڑون سے اُترنے مین دیر کرنے کا وقت نہین رہ گیا تھا - باوجود اسکے کہ اورنگ زیب نے اپنے ایرانی اور ہندوستانی مشیرون کی صلاح سے ہر طرح کی تدابیر حفظ ما تقدم کر لی تھین اور بذات خاص اس کوچ کا نگران تھا تاہم بڑی بڑی مصیبتین پیش آئین - پہاڑی لوگ مراجعت

گرنیوالے راجپوتونکے آس پاس منڈلاتے رہتے تھے جو لوگ اٹک پڑجاتے
تھے اُنکو کاٹ ڈالتے تھے اور ہر ہر قدم پر مشکلین ڈالتے تھے - اسباب
کھڈونمین گرتا جاتا تھا - ہزارہ جات البتہ تنگ گھاٹیون سے کسیقدر بلندی
پر کچھ کچھ نظر آتے تھے - ہندوکش برف سے دبا ہوا تھا کہ پانچ گز
برف باری ہوئی تھی - غرض گھوڑدن ہاتھیون اونٹون اور
باربرداری کے اور جانورون کا شمار نہین پانچہزار آدمی سردی
اور خرابی موسم کے باعث ہلاک ہو گئے - ایک ٹوٹی پھوٹی پالے
کی ماری ہوئی فوج کابل تک پہونچی - اور شاہجہان کی شان و
عظمت بڑھانے کی بیش قیمت تدبیر نے خزانہ سے دو کرور روپیہ
زیادہ ہی نیادہ نکلوا دیے -

اورنگ زیب کو اپنی دوسری مہم مین بھی ایسی ہی ناکامی
ہوئی - قندھار جو شاہ ایران کے پاس تھا - اب سے کوئی دس
برس پہلے (۱۶۳۸ء) وہان کے قابل اور ذی حوصلہ حاکم علیمردان
نے اُسکو مغلون کے حوالہ کردیا تھا - اور جو دغا اپنے پُرانے آقا کو
دی تھی اُسکو نئے آقا کی بڑی بڑی خدمتین کرکے مٹا دیا - یہ خدمتین

کچھ جنگی ہی نہ تھین بلکہ زمانہ امن و امان کے کام بھی ایسے ہی کیے ۔
مثلاً دہلی کی نہر نکالی کہ آج تک اُسی کے نام سے مشہور ہے۔ سنہ ۱۶۴۸ء
کے خاتمہ کے قریب ایرانیون نے شہر قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ اورنگ زیب
اور سعد اللہ علامی دستور اعظم مع راجہ جے سنگھ اور اُسکے راجپوتون کے
مدد کے واسطے بھیجے گئے ۔ مغلیہ فوج مین ساٹھ ہزار سوار اور دس ہزار
پیدل و توپخانہ تھا۔ مگر ان لوگون کے کابل پہونچنے سے پہلے ہی قندھار
زیر ہو چکا تھا۔ چنانچہ محاصرہ کا اہتمام کیا گیا۔ ماہ مئی سنہ ۱۶۴۹ء مین مغلون
نے اپنے مورچے کھولدیے اور نقب زیر نقب اور چھاپے اور حملے چار
مہینے تک بڑے زور شور سے ہوتے رہے۔ مگر فوج میدان مین جم کر
لڑنے کے واسطے آئی تھی کچھ محاصرہ کے واسطے تو آئی نہ تھی کہ بھاری
بھاری توپین بھی ساتھ لاتی ۔ ستمبر سر پر آگیا اور کام بہت تھوڑا ہی
ہو پایا۔ اور اب جاڑے کی آمد آمد تھی ۔ اورنگ زیب ایک دفعہ جاڑے
کے موسم مین پہاڑون مین ہو کر مراجعت کرنے کا مزہ چکھ چکا تھا
اور اب بار دیگر آزمودہ را آزمودن کی ضرورت نہ تھی ۔ چنانچہ
فوج کابل چلی آئی۔

۱۶۴۹ء

سنہ۱۶۵۳ء کے موسم بہار مین قندھار لینے کے واسطے پھر زور لگایا گیا اور سعد اللہ علامی کے ساتھ اورنگ زیب پھر فوج بحر موج لیکر بھیجا گیا اور اب کی دفعہ ایک قلعہ شکن توپخانہ بھی ساتھ گیا جسمین آٹھ بھاری اور بیس ہلکی توپین تھین اور تین ہزار اونٹون پر گولہ بارود لدا ہوا تھا مگر سرحد مضبوط تھی اور بڑے زور شور کے ساتھ حفاظت کا سامان کیا گیا تھا۔ محاصرین کی توپون سے اچھی طرح کام نہین لیا گیا دو توپین پھٹ بھی گئین۔ غنیم کے نکل نکل کر چھاپے مارنے اور برابر گولہ باری کرنے کے باعث انجیر لوگ ہٹ آئے۔ اور دو مہینے آٹھ دن کے بعد پھر محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ آغاز سال آیندہ مین شہزادے داراشکوہ نے اور بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ زور لگایا۔ مگر اُسمین بھی کچھ کامیابی نہین ہوئی۔ باوجودیکہ بعض بعض توپین من من بھر کے گولے نکالتی تھین۔

افغانستان اور ہندوکش پار کی لڑائیان تاریخ ہندوستان سے متعلق نہین ہین۔ البتہ اُنسے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہاڑی ملکون پر کسی دور دراز مرکز سے عام اس سے کہ وہ دہلی ہو یا کلکتہ قبضہ رکھنے مین کیسی کیسی سخت مشکلین پڑتی ہین۔ مگر یہ لڑائیان اورنگ زیب کے

بڑے کام آئین۔ انھین کی بدولت اسکو فوج شاہی سے کام پڑا اور
اسکو اس ملک کے بڑے بڑے سپاہیون کے سامنے اپنی بہادری
اور سپہ سالاری کے جوہر دکھلانے کا موقع ملا۔ یہ تو ہمین سمجھنا چاہیے
کہ علی مردان اور جے سنگھ سے آزمودہ کار کمانڈرون کے ہوتے ساتے
اور باوجود سعد اللہ کے پاس ہونے کے اورنگ زیب اصلی سالار فوج
نہ رہا ہو۔ شروع شروع مین تو وہ سپہ سالار برائے کار نہ تھا
بلکہ برائے نام۔ مطلب یہ تھا کہ شہزادے کی موجودگی سے آزمودہ کار
سپہ سالارون کی شان بڑھجائے۔ مگر جب وقت گزرا تو ایسے موقعے
پیش آئے کہ اُسکو اپنی ذاتی ہمت اور فن سپہگری کی قابلیت سے
کام لینا پڑا۔ سپہ سالار اُسکے کامون کو دیکھکر اُسکی قدر کرنے لگے اور
سپاہیون نے بھی سمجھ لیا کہ ہمارا شہزادہ اُتنا ہی مستقل مزاج اور
ہمت والا ہے جتنا کہ کوئی ہندوستان کا بہتر سے بہتر افسر ہوگا۔
جب ان لوگون نے دیکھا کہ ازبکون سے لڑائی ہو رہی تھی کہ مغرب
کا وقت آگیا اور بادشاہ نے بہت سہولت کے ساتھ گھوڑے سے
اُتر کر ہمین گولیون کی بوچھار مین نماز ادا کی تو ان لوگون نے پہچانا

کہ یہ شخص کس پایہ کا ہے - اب ہر سپاہی اور مدبر کو یہ معلوم ہو گیا کہ سلطنت کے نصیب مین آیندہ چل کر جو کچھ ہونا ہو گا وہ تو ہو ہی گا مگر اورنگ زیب بھی اُسکا جزو لاینفک ہی رہیگا - جب وہ پہاڑ پر گیا ہے تو اُسکے جوہر کسی کو معلوم نہ تھے - مشہور یہ تھا کہ فقیر ہے - اور جنگی عمدتا اُسنے کوئی کی نہین تھین کہ اُسکے نام لکھی ہوئی ہوتین - جب واپس آیا تو وہ سپہ سالاری کے کام مین منتخب ہو چکا تھا - آزمودہ دلیری اور استقلال کا آدمی ہو گیا تھا - اور ایسا شہزادہ تھا کہ اُسکی دانشمندی مستقل مزاجی اور رائے صائب کی آزمایش تین مشکل لڑائیون مین ہو چکی تھی - جس طرح اُسکے بعد اور شمالی مغربی سرحد کی اکثر لڑائیون کا خاتمہ ہوا اُسی طرح یہ لڑائیان بھی ختم ہو گئین مگر ان لڑائیون نے اورنگ زیب کے ساتھ وہی کیا جو بعد مین اسٹوارٹ اور رابرٹس کے ساتھ کیا - یعنی یہ کہ جو سپہ سالار اُن لڑائیون مین تھے اُنکی جگہ ہندوستان کے سپہ سالارون کی صفِ اول مین کر دی - بلخ اور قندھار کے بعد شہزادے کو لوگ مان گئے کہ یہی کچھ ہونیوالا ہے -

دوسرا باب

تخت سلطنت کی لڑائی

جس شہزادہ نے افغانستان کی لڑائیون مین اسقدر قابلیت
اور مستعدی دکھلائی تھی اُسکی قسمت مین آخرکار یہی لکھا تھا کہ صوبۂ
دکن مین جہان ہمیشہ ہنگامے برپا ہوتے رہتے تھے حکمرانی کرے۔
۱۶۵۵ء سے ۱۶۵۷ء تک جو کچھ اورنگ زیب نے اس صوبہ مین
کیا اُسکا حال آگے کے باب مین لکھا جائیگا۔ یہان اسیقدر لکھنا
کافی ہے کہ گولکنڈہ اور بیجاپور کی اسلامی سلطنتون کے ساتھ جو
کچھ اُسکا برتاؤ رہا اُسکے باعث اُسکی سپہ سالاری اور باتدبیر ہونیکی
اور بھی زیادہ دھوم ہوگئی۔ عین کامرانی کے زمانہ مین وہ یہان
سے طلب کرلیا گیا تھا تاکہ اپنی زندگی کے بنانے بگاڑنے والے
کام کا سامنا کرے۔ جیساکہ اوپر ذکر ہوچکا ہے ۱۶۵۷ء کے موسم
خزان مین اُسکے باپ شاہجہان کے بیمار اور قریب المرگ ہونے کی
خبر مشہور ہوئی۔ تاج سلطنت کیواسطے لڑنا اور عزیز واقارب کا

کشت وخون کرنا فوراً شروع ہوگیا۔ اورا ورنگ زیب نے اس
کام مین خاص طور سے حصہ لیا۔ یہ کوئی لڑکون کا کھیل تو تھا ہی
نہین۔ چارون بھائی پوری عمر کے پختہ مزاج او مستقل ارادون
کے آدمی تھے۔ اور ہر ایک کو فن جنگ اور حکمرانی ممالک کا تجربہ
حاصل تھا۔ باپ کو اپنا جہانگیر سے گستاخی کرنا یاد تھا اور چونکہ اُسکو
بیٹون کی طرف سے خانہ جنگی اور ناخلفی کے حرکات کا اندیشہ
ہمیشہ لگا رہتا تھا اسلیے اُسنے اُنکے حسد و عناد کے کم کرنے اور
نقصان رسانی کی طاقت کو توڑ دینے کے خیال سے یہ تدبیر کی
تھی کہ سبکو ایسے صوبون کا حاکم کردیا تھا جو ایک دوسرے سے
بہت دور دراز فاصلے پر واقع تھے۔ شجاع کالے کوسون پورب
مین بنگالہ کا گورنر تھا۔ اورنگ زیب ملک کے اُس سرے پر دکن
مین دکن کا فرمانروا تھا۔ مراد بخش پچھم مین تھا اور گجرات کی حکمرانی
مین مگن رہتا تھا۔ دارا جو سب سے بڑا تھا وہ ملتان اور کابل کا
حاکم تھا۔ مگر اُسکی ضرورت باپ کو اسقدر رہتی تھی کہ وہ اپنا کام
دوسرون کے سپرد کرکے دہلی آگیا تھا اور بادشاہ کے حضور مین

حاضرباش تھا۔ ہر شہزادہ بجاے نائب بادشاہ ہونے کے زیادہ تر خود مختار فرمانروا تھا۔ بڑی بڑی مالگزاری کی رقمین انکے اختیار مین تھین اور انکو یہ لوگ اُن بڑی بڑی فوجون کی تیاری مین صرف کرتے تھے جنکی اُس لڑائی کیواسطے ضرورت تھی جسکا تھوڑے دنون بعد پیش آنا لازمی تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارا پر نظر عنایت زیادہ تھی اور جون جون بادشاہ کی عمر بڑھتی گئی اُسکے فرزند اکبر کا زور بھی بڑھتا گیا۔ قندھار پر جو پچھلا سخت حملہ ہوا تھا اُسکے بعد شہزادہ بہت سے انعامات شاہی سے سرفراز ہوا۔ شاہ بلند اقبال کا خطاب ملا۔ اور علاوہ زر و جواہرات کے جنکی مالیت تین لاکھ روپیہ تھے ایک خلعت ملا جسمین ہیرے اور موتی ٹکے ہوے تھے اور اُسکی قیمت پچاس ہزار روپیہ آنکی جاتی تھی۔ اور دستار کیواسطے ایک بیش بہا یاقوت بھی عطا ہوا۔ سب سے بڑھکر یہ ہوا کہ اُسکے واسطے ایک طلائی چوکی تخت شاہی کے نیچے بچھی تھی اور سارے خاندان شاہی مین صرف دارا کو یہ اجازت تھی کہ بادشاہ کے سامنے بیٹھا رہے۔

دربار والون کو اس سے زیادہ صریح کیا اشارہ اس بات کے سمجھنے کا
ہو سکتا تھا کہ شاہجہان کا منشا دارا کو اپنا جانشین کرنے کا ہے۔
جب بادشاہ اپنی خطرناک علالت کے باعث کاروبار سلطنت سے
معذور ہو گیا تو دارا ہی اُسکی جگہ کام کرتا تھا۔ اور اُسی کا حق بھی
تھا کہ وہی سب سے بڑا بیٹا اور وارث تخت دہلی تھا۔ مگر وہ بھی یہ
جانتا تھا کہ مجھے تین بھائیون سے معاملہ پڑیگا۔ اور ہر ایک فوج کثیر کا
افسر اور ایک ایک صوبہ کا حاکم ہے۔ جو تدبیرین اُسنے اس غرض
سے کین کہ باپ کی علالت کی خبر ان لوگون کو نہ پہونچنے پائے اُنسے
ظاہر ہوتا ہے کہ اُسکو یہ خوف تھا کہ دیکھیے کاروبار سلطنت سنبھالنے کا
نتیجہ میرے حق مین کیا ہوتا ہے جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کسی مغل بادشاہ
کو بغاوت کے اندیشہ سے یہ جرأت نہوتی تھی کہ ایک دو دن کے لیے
بھی دربار عام سے غیر حاضر رہے تو شاہی انتظام کی ناپائداری کیسی التہ
تعجب طرح کی معلوم ہوتی ہے۔ رعایا کے اطمینان کے واسطے یہ کافی
تھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو دیکھ لین۔ اور اگر وہ نظر نہ آئے تو نتیجہ یہ نکالا
جاتا تھا کہ وہ مرگیا۔ جہانگیر کو بھی بسبب اعتدال کی [illegible]

وقت کسی نہ کسی طرح اپنے تئین سنبھال کر وقت مقررہ پر جھروکہ عام پر آبیٹھنا ہوتا تھا۔ شاہجہان کے اپنی معمولی جگہہ پر (جو دربار عام کے عالیشان ایوان سے نظر آتی تھی) نہ بیٹھنے سے شبہہ ہونا لازمی تھا۔ اور باوجود دارا کے یقین دلانے کے یہ افواہ بہت جلد ہر صوبے مین پھیل گئی کہ بادشاہ نے قضا کی۔ اور ہر شخص اپنے ہتھیارون کی درستی کرنے لگا اور ہنگامے کے واسطے تیاری کرنے مین مصروف ہو گیا۔ برنیر صاحب نے اِس وحشت ناک زمانہ کی ابتری کا حال یون لکھا ہے

"مغل بادشاہ کی علالت سے اُسکی عملداری بھر مین ابتری پھیل گئی اور ہراس پیدا ہو گیا۔ دارا نے بڑی بڑی طاقتور فوجین دلّی اور آگرہ مین جمع کین کہ یہی دونون سلطنت کے بڑے شہر تھے بنگالہ مین سلطان شجاع نے اسی زور شور کے ساتھ لڑائی کی تیاریان شروع کر دین۔ اور نگ زیب نے دکن مین اور مراد بخش نے گجرات مین ایسی فوجین جمع کرنی شروع کین جنسے معلوم ہوتا تھا کہ سلطنت کے واسطے ضرور لڑینگے۔ چارون بھائیون نے اپنے اپنے مددگارون اور رفیقون کو اپنے پاس فراہم کر لیا۔ سب نے خطوط لکھے۔ بڑے صبر کے

وعدے کیے۔ اور طرح طرح کی سازشین شروع کر دین۔۔۔۔۔ اسی عرصہ مین بادشاہ کی علالت بڑھی اور اُسکی وفات کی خبر مشہور ہوگئی۔ سارے دربار مین ابتری پڑگئی۔ آگرہ کی رعایا بہت ہراسان ہوگئی۔ بہت دنون تک دکانین بند رہین۔ اور چارون شہزادون نے کُھلم کُھلّا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ شمشیر ہی سے اپنے بڑے بڑے دعوون کا فیصلہ کرینگے۔ اب پیچھے ہٹنے کا وقت ہی کہان باقی تھا۔ یہی نہ تھا کہ اگر فتح پائی تو تخت ملیگا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی مصیبت تھی کہ اگر شکست ہو تو جان سے ہاتھ دھوئین۔ اب تو یا تخت یا تختہ۔ اسکے سواے تیسری کوئی بات نہ تھی۔

دوسرا بیٹا شاہ شجاع سب سے پہلے میدان مین آیا۔ اُس نے اس بات کو شہرت دی کہ دارا نے باپ کو قید کر لیا ہے اور اپنے تئین بادشاہ مشہور کیا۔ بنگالہ کے سکہ پر اپنا نام کُھدوا دیا اور آگرہ پر چڑھائی کر دی۔ شاہجہان نے جلد ہی سے اُسکو اپنی صحت یابی کی طرف سے مطلع کیا مگر شجاع نے اس خوشخبری کا اعتبار نہ کیا۔ قریب قریب اسی وقت مرادبخش نے احمد آباد مین اپنے نام کا سکّہ جاری کیا اور

اپنے نام سے خطبہ پڑھوایا اور اپنی شاہانہ مزاجی کا اظہار اسطرح پر
کیا کہ فوراً شہر سورت پر حملہ کرکے وہان کے بدنصیب سوداگرون
سے چھ لاکھ روپیہ وصول کرلیا۔ چارون بھائیون مین صرف
اورنگ زیب نے کوئی شاہی کام اپنے سر نہین لیا۔ اُسکے دلمین
چاہے جو کچھ رہا ہو مگر اُسنے اِسکا اظہار کسی سے نہین کیا۔ ممکن ہے
کہ اب تک اُسے واقعات سے بیخبری رہی ہو اور اتفاق وقت
کے مطابق اُسنے کام کیا ہو۔ بہرحال وہ اپنی بازی بہت ٹھہر ٹھہر کر
کھیلا۔ وہ دارا کی تندمزاجی سے بھی واقف تھا۔ شجاع کی مجہول مزاجی
اور کاہلی کو بھی جانتا تھا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی کی بے نکرا دہ
چہ غم طبیعت کا حال بھی اُسے معلوم تھا۔ اُسنے ان لوگونکو بڑھنے دیا
اور خود وقت کا منتظر رہا۔ یہ سُنکر بھی تو اُسنے اپنا کچھ ارادہ ظاہر
نہین کیا کہ دارا نے اُسکے مکان پر قبضہ کرلیا اور دہلی مین جو گماشتہ
اُسکا رہتا تھا اُسے قید کرلیا۔ مگر وہ یہ ضرور جانتا ہوگا کہ میرا کوئی اور
بھائی بادشاہ ہوگا تو میرے لیے موت یا قید کے سوا اور کوئی
صورت نہوگی اور اسوجہ سے اُسنے اپنی طبیعت تو ضرور جلدی

یکسو کرلی ہوگی۔ حفاظت خود اختیاری کی نظر سے یہ لازمی تھا کہ وہ بھی دعویدار سلطنت بنے۔ اور جب یہ فیصلہ کرلیا تو اب یہی دیکھنا باقی رہگیا کہ کس طرح کارروائی کیجاے۔ مراد بخش اور شجاع کے سے مزاج کے لوگ مردانہ وار اپنے شکار پر ٹوٹ پڑین تو ٹوٹ پڑین مگر اورنگ زیب کو ہمیشہ چکر کے راستون سے چلنے مین مزہ آتا تھا۔ ملکی چالون مین اسکی طبیعت بہت رسا تھی۔ چنانچہ اُسنے تخت سلطنت کی طرف بھی بڑے دور دراز اور پیچدار راستون سے قدم اُٹھایا۔

دارا نے فوراً اپنی حکومت جمائی۔ اُسنے بلا تاخیر شاہی فوجین روانہ کردین کہ شجاع اور مراد بخش کو سزا کو پہونچائین۔ دسمبر ۱۶۵۷ء مین اُسنے اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کو راجہ جے سنگہ کی اتالیقی مین شجاع کو زیر کرنے کیواسطے بھیجا۔ اور مہاراجہ جسونت سنگھ والی مارواڑ قاسم خان کی مدد لیکر مراد بخش کی آگے بڑھتی ہوئی فوج سے مقابل ہونے کو اِس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا گیا کہ باغی حاکم گجرات اور اُسکے دکن والے دوراندیش بھائی مین جو

سلسلہ خبرین پہونچنے کا قائم ہوا اُسکو منقطع کردے۔ دارا کو سب سے
زیادہ اورنگ زیب کی چالون سے اندیشہ تھا۔ مگر یہ بھی ڈر لگا ہوا
تھا کہ کہین ایسا نہو شجاع دہلی مین آن پہونچے اور شاہجہانکو گرفتار
کرلے تو پھر سلطنت کی کُنجی اُسی کے ہاتھ لگ جاے۔ اُسکے پاس
فوج اسقدر کثیر تھی کہ اُسنے اسمین کوئی خطرہ نہ سمجھا کہ اسطرح اُسکی
تقسیم کردے۔ اسکے حق مین بہتر یہی ہوتا کہ شجاع کو رہنے دیتا اور
اپنا سارا زور اورنگ زیب کے توڑنے مین صرف کرتا۔ شجاع
واقعی بہت آسانی کے ساتھ ہٹا دیا گیا۔ جے سنگھ بنارس کے پاس
اُسکے لشکر مین بیخبری کی حالت مین جا پہونچا اور قبل طلوع آفتاب
حملہ کردیا کہ اُسوقت تک رنگیلے شہزادہ کا شراب کا خمار بھی دور
نہین ہوا تھا۔ مختصر سی لڑائی کے بعد باغی بھاگ نکلے اور متحیر
شہزادہ جو ابھی پورے طور پر بیدار بھی نہونے پایا تھا ایسی جلدی
مین بھاگا کہ سارا لشکر خزانہ توپخانہ اور سامان حرب دارا کے
افسرون کے ہاتھ مین چھوڑ گیا۔ تعاقب بھی براے نام ہی کیا گیا
کیونکہ شاہجہان نے تاکید کردی تھی کہ جہان تک بن پڑے میرے

باغی لڑکے کے ساتھ بہت نرمی سے کام لینا۔

اسی عرصہ مین اورنگ زیب اپنی اِس حکمت عملی پر چلا کہ دوسرے کی آڑ مین شکار کھیلے۔ اُسنے مراد بخش کو تسخیر سورت کی مبارکباد لکھی اور یہ بھی تحریر کیا کہ "تمنے ہمارے بیوفا بھائی کی شرمناک اور ناحق کوشی کی حرکتون کی مخالفت مین جو کچھ ارادہ کیا ہو مجھے اپنا دلی رفیق سمجھو۔ قبلہ گاہی ہنوز بقید حیات ہین اور ہم دونون پر فرض ہے کہ اُنکی مدد کرین اور منحرف ظالم کو اُسکی سزا کو پہونچائین"۔ اُس خط مین اورنگ زیب نے اپنے جوش مذہبی کے باعث اس قسم کے بھی اشارے کیے تھے کہ جب امن ہو جاسے تو اس خبیث نفس بھائی کو راہ راست پر لاکر حج کے واسطے مکہ بھیجدینا چاہیے۔ اُسنے صلاح دی کہ فی الفور اُس "مغرور کافر جسونت سنگھ" کے مقابلہ مین چڑھائی کردینی چاہیے اور وعدہ کیا کہ مین بھی نربدا کے شمال مین گجرات کی فوج سے آن ملونگا خط کے خاتمہ پر یہ بھی لکھدیا کہ "مین اس معاہدہ پر قرآن مجید کی ضمانت دیتا ہون"۔ اور سب سے بڑھکر یہ کیا کہ ایک لاکھ روپیہ

بطور اپنے خلوص نیت کے زرضمانت کے بھیجدیا۔ اورنگ زیب کو جو حکمت عملی کی طرف تحریک ہوئی وہ علاوہ ذاتی حوصلہ مندی کے شاید اس خیال سے بھی ہوئی کہ اسکو دارا سے نفرت تھی اور اسکے ظلم سے ڈرتا تھا۔ بڑے شہزادہ نے شاہجہان سے زور لگا کر اورنگ زیب کے دکن کے منصوبون کو خاک مین ملا دیا تھا۔ اسکے اختیارات محدود کرا دیے تھے۔ جو لڑائیان اسنے کین انکو مسترد کرا دیا اور ایرانی سردار میر جملہ کو کہ پہلے شاہ گولکنڈہ کا ایک معزز افسر تھا فوج دکن کا افسر اعلی مقرر کرا دیا۔ اورنگ زیب کی خوش قسمتی سے یہ امیر بھی بالکل اسیکا طرفدار نکلا اور شہزادہ کو اجازت دیدی کہ دکن کی ساری فوج لیکر شاہی فوج کے مقابلہ مین چڑھائی کرے۔

آخر مارچ ۱۶۵۸ء مین اورنگ زیب برہانپور سے دارالسلطنت کی جانب روانہ ہوا۔ نربدا کے قریب چھوٹا بھائی بھی ملگیا۔ ماہ اپریل کے خاتمہ پر افواج متفقہ اجین کی عملداری مین دھرمات پور کے قریب فوج غنیم کے پاس پہونچ گئین۔ علیل بادشاہ نے آگرہ سے اورنگ زیب کو پیام پر پیام بھیجنے شروع کیے کہ اب ہمکو افاقہ ہے تمکو لازم ہے کہ اپنی

دکن کی حکومت پر واپس چلے جاؤ۔ مگر دونون بھائی خوب سمجھتے تھے کہ اب واپس جانے کا وقت باقی نہین رہا۔ اُنھون نے بہانہ یہ کیا (یا شاید یہی اُنھین یقین ہوا ہو) کہ دارا نے جہان پناہ کی طرف سے جعلی خط بنائے ہین اور یا تو قبلۂ دوجہان انتقال فرما چکے ہین یا قریب المرگ ہین۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اگر ممدوح ہنوز زندہ ہین تو اُنکی قدمبوسی حاصل کرین اور اُنکو ظالم منحرف کے ظلم سے نجات دین۔ چنانچہ اسی ارادہ کے مطابق (اور ممکن ہے کہ یہ ارادہ سچا رہا ہو) اورنگ زیب نے ایک طرار برہمن کی معرفت مہاراجہ جسونت سنگھ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ وہ مین اپنے باپ سے ملنا چاہتا ہون۔ مین لڑائی نہین کرنی چاہتا۔ یا تو میرے ساتھ چلو یا میرے راستہ سے الگ رہو تاکہ خونریزی نہونے پائے"۔ راجپوت نے گستاخی کا جواب بھیجا اور دونون طرف جنگ کی تیاریان ہونے لگین۔

۲۵۔ اپریل کی لڑائی کیحالات مین بہت کچھ اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہجہان کے بیت ولعل اور شاید اورنگ زیب کے وعدون اور رشوتون کی وجہ سے سپہ سالارون کی رایون مین تفرقہ پڑگیا تھا۔

بعض تو یہ صلاح دیتے تھے کہ دارا کے غضبناک احکام کی تعمیل کرنی
چاہیے اور باغیون کو نیست و نابود کر دینا چاہیے۔ اور بعض اُسکے
باپ کے اِس حکم کو مانتے تھے کہ گمراہ شہزادون سے بلائمت پیش آنا۔
اگر جسونت سنگھ نے اُسیوقت حملہ کر دیا ہوتا جسوقت اورنگ زیب
نربدا کے سامنے والے کنارے پر پہونچا ہے تو سلطنت مغلیہ کا رنگ ہی
کچھ اور ہوگیا ہوتا۔ دارا بادشاہ ہوکر چھوٹا اکبر ہوتا۔ ہندوون کا زور
ہندوستان مین بڑھ جاتا۔ سلطنت ہوجاتی متفقہ اور اُسکے سردار
ہوتے راجپوت راجہ تو پھر انگریز تاجرون کے حملون کا مقابلہ بھی بہت
سخت ہوتا۔ مگر شاہجہان نے اپنی کمزوری سے یہ چاہا کہ دارا کی
دعویداری کے مقابلہ مین اورنگ زیب کو کہ اعلیٰ درجہ کا قابل ہے
بہلا پھسلا کر ٹھیک کرلے اور فوج کو یہ حکم دیا کہ صرف دریا کو رہنا
عبور نہ کرنے دینا۔ یہ نہ کرنا کہ خود عبور کر کے جاؤ اور حملہ کرو۔ اسطرح
غنیم کو دو دن کا قیمتی وقت ملگیا اور اپنی پوری فوجین جمع کرلین۔
جب مراد بخش گھوڑے پر سوار ہوکر تیرون اور نیزون کی سخت بوچھار
مین دریا اُترا اور ساری طاقت دکن کی اُسکے پیچھے چلی اور فوج شاہی

سے جا بھڑی تو اسکا صدمہ سنبھالے نہ سنبھلا - قاسم خان اور اُسکے
مسلمان سپاہی دغا دیکر میدان سے بھاگ کھڑے ہوے یا یون
کہیے کہ مصلحت وقت دیکھکر سامنے سے ٹل گئے - راجپوت بڑی مردانگی
سے لڑتے رہے حتیٰ کہ آٹھ ہزار مین سے صرف چھ سو آدمی باقی رہگئے
یہ باقیماندہ جوان بھی زخمی اور دل شکستہ اپنے راجہ کے پیچھے پیچھے
اُسکے ریگستانی قلعہ مارواڑ کو چلے گئے - وہان راجہ کو بڑے سخت سخت
طعنے ملے - اُسکی عالی دماغ رانی نے محل کے پھاٹک بند کرا دیے اور
کہا کہ جو آدمی اسقدر ذلیل ہوا اُسکا میرے محل مین کچھ کام نہین —
"مین اُسکو اپنا شوہر نہین مانتی - اب مین اُسکا مُنھ نہ دیکھونگی -
اگر وہ فتح نہین کرسکا تو وہین مرجانا چاہیے تھا" یہ تھا سچا راجپوتی
جوش - اب رہی یہ بات کہ آخر کار رانی نے پھر اپنے شوہر سے میل
کرلیا سو یہ اسکی دلیل ہے کہ ہرچند کہ رانی چتوڑ کے مغرور گھرانے کی
بیٹی تھی مگر ہزار کچھ ہو پھر بھی عورت ہی تھی -

دار السلطنت مغلیہ مین تلاطم مچا ہوا تھا - طرح طرح کی تجویزین
پیش ہوتی تھین اور نامنظور ہوتی تھین - شاہجہان چاہتا تھا کہ خود

اپنی فوج لیکر باغیون کے مقابلہ کو جاے۔ اور اگر کہین اُسنے ایسا
کیا ہوتا تو نتیجہ کچھ کا کچھ ہو جاتا۔ پھر اُسکے بیٹون کی یہ مجال نہوتی
کہ اُسپر حملہ کرین کیونکہ اُنکو یہ بھی تو اندیشہ ہوتا کہ ایسا نہو کہ ہماری
فوج والے ہمکو چھوڑکر اپنے ہر دلعزیز بادشاہ کے جھنڈے کے
نیچے جا کھڑے ہون۔ مگر دارا کو تو جسونت سنگھ کی شکست یابی
کا غصہ بھرا ہوا تھا۔ وہ ٹھان چکا تھا کہ اِس داغ ذلت کو ایسی
فتح سے مٹاؤنگا جس سے میرا نام خوب روشن ہو جاے۔ وہ اپنی
اِس کامیابی مین کسی دوسرے کو شریک بھی نہین کرنا چاہتا تھا
اُسنے اسکا بھی انتظار نہ کیا کہ اُسکا بیٹا سلیمان شکوہ اور بنگالہ کی
فتحمند فوج واپس آجاے کہ کہین ایسا نہو کہ میری اس مہم مین
ایک اور حوصلہ مند شریک پیدا ہو جاے۔ اُسکو تو اپنے نام کی
پڑی تھی۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہی تھی جیسے رہمیز کی کہ اُسنے
کرناک کے بڑے ستونون پر یہ عبارت کندہ کرائی تھی کہ شہزادے
اور فوجی افسر میرے ساتھ لڑائی مین شریک نہین ہوے۔ مگر مین نے
اپنے ہی بھروسے پر لڑائی کی۔ مین نے مختلف قومون کے ہزارون

جوانکو مار بھگایا - اور مین اکیلے کا اکیلا"۔ مگر اسکے علاوہ اور بھی وجوہ دارا کے حملہ مین جلدی کرنے کی تھین - غنیم بڑی بڑی منزلین طے کر کے تھک گئے تھے اور ابھی تک چمبل پار نہین اُترنے پائے تھے - اور شاہی فوج اس کام کے لیے بہت کافی و وافی تھی کہ جب تھکے ماندے حملہ آور دریا اُترنے مین تیز پانی سے زور مار رہے ہون اُسوقت اُنکا خاتمہ کر دے - اسکے علاوہ جون جون دیر ہوتی جاتی تھی غنیم کے دل بڑھتے جاتے تھے - اور یہی موقع تھا کہ شاہجہان بھی اب چالون سے کام لے - اگر اسوقت نہ مارا تو پھر مارنے کی نوبت ہی نہین آئیگی -

بادشاہ بہت کمزور تھا - بیٹے کی ضد ماننی ہی پڑی - آنکھون مین آنسو بھر لایا اور اسکو جانے کی رضا دی - اسکا منع کرنا بھی فضول ہی ہوتا - فوج دارا کے حکم مین تھی اور اُسکی سخت مزاجی کا حال سب کو معلوم تھا پھر کسکی یہ مجال ہو سکتی تھی کہ اُسکے حکم سے عدول کرے کم سے کم شمار جو اُسکی فوج کا ہوا ہے وہ یہ ہے - ایک لاکھ سوار - بیس ہزار پیدل - اسی توپ - مگر اس سخت مزاج کمانڈر کے

ہردلعزیز نہونے اور مذہبی جوش والے شہزادے کی خوش تقدیری کے اعتقاد کے بڑھجانے کے باعث لشکر مین نمکحرام بہت ہو گئے تھے۔ اورنگ زیب کھلے خزانے بڑے فخر سے کہتا تھا کہ غنیم کے ساتھ میرے تیس ہزار رفیق ہین اور نتیجہ جو کچھ ہوا اُس سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ فوج مین بہت سے لوگ مذبذب طبیعت کے تھے۔ پیشین گوئیان کرنے والے اُداس سے تھے۔ کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ولیعہد کی فتح ہو گی۔ اور اُسکی فوج والون کے وہ جوش ہی نہ تھے جو اُن سپاہیون کے ہوتے ہین جو فتح کرنے کے واسطے جاتے ہین۔

دارا نے ان بدشگونیون کی مطلق پروا نہ کی۔ اُسکو تو اپنا نام روشن کرنے کی دھن تھی کیونکہ قندھار مین نام کرنے کی کوشش کر کے ناکام ہو چکا تھا۔ چنانچہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ فوج لیکر مقابلہ کو نکلا۔ چمبل پہونچکر معلوم ہوا کہ اورنگ زیب چکمہ دے گیا اور باوجودیکہ بادشاہی پہرے چوکیان لگی ہوئی تھین وہ دوسری جون کو دریا اُتر ہی گیا۔ ساتوین تاریخ کو سموگڑھ

(جو بعد مین فتح آباد کے نام سے موسوم ہوا) مین دونون فوجین ایک دوسری کی نظر کے سامنے آگئین - ایک آدھ دن تو دیکھ بھال ہی ہوتی رہی - گرمی ایسی سخت تھی کہ ہندوستان کے سیدانون کے سواے اور کہین نہین پڑتی - پوری پوری آگرہ کی گرمی تھی - اور بھاری بھاری ہتھیارون سے مسلح سپاہی غش کھا کھا کر گرتے تھے اور مرتے تھے - یہ جو وقفہ ہوا اسمین بادشاہ کے خطوط پہونچے کہ بنگال کی فوج قریب پہونچگئی ہے دارا کو چاہیے کہ اِس کمک کا انتظام کرے - اُسنے اپنے مزاج کے موافق جواب لکھا کہ تین دن کے اندر ہی اندر برادران بیہُنر کو دست وپا بستہ حضور مین حاضر کرتا ہون کہ اپنے کردار کی سزا حضور سے پائین -

فارسی استعارات پسند ہون تو یہ سہی کہ آفتاب عالمتاب تاجدار زرین کلاہ شمشیر ظفر پیکر لگائے ہوے اپنی خوابگاہ خاوری سے برآمد ہو کر نورافشان ہوا اور شاہ انجم سپاہ غرفۂ اُفق مین درآیا ورنہ سیدھی سادی عبارت یہ ہے کہ صبح سویرے اورنگ زیب نے اپنے جوانون کے پرے جما دیے - قلب

اپنے تحت مین رکھا بائین پہلو پہ مراد بخش کو متعین کیا اور دا ہنے پہ
بہادر خان کو اور اپنے بیٹے کو ہراول کے ساتھ بھیجدیا - اور توپخانہ
سے کہ حسب دستور آگے رہا کرتا تھا کام لینا شروع کرے - دارا نے
بھی اس عرصہ مین اپنی فوج اسی طرح جمائی - توپخانہ آگے گیا - توپون
مین زنجیرین لگی ہین کہ غنیم کے سوار ادھر نہ گھس آئین - بڑی توپون
پیچھے ہی توپ خانہ کے اونٹونکی قطار تھی کانہ ہلکی توپین تھین جنپر پیتل چڑھا
ہوا تھا اور شترسوار زنبورکین چلاتے تھے - اسکے پیچھے پیدل بندوقچی
تھے حسب معمول زیادہ حصہ فوج کا سوارون کا تھا جو تلوارون اور
نیزون اور تیرون سے مسلح تھے - مغلون اور ایرانیون کو تیر بہت پسند
تھے - اور راجپوتون کا خاص ہتھیار برچھا تھا - خلیل اللہ خان داہنے
بازو پر تھا - رستم خان بائین پر اور دارا بذات خاص قلب مین تھا -
مغلی طریقہ کے مطابق لڑائی پہلے توپخانہ سے شروع ہوئی -
توپین سر ہوئین - چرخیان اور گولے غنیم کے لشکر مین پھینکے گئے تاکہ
ہاتھی گھوڑے بھڑکین اور بھاگ کھڑے ہون - پھر پیدل بندوقچیون نے اپنی
بھدی بھدی توڑہ دار بندوقین چلانی شروع کین اونکے پیچھے سے

تیراندازون کے تیر آگ کے شعلون کے اوپر ہو کر چلنے لگے - دارا نے اپنی ہراول فوج اپنے بیٹے سپہ شکوہ کے تحت مین رکھی تھی - یہ فوج بڑھی اور شہزادہ محمد کے مورچون مین درآئی - اُدھر بایان بازو اورنگ زیب کے دہنے بازو پر ٹوٹ پڑا - اورنگ زیب کی فوج ڈگمگائی - قریب تھا کہ بھاگ نکلے کہ عین موقعہ پر قلب کی طرف سے کمک ہو گئی - پھر تو چو طرفہ رن پڑ گیا - دارا نے جو ایک لنکا کے خوبصورت ہاتھی پر سوار ہونے کے باعث گھوڑے کے سوارون سے اونچا تھا اپنے قلب کے سوارون کو لیکر اورنگ زیب کے قلب کی طرف حرکت کی - اور نقصان عظیم پہونچا کر غنیم کی توپین لے لین اور اونٹون کی قطارون اور پیدلون کو تباہ کر دیا - جب سوار سواروں سے لڑائی ہونے لگی تو پورا زلزلہ آگیا - کوئی مغل شہزادہ ہنوز سفید پرون کی رنگت سے واقف نہ تھا - دارا نے اپنے مشہور خون کی اعلیٰ درجہ کی دلیری دکھلا دی - جب دارا کے سوارون نے دکن کے سوارون پر تیر چلاتے چلاتے اپنے ترکش خالی کر دیے تو شہزادہ اور رسیلہ دونون نے تلوارین سونت لین اور دست بدست لڑنے لگے یہانتک کہ غنیم

ہارنے اور بھاگنے لگے۔

یہی لڑائی کا نازک وقت تھا۔ اورنگ زیب کی شکست ہوا چاہتی تھی اُسکے رسالہ کا پہول پسپا ہوچکا تھا اور اب ہزار سے بھی کم جوان اُسکے ساتھ رہگئے تھے اور وہ دارا کے حملہ کا منتظر کھڑا ہوا تھا۔ ہمت کی آزمائش اس سے زیادہ سخت اور کیا ہوگی۔ مگر اورنگ زیب کی ہمت فولاد کی بنی ہوئی تھی۔ اُسنے پکارکر کہا "یارو دل نہ ہارو۔ ہمارا تو خدا ہے۔ لڑائی کی ہمکو کیا امید۔ کیا تم نہین جانتے کہ دکن کہان ہے۔ بس خدا ہے۔ خدا ہے"۔ پھر اُسنے حکم دیا کہ میرے ہاتھی کے پانوٗن زنجیرون سے جکڑدو۔ تاکہ بھاگنے کی کوئی صورت ہی نہ رہ جاے۔ اس حکم کا دینا تھا کہ جو تھوڑے بہت مورچے اُسکے پاس باقی رہگئے تھے انکی جاتی ہوئی ہمت پھر عود کر آئی۔

حسن اتفاق سے اسی موقع پر دارا کو دوسری طرف حملہ کرنے کی ضرورت آن پڑی۔ غنیم کے داہنے بازو نے جو اُسکے بائین کو ہٹایا تو وہ اورنگ زیب کو چھوڑکر اُسکو سنبھالنے کے واسطے بڑھا۔ بس یہی چوک ہوگئی۔ قسمت تقدیر سے جو ایسا عمدہ موقع ملگیا تھا وہ ہاتھ سے نکل گیا۔

اسی درمیان مین مراد بخش دارا کے داہنے بازو سے بڑی سرگرمی
سے لڑتا رہا وہ شیر ببر کی طرح لڑ رہا تھا اور دھوان دھار خونریزی ہو رہی
تھی تین ہزار اُزبک اُسکے خون سے لال ہاتھی پر ٹوٹ پڑے اور
تیر و تبر اور برچھون کی ایسی بوچھار ہوئی کہ ہاتھی ڈرا اور بھاگنا چاہا۔
مغلی ہمت پھر جوش مین آئی۔ فوراً ہاتھی کے پانؤن مین زنجیر ڈالدیگئی
رن تیلا سی بہادر قوم کا راجہ رام سنگھ اپنے راجپوتون کو لیکر پہونچا
اور پکار کر کہا کہ "تو دارا شکوہ کے مقابلہ مین تخت کا دعویدار ہے؟"
اور شہزادہ پر برچھا چلا کر ہاتھی کی رسیان کاٹنے لگا۔ شہزادہ زخمی
ہو چکا تھا اور ہر طرف سے بلائین نازل ہو رہی تھین تاہم اُسنے اپنے
چھوٹے بچہ پر کہ وہ ہودج مین بیٹھا ہوا تھا اپنی ڈھال کی آڑ کر دی
اور راجہ کے ایسی گولی ماری کہ وہین ٹھنڈا ہو گیا۔ راجپوتون کی زرد
وردیان پہنے ہوئے اور ہلدی مین رنگے ہوئے کشتون کے ہاتھی کے
پانؤن کے پاس ڈھیر لگے ہوئے تھے اور تمام زمین کشت زعفران کیطرح
زرد ہو گئی تھی۔ اسی میدان مین دوسری طرف راجہ روپ سنگھ اپنے
[illegible] کو دیکھا دو ہیں جہان سے [illegible] مغلون مین جا گھسا

اور ہاتھی کے نیچے پہونچکر اورنگ زیب کے ہودے کی رسیان کاٹنے لگا۔ اورنگ زیب کو اپنی ہی طرف والون کا سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ جان بکف حملہ اَور بھی ستم ہوا۔ پھر بھی اورنگ زیب کو اتنی مہلت ملی کہ اُسنے اس دلیرانہ کوشش کی دل سے داد دی اور اپنی فوج والون کو حکم دیا کہ خبردار راٹھور کو زندہ ہی گرفتار کرنا۔ مگر افسوس اتنی مہلت کہان تھی۔

ایک شہزادہ کی مستقل مزاجی اور ہمت اور دوسرکی غضبناک شجاعت سے دارا کی فوج والے گھبرا گئے۔ راجپوتون کے کُشتون کے انبار لگے ہوئے تھے بہت سے سردار کام آچکے تھے۔ اور اب بادشاہی فوج کے بائین بازو کا کمانڈر رستم اپنے سپاہیون کا دل بڑھا رہا تھا کہ ایک دفعہ اور زور لگا کر حملہ کردو۔ ابھی تک آگرہ ہی والی فوج کا پلہ بھاری تھا اور اورنگ زیب اور مراد بخش بے طرح راجپوتون مین گھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بھنگ کی ترنگ مین پاگل بنے ہوئے تھے اور اپنے سردارون کے مارے جانے سے اور بھی کھسیانے ہوگئے تھے مگر ایسی کوئی بات ہوتی ہو پہلے سے کا وہم تھا آمد وہ ہمیشہ کا

بدنصیب تھا کہ جب تقدیر نے دغا دی تو اسی کو دی - اس نازک وقت
مین اُسنے ایسی غضب کی غلطی کی کہ اس سے زیادہ فاش غلطی کسی
ہندوستانی سپہ سالار سے نہوتی - ساری فوج اُسکے اونچے ہاتھی کو فتح کا
جھنڈا سمجھتی تھی - پھر بھی ایسے وقت مین کہ میدان اُسکے ہاتھ آہی چکا تھا
اُسکو ہاتھی سے اُترنا بھی ضروری ہوا شاید وہ اُس چرخی سے ڈر گیا جو اسوقت
اُسکے ہودہ مین آگر لگی تھی یا خلیل اللہ کی دغابازی کی صلاح پر عمل کیا
یہ وہی خلیل اللہ ہے جسکے تحت مین فوج کا داہنا بازو تھا - اور جو یہ سمجھکر کہ
مین فوج احتیاطی کی طرح ضرورت کیوقت کے لیے الگ کردیا گیا ہون
اپنے تیس ہزار مغل کو لیے ہوے کھڑا لڑائی کا تماشہ دیکھتا رہا اور انگلی تک
نہ ہلائی - بہرحال وجہ چاہے جو کچھ ہوئی ہو غرض یہ ہے کہ دارا ہاتھی سے
اُتر پڑا - مراد بخش اب تک اپنے عالیشان ہاتھی پر ڈٹا ہوا تھا - اور اُسکے
ہودہ پر اتنے تیر آکے لگے تھے کہ بالکل یہ قطع ہو گئی تھی جیسے کوئی خارپشت
اپنے خار نکالے ہوے بیٹھا ہو - وہ برابر وار پر وار کرتا تھا اور تیر پہ تیر
چلاتا تھا - اورنگ زیب بھی اُن اجپوتون کے اوپر دکھلائی دیتا تھا
جو اُسکے ہاتھی کے نیچے دست بدست لڑ رہے تھے - مگر دارا کا کہین پتہ تھا

اسکی مثال یون سمجھیے جیسے آفتاب بیچ آسمان سے غائب ہو جائے
ایک بولا دارا مارا گیا۔ دوسرا پکارا اب شامت آئی۔ سب نے سمجھا کہ
اورنگ زیب ضرور بدلہ لیگا۔ جو فوج میدان جیت ہی چکی تھی انہین عجب
اندیشے پیدا ہونے کا ہراس پھیل گیا اور ہر شخص اپنی اپنی جان عزیز لیکر بھاگا۔
ہندوستانی فوج مین ایک دفعہ ہراس کا پیدا ہو جانا شرط ہے پھر
روے زمین کی کوئی طاقت ایسی نہین ہے کہ اسکو روک سکے جس طرح
کسی دریا کا باندھ ٹوٹ جاے اور سیلاب ساری زمین پر پھیل جاے
اور کسی کی یہ مجال نہو کہ اسکی بڑھتی ہوئی موجون کو روکے سنبھالے
لمحہ ہی بھر مین کچھ کا کچھ ہو گیا اور جو ہار رہے تھے وہی فاتح بنگئے۔
اورنگ زیب سخت مصیبت کیوقت مین پاؤ گھنٹہ اپنے محصور ہاتھی
پر ڈٹا بیٹھا رہا اور انعام مین تخت طاؤس پایا۔ دارا ذرا ہی پہلے
اُتر پڑا اور اُسکا شمار سب سے زیادہ بدقسمت شہزادون مین ہونے لگا
اور فرار ہو کر خانہ بدوش مارا پھرا۔ اِس بدنصیب شہزادہ نے اپنی
جان کو تخت کے ملنے کی توقع سے زیادہ عزیز کیا اور میدان سے
شہزادہ بھاگ کھڑا ہوا۔ جسکی نسبت جو کبھی خدا نے اعلیٰ درجہ کی

فوج بھی انہین کے معدودے چند آدمیون نے آگرہ تک اُسکا ساتھ دیا۔ جب یہ سب کچھ ہو لیا تب اورنگزیب اپنے ہاتھی سے خون کے رنگین میدان مین اُترا اور درگاہ بے نیاز مین اِس بڑی فتح کا سجدۂ شکر بجا لایا۔

"کامیابی کے واسطے کامیاب ہونا ہی بڑی چیز ہے" سموگڑھ کی لڑائی ساری دنیا کے واسطے اس بات کا اعلان ہوگئی کہ اُداو اورنگزیب کی اطاعت قبول کرو۔ اورنگزیب نے تھوڑے دن اپنی ظفرگاہ مین قیام کیا اور رات دن اپنے باپ کے اُمراسے معاملہ کی باتین کرتا رہا۔ اب اُسکا اقبال زور پر تھا اسلیے ان لوگون کو اُسکی حمایت کے واسطے تھوڑی ہی سی ترغیب کافی تھی۔ یہ سیر عبرت خیز اور قابل افسوس تھی کہ سب کے سب اورنگزیب کی طرف ہوتے جاتے تھے اور بڈھے بادشاہ کو جو باوجود کبرسنی کے قصورون کے بڑا مہربان اور فیاض مالک تھا بالکل بھول گئے تھے۔ جن لوگون نے اورنگزیب کی اطاعت کرلی انھین مین اُسکا ماموں آصف خان وزیر سابق کا بیٹا اور ملکہ ممتاز محل کا بھائی شایستہ خان بھی تھا۔ اُسنے اِسی عرصہ مین بادشاہ سے اپنے

کامران بھلے کی بہت کچھ سفارش کی تھی اور شاہجہان نے پدرانہ ملاطفت
کرکے خطا بخشی بھی کردی تھی۔ اور اپنے فتحیاب بیٹے کو ایک تلوار بھی
بھیجی تھی جسپر اُسکا مبارک نام عالمگیر کھدا ہوا تھا۔ راجہ جے سنگھ جو فوج
لیکر شجاع کے مقابلہ مین گیا تھا اور اُسکو بنگالہ بھگا چکا تھا دارا کی شکست
کی خبر سُنکر فوراً اورنگ زیب سے ملگیا۔ مہاراجہ جسونت سنگھ نے بھی اپنے
مُنھ کی سیاہی چھپاکر راجہ جے سنگھ کی تقلید کی اور اورنگ زیب کی
اطاعت قبول کرلی۔

جب مدد کا اتنا سہارا ہوگیا تو اورنگ زیب اپنے سب سے خطرناک
رقیب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور وہ رقیب کون۔ شاہجہان۔ کہ ہنوز
ہر دل عزیز تھا۔ دارا کئی سو سوار لیکر بھاگ چکا تھا۔ باپ نے پانچہزار
سوار اور کچھ روپیہ اُسکی مدد کے واسطے بھیجا۔ یہ بات اظہر من الشمس
تھی کہ بادشاہ نے دوراندیش فاتح کی آنکھون مین خاک ڈالنے کو
چاہتے جو کچھ لکھا ہو اُسکو ہمدردی اب تک اپنے مغلوب بیٹے ہی کے
ساتھ تھی۔ اورنگ زیب نے دھوکہ نہ کھایا۔ اُسنے اپنے باپ کے
مزاج کا اچھی طرح اندازہ کرلیا تھا اور اُسے دوسرا موقع نہین دینا چاہتا تھا۔

شاہجہان سے بڑی چوک یہ ہوئی کہ وہ اِس سے باز رہا کہ دارا کی فوج کا سالار بنکر دونون فوجون کو اطاعت پر مجبور کرتا کہ سب فوجین اُسوقت تک بادشاہ کے ساتھ وفاداری پر کمر بستہ تھین - دوسری چوک اُس سے یہ ہوئی کہ اِس سے غافل رہا کہ پورے شاہی جلوس کے ساتھ سردارون اور ہمراہیون کو لیکر میدان فتح مین آتا اور اپنے فاتح لڑکون کو اطاعت پسر لنہ کے واسطے مجبور کرتا - عشرت پرست بڈھے نے موقعے ہاتھ سے کھو دیے اور اپنی طبیعت کی کمزوری دکھلا دی - ایسے شخص کو پھر تخت سلطنت پر بٹھا دینے کے یہی معنی تھے کہ دارا واپس بلا لیا جاے اور پھر وہی سخت خطرناک خانہ جنگیان شروع ہو جائین - اورنگ زیب کو اُسکی وفادار بہن روشن آرا نے سمجھا دیا تھا کہ بادشاہ سے میل رکھنا یا ملاقات کے واسطے اُسکے محل مین جانا گویا خود شاہی فوج والون سے یا حرم سرا کی موٹی موٹی اور مضبوط حبشنون سے اپنے قتل کی درخواست کرنا ہے - بس اب ایک ہی طریقہ باقی تھا وہ یہ کہ کمزور بادشاہ کو قید کر لیا جاے - شاہجہان نے جو جال اپنے بیٹے کو پھانس کر تباہ کرنے کے واسطے بچھایا تھا اُسین

بدمعا بادشاہ خود قید ہوگیا - بجاے اِسکے کہ اورنگ زیب آئے اور
قتل ہو اُسکا بیٹا محمد ۱۸ جون ۱۶۵۸ء کو قلعہ مین داخل ہوا اور
گارد والون پر غالب آکر محل کو زندان بنا دیا - اورنگ زیب نے
انتہاے مصلحت بینی سے یہ بات بنائی کہ یہ قید محض عارضی ہے
اور مجھے امید ہے کہ جب دارا کی سازشین فرو ہو جائینگی تو مین اپنے
باپ کو پھر بر سر سلطنت دیکھونگا - مگر یہ سب کہنے کی باتین تھین اور
منشا یہ تھا کہ رعایا مین اپنے ہردلعزیز بادشاہ کے قید ہو جانے سے
ناراضی نہ پھیلے - اور حق یہ ہے کہ رعایا بھی بہت جلد اورنگ زیب
سے رضامند ہوگئی - شاہجہان کی زندگی کے جو سات برس باقی
رہ گئے تھے اُنمین اسکو کبھی آگرہ کے قلعہ سے نکلنا نصیب نہوا -
شروع شروع مین کچھ سخت مہلت سے قیدی اور اُسکے محافظ
مین کچھ بگاڑ بڑھگیا اور شاہجہان نے یہ سخت کمینہ پن کی حرکت
کی کہ شاہزادۂ محمد کو بھڑکا کر باپ سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا - مگر
شہزادہ اورنگ زیب سے بخوبی واقف تھا اور اسکو اپنے دادا پر
پورا بھروسہ نہ تھا اسلیے یہ کوشش کارگر نہوئی - اسکے بعد شاہجہان

رفتہ رفتہ اپنی قید کا عادی ہو گیا اور اورنگ زیب نے بھی جہان تک
بن پڑا اُسکی تکلیف کے کم کرنے کی کوشش کی - جو جو شوق اُسکی ہوا پرست
طبیعت کو تھے وہ سب پورے کیے جاتے تھے - بیشمار تحائف آتے
رہتے تھے اور تفریح کے جو شغل اُسکو پسند تھے وہ سب مہیا ہوتے تھے -
اُسکی بیٹی بیگم صاحبہ مع اپنی بیشمار خواصون کے اُسکے ساتھ رہتی تھی -
بڑے بڑے ہوشیار رکابدار اُسکے واسطے کھانا پکاتے تھے اور کنچنیون اور
ناچنے گانے والیون کے برابر جلسے ہوتے تھے - مثل اور بہت سے بڈھے
عیاشون کے بادشاہ کبھی کبھی انتہا درجہ کا متقی بھی بنجاتا تھا اور ملا لوگ
حاضر ہو کر اُسکے سامنے قراءت کے ساتھ قرآن مجید سُناتے تھے - برنیر
نے (جسکو اورنگ زیب سے نفرت تھی) لکھا ہے کہ جو ادب او مراعات
اورنگ زیب نے اپنے قیدی باپ کے ساتھ ملحوظ رکھے وہ قابل تعلید
تھے - وہ اُس سے اسطرح صلاح لیا کرتا تھا جیسے کوئی ارادتمند مرید اپنے
پیر سے استفادہ کرے اور سوا آزاد کر دینے کے بادشاہ کی اور کوئی
خواہش ایسی نہ تھی جسکو وہ پورا نہ کرتا ہو - ان دونون مین کچھ میل بھی
ہو گیا تھا اور باپ نے بیٹے کا قصور معاف کر کے دعا بھی دی تھی مگر

دونون کبھی ملنے نہین پائے شاہجہان نے آغاز ۱۶۶۶ء مین ۷۶ برس
کی عمر مین وفات پائی* - اورنگ زیب فاتحہ پڑھنے کے واسطے فوراً آگرہ
آیا اور نعش کو خوشنما روضۂ تاج محل کے پاس کہ یہ روضہ بادشاہ مرحوم نے
اپنی بی بی کی یادگار مین تعمیر کرایا تھا ایک مقبرہ مین دفن کرایا -

بڑی شہزادی کو جسنے دخترانہ سعادتمندی سے بڑھی ہوئی الفت
کے ساتھ قید مین باپ کا ساتھ دیا تھا اجازت ہوگئی کہ پورے اعزاز
واحترام کے ساتھ اپنی شان وشوکت قائم رکھے اور جس بھائی کی وہ ہمیشہ
مخالفت کرتی رہی تھی اُسنے اسکو بالکل تنگ نہین کیا - وہ ۶۷ برس
کی ہوکر بن بیاہی مری اُسکے گذشتہ حسن کی شہرت اِس زمانہ تک تازہ تھی

* تا ایانیز وسیلر صاحب کا یہ قصہ بالکل بے بنیاد ہے کہ اورنگ زیب نے بادشاہ کو
زہر دیا - البتہ کاٹرو صاحب نے اسکا کچھ اشارہ کیا ہے مگر اُنکی شہادت کسیطرح
اعتبار کے قابل نہین - یہ بات سمجھ مین نہین آتی کہ جیسا کہ وسیلر صاحب کے بیان سے
معلوم ہوتا ہے سال بھر سے زیادہ عرصہ تک بادشاہ کی موت کا حال راز سربستہ
رہ سکے - نہ یہ سمجھ مین آتا ہے کہ جو قتل پولٹکل مصلحت سے صریحی ضروری تھا اُسکے
واسطے اورنگ زیب چھ برس تک کیون انتظار کرتا رہتا -

اسکی قبر ایک ولی اللہ کی اور ایک شاعر کی قبر کے پاس اُس جالیون دار
سنگ مرمر کے احاطہ مین ہے جو چونسٹھ کھمبے کے پاس دہلی کی فصیل کے باہر
واقع ہے۔ مگر صرف ایک شفاف سنگ مرمر کے ٹکڑے اور گیاہ سبز سے
جسمین بہت اعتقاد کے ساتھ پانی دیا جاتا ہے شہزادی کا مزار پہچانا جاتا
ہے۔ اُسکی وصیت تھی کہ "میرے آرام کرنے کی جگہ کوئی بیش قیمت
شاہیانہ نہ لگانا" اسکی قبر کے سرہانے سنگ مزار پر لکھا ہوا ہے کہ "یہ گیاہ
سبز ہی اُس عاجز کی تربت کے واسطے سب سے بہتر ہے جو اس دنیا کی
ناچیز اور عارضی زینت اور شاہ چشت کی ادنی مریدا ور شاہجہان بادشاہ
کی بیٹی تھی*" دہلی کا بڑا مسافر خانہ اور آگرہ کی عالیشان مسجد اسی
کی یادگار ہین۔

اور شہزادون کا حال مختصر طور پر لکھنا کافی ہوگا۔ جس دن
شاہجہان محفوظ طور پر مقید ہو گیا اُسکے دوسرے ہی دن اورنگ زیب
جو اب تک لشکر ہی مین تھا آگرہ مین داخل ہوا۔ دارا کے مکان پر قبضہ کیا۔

* دیکھو سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کا مضمون مطبوعہ پرچہ نائین ٹینتھ سینچوری
بابت ماہ مئی ۱۸۸۷ع۔

اور اُسکا خزانہ لے لیا جسکی تعداد سترہ لاکھ روپیہ تھی- اور اُسی دن اپنے
مفرور بھائی کے تعاقب مین روانہ ہوا- مراد بخش اب تک بادشاہت
کی عزت کا لطف اُٹھا رہا تھا- اور اورنگ زیب کی زبان سے باربار
حضرت کا خطاب اپنی شان مین سُن سُنکر خوش ہوتا تھا- وہ بادشاہ
بنا ہوا چھبیس لاکھ روپیہ کے توڑے لیے ہوے اورنگ زیب کے
ساتھ ساتھ تھا- لشکر سے روانہ ہوکر آگرہ کی جانب چند ہی میل بڑھے
تھے کہ اورنگ زیب کی چشم پوشی سے اُسکے وحشی مزاج بھائی نے
اسقدر شراب پی لی کہ بدمست ہوگیا- اورنگ زیب نے کمال
اتقا کے ساتھ یہ حالت دیکھکر حیرت ظاہر کی اور یہ کہکر کہ جو شخص
مذہب اسلام کے احکام کی اس بے تمیزی کے ساتھ خلاف ورزی
کرے وہ ہرگز اس قابل نہین ہے کہ تخت پر بیٹھے مراد بخش کو
پابزنجیر کردیا (۵- جولائی) اور اُسی رات کو چپکے سے دہلی کے سامنے
سلیم گڑھ کے قلعہ کے شاہی قیدخانہ مین بھجوا دیا- اورنگ زیب کو
بڑی لسانی اور بیحد داد و دہش سے کام لینا پڑا تب کہین فوج والے
ٹھنڈے ہوے کیونکہ وہ لوگ اپنے بہادر افسر اور آزادہ روش شاہزادے

کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مگر بہرحال جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اورنگ زیب کامیاب مع افواج متفقہ کو لیکر دارا کے پیچھے پڑا۔

اُسنے بڑی کڑی کڑی منزلین کین اور دن رات بڑی ہمت اور مستعدی کے ساتھ اپنے کام مین لگا رہا۔ معمولی سپاہی کی طرح رہتا تھا۔ سوا کھانے کے اور کچھ نہ کھاتا تھا۔ خراب پانی پیتا تھا۔ زمین پر سو رہتا تھا۔ اسکے تحمل و استقلال نے اُسکے ساتھیون کے دلون مین رعب پیدا کر دیا۔ مگر دارا نے پولیٹکل میدان سے اپنے آپ کو نابود کر کے اپنے بھائی کو آیندہ کی زحمت سے چھڑا دیا۔ اِس گمراہ شہزادے نے جب یہ سُنا کہ اورنگ زیب میرے تعاقب مین آرہا ہے تو بجاے اسکے کہ کابل مین جا کر وہان کے حاکم مہابتخان سے جسکی مدد کا پورا بھروسہ تھا ملجاے اور زور و شور سے مقابلہ کرے اُلٹا جنوب کی طرف پھرا اور سندھ کا رخ کیا۔ اورنگ زیب نے فوراً سمجھ لیا کہ غنیم نے واقعی طور پر ہتھیار ڈالدیے۔ اور چند ہزار سوارون کو تعاقب کیواسطے چھوڑ کر مشرق کی جانب مراجعت کی کہ وہان شجاع نے لڑائی کا سامان کیا تھا۔ مصیبت کے کئی مہینونکا

مختصر حال یہ ہے کہ اجمیر کی پہاڑیون مین دارا نے پھر اورنگزیب کی فوج کا مقابلہ کیا اور چار دن کی سخت لڑائی کے بعد پھر بھاگنا پڑا۔ بی بی اور بیٹی اور چار ملازمون کو لیکر احمد آباد روانہ ہوا۔ ملازمون نے اُسکا اسباب لوٹ لیا اور شہزادیون کے زیور چھین لیے۔ اور سب سے بڑھکر مصیبت یہ پڑی کہ جب احمد آباد مین کہ ایک زمانہ مین اسکے موافق تھا پہونچا تو شہر والون نے شہر کے پھاٹک بند کر لیے اور اُسے داخل نہ ہونے دیا حاکم شہر کی کب یہ مجال ہوسکتی تھی کہ ایک بیکس کیواسطے اپنی جان معرض خطر مین ڈالتا۔

برنیر لکھتا ہے:۔ "اب مجھے دارا کے پاس تین دن ہوچکے تھے محض اتفاق سے رستہ مین مجھ سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اور چونکہ کوئی طبیب اُسکے ساتھ نہ تھا اسلیے اُسنے مجھے مجبور کیا کہ معالج بنکر اُسکے ساتھ رہون۔ ...... صبح سویرے ہی حاکم احمد کا پیام پہونچا۔ بیبیون کے بین ُسن ُسن کر سبکی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے۔ ہم سب لوگون کو پریشانی اور مایوسی نے گھیر لیا۔ ایک دوسرے کا منھ تکتا تھا اور کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ عقل کام نہین کرتی تھی کہ کیا ہوگا

لیجاسے اور جو بُری گھڑی آنیوالی تھی اُسکا کچھ حال نہ معلوم تھا۔ ہمنے
دیکھا کہ دارا باہر نکلا۔ وہ زندہ تھا مگر مُردون سے بدتر۔ کبھی ایک سے
بات کرتا کبھی دوسرے سے۔ معمولی سے معمولی سپاہی کے پاس
کھڑا ہو جاتا اور صلاح پوچھتا۔ وہ دیکھتا تھا کہ سب کی صورتون سے
ہراس نمایان ہے اور خوب سمجھتا تھا کہ سب سے اکیلا چھوڑ دینگے۔ مگر
آخر اُسکا کیا حشر ہوگا۔ وہ جاسے تو کہان جاسے۔ روانگی مین جسقدر
دیر ہوتی تھی اُسیقدر تباہی قریب ہوتی جاتی تھی"

اُسنے گکھڑ کے قزاقون کے پاس پناہ لی۔ اُسکی بی بی سختیان اور
تکلیفین اُٹھا کر جان بحق تسلیم ہوئی۔ اور جو تھوڑے سے ہمراہی دارا
کے پاس تھے اُنسے بھی اُسنے اپنے تئین جدا کیا اور بی بی کی نعش کے
ساتھ بھیجا کہ لاہور مین حضرت میان میر کے مقبرہ مین دفن کی جاوے۔ اُسکے
افغان میزبان ملک جیون ساکن دھندر نے اپنے مہمان کی بیکسی کو
غنیمت سمجھا اور اُسے اورنگزیب کے پاس پہونچا دیا۔ اسطرح بہت سی
جگھون پر مدارات ہونے اور بہت سی جگھون سے نکالے جانے اور
اپنی عزیز بیوی کا داغ اُٹھانے اور خراب خستہ مارے پھرنے کے بعد

شہزادہ ولیعہد جو ہندوستان کا بادشاہ ہونیوالا تھا اپنے دشمن کے ہاتھ
مین دیدیا گیا۔ اسکو ذلیل سے ذلیل کپڑے پہنائے گئے غلاظت اُسکے
بدن پر لگائی گئی اور ایک حقیر سے ہاتھی پر سوار کرکے دلّی کے گلی کوچون
مین تشہیر کیا گیا۔ اس وحشیانہ تذلیل سے رعایا نے اسقدر شور و شر مچایا کہ
قریب قریب غدر سا ہو گیا۔ برنیر لکھتا ہے کہ "مین نے ہر جگہ لوگونکو روتے
ہوے اور بڑی دردناک آواز سے دارا کی قسمت کا ماتم کرتے دیکھا
کیا مرد کیا عورت کیا بچہ سب اسطرح بلک بلک کر روتے تھے کہ گویا خود
اُنکے اوپر کوئی سخت مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ قریب تھا کہ لوگ اُس
افغان کو قتل کر ڈالین جسنے اپنے مہمان کو دغا دی تھی۔ اور اسطرح پر
دارا کے ساتھ ہمدردی ظاہر کیجاتی تھی کہ اورنگ زیب کو اندیشہ ہوا
اور اُسنے فوراً دارا کے قتل کا ارادہ مصمم کر لیا۔ جبتک بھائی زندہ تھا
اُسکی جان کو کھٹکا لگا ہی ہوا تھا۔ چنانچہ مجلس مشورت منعقد ہوئی اور اُسمین
روشن آرا نے اپنی ساری گویائی اپنے بدنصیب بھائی کے خلاف صرف
کر ڈالی۔ تجویز یہ ہوا کہ دارا اسلام سے منحرف ہے اور کفار سے دوستی
رکھتا ہے اور ۱۰ ستمبر ۱۶۵۹ء کو اُسکے قتل کا حکم صادر ہوا جب وہ مر گیا

تو اسکی نعش شہر مین تشہیر کی گئی تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ جو ہونا
تھا وہ ہو چکا۔ لاکھون آدمیون نے دارا کی موت کا ماتم کیا۔ اسکا
سر اورنگزیب کے سامنے آیا۔ اُسنے بہت احتیاط کے ساتھ خون
کو دھلوایا تاکہ شناخت مین غلطی نہ ہو جاے اور پھر حکم دیا کہ ہمایون
کے مقبرہ مین دفن کر دیا جاے۔

شجاع نے اپنے بڑے بھائی سے بھی زیادہ پریشان کیا۔ دارا کی
درخواست کے مطابق اُسنے بنگالہ مین کہ ہنوز وہان کا حاکم تھا ہتھیار
سنبھالے۔ اور یہان تک کامیاب ہو گیا کہ بنارس اور الہ آباد پر قبضہ
کر لیا اور جونپور بھی اپنی عملداری مین ملا لیا۔ اورنگزیب دارا کے
تعاقب کو چھوڑ کر اس نئے خطرہ کا مقابلہ کرنے کو واپس آ گیا تھا۔
اُسکے پاس ایک قابل نائب میر جملہ تھا کہ وہ دکن سے اپنے قدیم رفیق
سے ملنے کو چلا آیا تھا۔ دونون نے ملکر شجاع کو شکست دے دی۔
حالانکہ ہگلی کے پرتگالیون نے اسکو مدد بھی دی تھی اور مہاراجہ
جسونت سنگھ نے یہ دغا بازی بھی کی تھی کہ روز جنگ کی رات کو شاہی
لشکر مین اپنی اس کوشش سے ابتری ڈالدی تھی کہ اورنگزیب کا ساتھ

چھوڑ کر اپنے پرانے دوست شجاع سے ملجائے۔ اورنگ زیب کے استقلال اور میر جملہ کی چالاکی اور دلیری سے میدان ہاتھ آگیا اور شہزادہ شجاع اراکان کو بھاگا اور پرتگالی ڈاکوؤن نے اُسکو وہان پہونچا کر اُسکی جان تو بچائی مگر مال متاع سب لوٹ لیا (سنہ ۱۶۶۰ء) اُسکی آخری حالت جو معلوم ہوئی وہ بہت حسرتناک ہے۔ زخمی اور خوار ہوکر وہ پہاڑون مین بھاگ گیا اور صرف ایک عورت اور تین وفادار رفیق اُسکے ساتھ گئے۔ پھر نہ معلوم ہوا کہ اُسپر کیا گزری۔

اب کوئی رقیب میدان مین باقی نہ تھا جتنے دعویداران سلطنت تھے اُنکو موت یا قیدخانہ نصیب ہو چکا تھا۔ دارا کے دو بیٹے سلیمان شکوہ اور سپہر شکوہ گوالیار کے قلعہ مین قید تھے۔ اورنگ زیب کا سب سے بڑا بیٹا محمد جسنے ایک منحوس ساعت مین بے سوچے سمجھے اپنے چچا شجاع کا ساتھ دیا تھا قیدخانہ مین تھا حتی کہ سنہ ۱۶۷۶ء مین وہین مر بھی گیا۔ مراد بخش بھی اُسی قیدخانہ مین بھیجدیا گیا تھا وہان سے اُسنے بھاگنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اُسپر ایک پرانے زمانے کے قتل کا الزام لگایا گیا اور دسمبر سنہ ۱۶۶۱ء مین سزائے موت دیگئی۔ اورنگ زیب کی

دو بیٹیوں کی شادی قیدیوں سے ہوئی - ایک داراشکوہ کے چھوٹے بیٹے کو بیاہی گئی اور دوسری مراد بخش کے بیٹے کو - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان راضی برضا دولھاؤں کے پرانے زخم ان شادیوں سے ہرے نہیں ہوے -

اب اورنگ زیب کے واسطے کوئی چیز سدِّ راہ نہیں رہی - شاہی کا خطاب تو وہ اختیار کر ہی چکا تھا - شروع شروع میں تو وہ بہت عجلت کے ساتھ دہلی کے باہر شالامار باغ میں بادشاہ بنا تھا اور لوازم شاہی یعنی سکہ اور خطبہ اُسکے نام سے نہیں ہوے تھے - مگر ۲۶ - مئی ۱۶۵۹ع کو وہ پورے تزک و احتشام کے ساتھ تخت سلطنت پر متمکن ہوا -

---

تیسرا باب

غلو مذہبی

جب ماہ مئی ۱۶۵۸ء مین اورنگ زیب دوبارہ بادشاہ بنا تو اُسنے وہ خطاب "عالمگیر" کا اختیار کیا جو اُس تلوار پر کندہ تھا جو اُسکے قیدی باپ نے اُسکو مرحمت کی تھی۔ اور اُسکی رعایا اور آیندہ نسلین مسلمانونکی اسکو اسی خطاب سے یاد کرتی رہین۔ اس سے پہلے کہ ہم اِس امر پر غور کرین کہ اُسنے اپنے اختیارات سے کسطرح پر کام لیا ہمین اُسکے مزاج کا رنگ سمجھ لینا مناسب ہے سب مسلمان مصنف اُسکو ولی لکھتے ہین۔ سب عیسائی معاصرین سوائے ڈرایڈن کے کہ وہ کوئی مورخ نتھا اُسکو مکار بتاتے ہین اور لکھتے ہین کہ اُسنے مذہب کو اپنے حیلہ کا پردہ بنا رکھا تھا اور بڑے سے بڑے بیرحمی کے قتل جو اُسنے کیے تھے اُنکے چھپانے کیواسطے نمازین پڑھا کرتا تھا۔ اورنگ زیب کا وہی حال ہوا جو اُسکے بڑے ہمعصر کرامویل کا ہوا کہ وہ بہت سی روحانی باتوںمین اُس سے مشابہ تھا اسکے سوانح عمری لکھنے والونمین بھی لڈلوا ور ریکیسٹر موجود ہین اور انکی رائین بھی یہی ہین کہ خود غرضانہ حوصلہ مندی اور نیکی کو کامرانی نے خراب کردیا تھا۔ مسلمان فلکنو اور ڈامبیز اسکی تعریف مین تر زبان بھی ہین۔ تاہم ان ایکدوسرے کے متضاد خیالات مین اسقدر

خلاف نہین ہے جیسا کہ سمجھا جانا چاہیے۔ انسے صرف یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ عیسوی تعصب اور اسلامی تعصب مین کسقدر فرق ہے۔ ہندوستان کے مسلمانون کے نزدیک اورنگ زیب نمونہ ہے متقی اور بے عیب اسلامی بادشاہ کا۔ آگے چل کر اُسنے جو مذہبی جوش دکھلایا اور شرع اسلامی کی پابندی کی تو یہ لوگ اس بات کو بھی بھول گئے کہ وہ کسقدر خون بہا کر تخت پر پہونچا تھا۔ بخلاف اسکے مغل اعظم کے عیسوی دیکھنے والے اپنے اس مغربی خیال کو دل سے نہ نکال سکے کہ جو سب کے سامنے نمازین پڑھے اور فارسیون کی طرح سڑک پر عبادت کرے وہ ضرور ریاکار اور ظاہردار ہوگا۔ اور یہ بھی اُنکی سمجھ مین نہ آیا کہ جو اپنے اتنے سارے عزیز و اقارب کا خون کر ڈالے اُسکو اِتقا سے تو درکنار معمولی انسانیت سے کسطرح بہرہ ہو سکتا ہے جسطرح اسٹوریشن کے حامی فرقہ رالیسٹ کے لوگ کرامویل کی حوصلہ مند سلطنت گیری سے یہ نہین سمجھ سکے کہ وہ سچا عیسائی بھی تھا اُسی طرح یہ لوگ اُس مذہب کے سمجھنے سے قاصر ہے جسکا اورنگ زیب سا آدمی بہت ایمانداری کے ساتھ پابند ہو سکتا تھا۔

اُسکے بُرا کہنے والون کے جو اعتراضات ہین وہ سب اُسی کشت و خون کی بنیاد پر ہین جنسے اورنگ زیب کو تخت نصیب ہوا- وہ اُس ضرب المثل کو بھول گئے جو سلطان بایزید نے اپنے بھائی جم سے معاملات طے کرتے وقت بہت موقع سے استعمال کی تھی کہ "بادشاہت مین بادشاہت کا شمار نہین ہوتا" انکو وہ بار بار کے سبق مشرقی تاریخ کے یاد نہین رہے جن سے اورنگ زیب نے اور نیز اُسکے پہلے اور پیچھے کے بہت سے بادشاہون نے تعلیم لی تھی کہ بادشاہ کے جانی دشمن اُسی کے گھرانے کے لوگ ہوتے ہین سلاطین عثمانیہ مدتون پولیٹکل مصلحت کے لحاظ سے عزیز و اقارب کے قتل کرنے کے قائل رہے- محمد المخاطب بہ شریف نے کہ مراد اعظم کا باپ تھا باوجود اسکے کہ نیک نہاد تھا اپنے بھائی کی آنکھین نکلوالین اور بھتیجے کو قتل کرا ڈالا- وہ عثمانی خاندان والون کی خانہ جنگیون کے خراب نتائج دیکھ چکا تھا اور نہین چاہتا تھا کہ سلطنت پھر ایسی اندرونی مصیبتون مین مبتلا ہو- کوئی مشرقی شہزادہ بغیر تخت کے خوش رہ ہی نہین سکتا تھا اسوجہ سے یہ بات محض حسد اور شبہہ کے سبب نہین ہوتی تھی بلکہ لازمی ہوجاتی تھی کہ اسکے حوصلونکے پورا ہونیکا دروازہ ہی بند کردیا جاے- تجمل کا تو

ہے کہ زنانخانہ مین قید کر دیا کرتے ہین حتی کہ قیدی مخبوط الحواس ہوجاتا ہے - پُرانا اور شاید زیادہ رحم کا طریقہ یہ تھا کہ اُسے فوراً قتل کر ڈالتے تھے "*

اورنگ زیب اپنی طبیعت سے کم سے کم اسقدر رحمدل ضرور تھا جتنا کہ شریف سلطان روم تھا - مگر اُسکو بھی ویسی ہی وجوہ اپنے بھائیون اور عزیزون کے حوصلہ مند مزاجون سے اندیشہ کرنے کی تھین - اُسکے آبا و اجداد نے اپنے قریب سے قریب رشتہ دارون کی بغاوتین دیکھی تھین - اکبر کو اپنے بھائی سے لڑنا پڑا تھا - جہانگیر نے اپنے باپ کے مقابلہ مین بغاوت کی تھی - اور اپنی دفعہ کو اُسے بھی اپنے بڑے بیٹے کی لڑائی دیکھنے کی نوبت آئی - اور وہ بڑا بیٹا قید کر لیا گیا کہ بقیہ عمر زندان مین بسر کرے اور پھر بھی سرکار کو اُسکی طرف سے برابر اندیشہ ہی لگا رہا شاہجہان نے اپنے باپ کا مقابلہ کیا اور اپنے بھائی شہریار کا خون بہا کر تخت سلطنت پر بیٹھا - جب یہ سب کچھ ہو چکا تھا تو اورنگ زیب کسی طرح یہ امید نہین کر سکتا تھا کہ دارا شجاع اور مراد بخش جیتے جی اُسکو چین لینے دینگے -

* دیکھو سیری ہسٹری آف ٹرکی (تاریخ روم) مطبوعہ ۱۸۸۶ء صفحہ ۸۳ -

انہین سے ہر ایک کو اورنگ زیب کے برابر حق حاصل تھا اور خود انہین سے
ہر ایک کا ارادہ تھا کہ اگر عصاے سلطنت مل سکے تو اُسے لے لے۔
البتہ اورنگ زیب یہ کرسکتا تھا کہ سلطنت کی ہوس دل سے نکال ڈالتا
اور اپنے شباب کے فقیرانہ خیالات پر عود کرتا۔ مگر دارا اور شجاع کافر یا ملحد
تھے اور بحیثیت سچے مسلمان ہونے کے اسکا فرض تھا کہ انکو تخت پر
نہ بیٹھنے دے۔ علاوہ اسکے حکومت کا شوق اُسکے خون مین جوش زن
تھا۔ اور اسکو بھی جانے دیجیے تو یہ شہزادہ فقیر ہو کر بھی اپنے بھائیون
کے گماشتون کی چھریون سے کب محفوظ رہ سکتا تھا۔ جو دعویدار سلطنت
ہون انکے واسطے دو ہی علاج تھے۔ موت یا دائم الحبس۔ اورنگ زیب
نے موت سے جھگڑا پاک کر دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ یہ علاج ظالمانہ
ضرور تھا مگر سب سے زیادہ محفوظ تھا اور سب باتون پر نظر کرکے دیکھے تو
بہ نسبت دوسرے علاج کے اس مین رحم بھی زیادہ تھا۔ لیکن جو لوگ
نرم دل کے ہوتے ہین انسے یہ علاج بن نہ آتا۔

اس زمانہ کے یورپین گواہون مین سب سے زیادہ ہوشیار فرانسیسی
ڈاکٹر برنیر تھا جسنے اس عزیز و اقارب کی جنگ کا خونخوار تماشہ دیکھا تھا

اورجسکو دارا کے ساتھ ہمدردی تھی۔ اُسنے اورنگ کا حال نظر رعایت
سے نہین لکھا ہے۔ وہ آٹھ برس تک اُسکے دربار مین رہکر اچھی طرح
دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔ اُسنے اپنی معمولی صفائی کے ساتھ اس معاملہ کی
ساری حالت یون دکھلائی ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ بلاشبہہ میرے ناظرین اُن ذرایع کو برا کہین گے جنکو
کام مین لاکر یہ مغل بادشاہ عروج سلطنت کو پہونچا۔ اسمین شک نہین کہ یہ ذرائع
بہت ناانصافی اور ظلم پر مبنی تھے۔ لیکن شاید یہ بھی انصاف کی بات
نہوگی کہ ہم اُسکی حالت کی جانچ اُن سخت قاعدون سے کرین جو یورپ
کے شہزادون سے متعلق ہوتے ہین۔ ہمارے ممالک مین عقلی اور مقررہ
قانون کے مطابق جو سب سے بڑا بیٹا ہوتا ہے وہی وارث تاج وتخت
ہوتا ہے۔ مگر ہندوستان مین عموماً یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ متوفی کے سب
بیٹے حق سلطنت کے واسطے جھگڑا کرتے ہین اور انمین سے ہر ایک کو مجبوراً
یہ ظلم کرنا پڑتا ہے کہ اپنے بھائیون کو قتل کر ڈالے تب خود سلطنت کرے
یا اگر ایسا نکرے تو اپنی جان سے ہاتھ دھوئے تاکہ دوسرا باطمینان فراغت
تمام سلطنت کرسکے تاہم اُن لوگون کو بھی جو یہ کہتے ہین کہ اُسکے ملک

اور خاندان اور تعلیم کی حالت دیکھکر بھی اورنگ زیب کے جرم کی سنگینی
مین کمی نہین ہو سکتی یہ ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ شہزادہ ہمہ دانی
اور قابلیت خداداد مین فرد ہے۔ اعلیٰ درجہ کا مدبر ہے اور بڑا بادشاہ ہے"۔
سیاحون نے جو عیوب اورنگ زیب مین نکالے ہین وہ زیادہ تر
ایام شہزادگی سے متعلق ہین۔ اُسکی بادشاہی کے کامون کے نسبت
اِن لوگون نے بھی سوا ے تعریف کے اور کچھ نہین لکھا۔ تقریباً پچاس
برس کی سلطنت درازمین ایک بھی ظلم اُسکا ثابت نہین ہوا*۔ یہ بات
مسلّم ہے کہ ہندوون کو دق کرنے مین بھی کہ وہ اُسکے غلو مذہبی کا لازمی
جزو تھا اُسنے نہ کوئی قتل کرایا نہ کسی کو جسمانی ایذا پہونچائی۔ لوگ اُسکو
مکّار تو کہتے ہین مگر کسی نے آج تک ایک بھی مثال اسکی نہ پیش کی
کہ جس مذہب کا وہ پابند تھا اُسکے احکام کی خلاف ورزی کی ہو اور

* شاید سمبھاجی کا ظالمانہ قتل ایک استثنا ہوسکے۔ مگر خود اُس قیدی کی انتہا درجہ کی سخت مزاجی نے اس قتل کا اشتعال دلایا تھا۔ کاٹرو نے محض عام طور پر ظلم کا الزام اورنگ زیب پر لگایا ہے مگر کوئی مثال اُسنے نہین لکھی۔ نہ ایسی کوئی شہادت پیش کی جو ماننے کے قابل ہو۔

اس بات کی بھی نام کو شہادت نہین ہے کہ کبھی اُسنے اپنے نام کے خلاف کام کیا ہو۔ ممکن ہے کہ مثل کرامویل کے "وہ الفاظ یا نام یا اور ایسی فروعات کا زیادہ خیال نہ کرتا ہو" مگر اسمین شک بھی نہین کہ مثل اُسی بڑے پیوریٹن کے "وہ خدا کی راہ مین کام کرتا تھا اور خدا کا کمترین ذریعہ اِس کام کا تھا کہ خلائق کو نفع پہونچائے اور خدا کی عبادت کرائے"۔

اورنگ زیب ہی سب سے پہلا اور وہی سب سے آخری سخت اور پکّا غالی مسلمان تھا۔ وہ اسلام کے اصولون کا ایسا معتقد تھا کہ تخت سلطنت محبت آرام غرضکہ دنیا کی کسی چیز کی اُسکے مقابلہ مین پروا نکرتا تھا۔ مذہب ہی کے واسطے وہ ہندوون کو ستاتا تھا اور اُنکے مندرونکو توڑتا تھا۔ اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی اُسی نے کیا کہ وہ قدیم الایام محصول جو کفار کے میلون اور تیوہارون پر مقرر تھا اُسکو موقوف کردیا کہ اُس سے خزانہ شاہی کا سخت نقصان ہوا۔ مذہب ہی کیواسطے اُس نے دکن کو لاانتہا لڑائیان لڑین۔ اسکا مقصود اصلی یہ نہ تھا کہ اپنی سلطنت عظیم کے حدود کو اور زیادہ وسیع کرے بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ رافضی شیعہ کے

ملک کو سچے اسلام کی عملداری مین کرے - اُسکے واسطے دکن دارالحرب تھا اور اُسنے ٹھان لی تھی کہ اسکو دارالاسلام بناکر رہونگا - مذہبی کی ترغیب تھی کہ اورنگ زیب حظِ نفس کو اسطرح چھوڑے بیٹھا تھا کہ گویا وہ اپنے پہلے ارادہ کے مطابق فقیر ہو چکا ہے - وہ ترک حیوانات کر چکا تھا اور سواے پانی کے اور کچھ نہ پیتا تھا - ٹیورنیر لکھتا ہے کہ اسی وجہ سے "وہ دُبلا اور کمزور ہو گیا تھا اور جو روزے وہ رکھتا تھا اُس سے اور بھی دبلے پن مین اضافہ ہو گیا تھا - مین اُس زمانہ مین ہندوستان ہی مین تھا جب وہان بڑا ستارہ ذنبالہ دار نکلا کرتا تھا - جب تک یہ وہ ستارہ نکلتا رہا (یعنی چار ہفتے ۱۶۶۵ء مین) اورنگ زیب تھوڑا سا پانی پیتا تھا اور ذرا سی جوار کی روٹی کھا لیتا تھا - اسکا اثر اُسکی تندرستی پر اسقدر ہوا کہ وہ قریب المرگ ہو گیا کیونکہ علاوہ اسکے وہ یہ بھی کرتا تھا کہ زمین پر صرف شیر کی کھال بچھا کر سوتا تھا - اور اُسی زمانہ سے پھر کبھی اُسکو پوری تندرستی نہین نصیب ہوئی" - رسول عربی کی اس نصیحت کے مطابق کہ ہر مسلم کو کوئی نہ کوئی پیشہ ضرور کرنا چاہیے وہ اپنا فرصت کا وقت ٹوپیان

بنانے مین صرف کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ دہلی کے اُمرا ان ٹوپیون
کو اُسی ذوق شوق سے خریدتے ہونگے جس طرح اسکو کی لیڈیان
کاونٹ ٹالسٹوی کے بوٹ خریدتی تھین۔ وہ حافظ قرآن ہی
نہین تھا بلکہ دو دفعہ اپنے پاکیزہ نستعلیق خط مین قرآن کی نقل
بھی کی تھی۔ اور یہ قلمی نسخے بیش بہا جلدین بندھا کر بطور ہدیہ مکہ
اور مدینہ بھیجے تھے۔ سوا سے حج کے کہ اُسکے ادا کرنے کی اُسکو اِس
اندیشہ سے جرأت نہوئی کہ مبادا واپس آکر یہ دیکھے کہ تخت سلطنت
کسی دوسرے کے قبضہ مین ہے اور کوئی فرض مسلمانون کا ایسا
نہ تھا جو اُسنے پورا نہ کیا ہو۔ سورت کے انگریز سوداگرون کو بھی جنکو
بادشاہ سے نفرت کرنے کی خاص وجوہ تھین اوونگٹن سے یہ کہتے
بن آئی کہ "اورنگ زیب اسلام کا پکا معتقد ہے اور نہ کبھی عبادت
کے اوقات مین غفلت کرتا ہے اور نہ کوئی کام ایسا کرتا ہے جو
اسکی راے مین سچے مسلمان کے نام پر حرف لا سکے"۔

اورنگ زیب کے سچے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہندوستانی
مورخ متفق اللفظ ہوکر اُسکے ثنا خوان ہین۔ اُسی زمانہ کے ایک مورخ نے

جو کچھ عرصہ تک دربار میں بھی رہا تھا اور بادشاہ کا خاص مصاحب تھا بڑی
قابلیت کے ساتھ مغل اعظم کے مذہبی دستور العمل کا حال لکھا ہے کہ وہ بیان
نقل کرنے کے قابل ہے۔ اگرچہ اسکا طرز تحریر کسی قدر ناپسندیدہ مشہور معلوم
ہوتا ہے تاہم اُس مراسلے سے زیادہ وہ مبالغہ آمیز نہیں ہے جو برنیر نے اسی
زمانہ میں کالبرٹ کے نام لکھا تھا:-

”ناظرین کتاب پر واضح رہے کہ یہ کمترین بندگان حق تعالیٰ بصورت
تمام اپنا چشم دید حال نیک کردار بادشاہ سلطان ابوالمظفر محی الدین
محمد اورنگ زیب عالمگیر کے مزاج برگزیدہ و خصائل حمیدہ و اوصاف
پسندیدہ کا لکھتا ہے۔ جہاں پناہ کو عبادت حق تعالیٰ کی طرف طبعی
رجحان ہے اور انکی عقائد مذہبی کی سخت پابندی شہرۂ آفاق ہے۔
ممدوح امام ابو حنیفہ رحمت اللہ علیہ کے طریقہ کے مقلد ہیں اور رکن کے
پانچ فرائض کو مانتے ہیں۔ وضو کر کے ہمیشہ اپنے وقت کا بہت زیادہ
حصہ حمد باری میں صرف کرتے ہیں۔ معمولی نمازیں پہلے مسجد میں پڑھتے
ہیں پھر گھر پر جماعت کے ساتھ اور نیز خلوت میں بڑے حضور قلب سے
عبادت کرتے ہیں۔ جمعہ کو اور اور ایام مبارک میں برابر روزے رکھتے ہیں

اور جمعہ کی نماز جامع مسجد مین عام مسلمانون کے ساتھ پڑھتے ہین شبہاے
قدر کو برابر رات بھر بیداری مین صرف کرتے ہین اور خدا کی رحمت کے
نور سے مذہب اور بہبود کے چراغون کو روشن کرتے ہین - کمال اتقا کے
باعث ساری ساری رات اپنے محل کی مسجد مین بیٹھے رہتے ہین اور
عابدون سے صحبت رکھتے ہین - خلوت مین کبھی تخت پر نہین بیٹھتے -
تخت نشینی سے پہلے ایک حصہ اپنے کھانے کپڑے کے خرچ کا محتاجونکو
دیا کرتے تھے - اب چند بواضعات کی آمدنی اور نمکسار ون کا محاصل
کہ وہ اُنکے ہاتھ خرچ کے واسطے مخصوص ہے خیرات کر دیتے ہین -
رمضان مین پورے مہینہ بھر کے روزے رکھتے ہین تراویح پڑھتے
ہین اور علما و فضلا کے سامنے قرآن مجید سناتے ہین اور رات کو
کبھی چھ گھنٹے اور کبھی نو گھنٹے اُنکے پاس بیٹھتے ہین - ماہ مبارک
کے آخر کے دس دن مسجد مین عبادت کرتے ہین - اور اگرچہ بعض
وقتون کی وجہ سے حج بیت اللہ کے واسطے خود نہین جا سکتے تاہم جو
کوشش وہ حجاج کی آسایش کے واسطے کرتے ہین وہ بھی حج ہی کے
برابر ہے . . . . . - چونکہ بعض مذہبا ممنوع ہین وہ کبھی نہین پہنتے اور

چاندی سونے کے برتن کبھی استعمال نہیں کرتے*۔ اُنکے مقدس دربار
مین کوئی بیہودہ گفتگو نہین ہوتی اور غیبت کا ایک لفظ بھی مُنھ سے
نہین نکلنے پاتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر روز دو تین دفعہ بہت خندہ پیشانی
کے ساتھ دربار مین تشریف لاتے ہین اور فریادیون کی داد کو پہونچتے
ہین۔ بیشمار فریادی بلا روک ٹوک آتے جاتے ہین اُنکا حال بڑی توجہ سے
سنتے ہین۔ وہ بخوف و ہراس عرض معروض کرتے ہین اور شاہی انصاف سے بہرہ ور
ہوتے ہین۔ اگر کوئی شخص زیادہ بلنے لگتا ہے یا بیہودہ طور پر عرض کرتا ہے
تو جہان پناہ ہرگز خفا نہین ہوتے اور ابرو پر بل نہین آتا۔ دربار والون
نے اکثر یہ چاہا ہے کہ لوگون کو اسقدر بیباکی سے باز رکھین مگر بادشاہ
نے یہی فرمایا کہ اِن لوگون کی باتین سُننے سے اور انکی حرکات کے
ملاحظہ سے ہمکو تحمل اور درگزر کی عادت ہوتی جاتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔
کبھی غصہ یا ناراضی سے سزاے موت کا حکم نہین صادر فرماتے۔ ۔ ۔

* گرٹیویرنیر نے لکھا ہے کہ اُسنے اورنگ زیب کو ایک بلور کے پیالہ مین پانی پیتے
دیکھا ہے اور اُس پیالہ کا سرپوش اور نیچے کی تھالی سونے کی تھی اور اُن مین
ہیرے اور یاقوت اور زمرد جڑے ہوے تھے۔

جہان پناہ نثر بہت اچھی لکھتے ہین اور نظم مین بھی دستگاہ حاصل کی ہے
مگر کلام برحق مین جو یہ اشارہ ہے کہ شاعر جھوٹ بولا کرتے ہین اسوجہ
سے شعر گوئی سے پرہیز کرتے ہین - سوائے اخلاقی اشعار کے اور
کوئی نظم شوق سے نہین سنتے - اپنے قادر مطلق کی رضا جوئی کے
خیال سے وہ کبھی خوشامدیون کی طرف توجہ نہین کرتے اور شاعرون
کی باتین نہین سنتے"۔

یہ تو پکے مسلمان کی باتین ہین - لکھنے والے نے خود ہی اقرار
کیا ہے کہ وہ توصیف لکھ رہا ہے تاہم یہ حالات بالکل قدرتی ہین اور ہر
ایسے شخص کے قیاس مین آسکتے ہین جو یہ جانتا ہو کہ پکے مسلمان
مثلاً کسی کٹّے وہابی کا طرز زندگی کسطرح کا ہوتا ہے - اس موقع مین
کوئی بات ایسی نہین ہے جو اورنگ زیب کی ساری زندگی کے
رنگ کے خلاف ہو یا جو شہادت یورپین چشم دید گواہون نے
دی ہے اُسکے متناقض ہو - مغربی ناظرین کو ہندوستانی مورخ کی
یہ تصویر اپنے بادشاہ کی مبالغہ سے رنگی ہوئی ضرور معلوم ہوگی مگر
اسمین ایک بات بھی ایسی نہین ہے جسکی تصدیق اُس زمانہ کے

فرانسیسی اور انگریزی سیاحون کی تحریرون سے اور نیز اُن ہندوستانی
وقائع نگارون کی تحریرون سے نہ ہوتی ہو جو صاحب تصویر سے کچھ
زیادہ تعلق نہ رکھتے تھے - ڈاکٹر کریری نے جو بادشاہ کے بڑھاپے کے
حالات کی تصویر ۱۶۹۵ء مین کھینچی ہے وہ اس سے بالکل مشابہ ہے -
لیکن ریاضت کی اسقدر سختی جو ہم اِن حالات مین دیکھتے ہین وہ
اسوجہ سے تعجب انگیز نہین ہے کہ مذہب اسلام ہر سچے مسلمان سے یہی
نہین چاہتا ہے - اورنگ زیب اگر چاہتا تو احکام محمدی کی مطلق پروا
نہ کرتا اور پھر بھی عصائے سلطنت ہندوستان اُسی کے ہاتھ مین رہتا -
بلکہ اسکی گرفت اور بھی زیادہ مستحکم ہو جاتی - اپنے رقیبون کو قتل
کر چکنے کے بعد اُسکی جگہ تخت طاؤس پر ایسی ہی محفوظ ہو گئی تھی جیسی
کہ جہانگیر یا شاہجہان کی تھی - وہ لوگ بھی آخر سلطنت کے مالک ہی
سے باوجودیکہ بڑے شد و مد سے خلاف شرع کامون پر دلیر رہے -
عیاشی مین پڑ گئے - کھایا بھی - پیا بھی - عیش بھی کی - پھر بھی سلطنت
قائم رہی - اکبر نے بھی کہ وہ ہندوستان کے بادشاہون مین یکتا
تھا بہت کچھ کامیابی اسی وجہ سے حاصل کی کہ کھُلم کھُلا مذہب اسلام

سے بے پروا رہا۔ دنیا کے آدمیون نے سلطنت مین حکمرانی کی اورانکی حکمرانی اچھی بھی رہی۔ سواے اپنے دلی ایمانکے اور کوئی چیز اورنگ زیب کو اکبر کی مقتبس فلاسفی یا جہانگیر کی عیاشی اور بیہودگی یا شاہجہان کی عشرت پرستی کے اختیار کرنے کی مانع تھی۔ وہ جو چاہے سو ہوتا مگر ایسا کٹا مسلمان نہوتا تو ہندو اُسکو زیادہ پسند کرتے۔ راجپوت راجا اسیقدر چاہتے تھے کہ ہمکو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ اگر ہندوستان دکن پر حملہ نہ کرتا تو دکن کبھی ہندوستان کو نہ چھیڑتا۔ غالباً اور کوئی مغل بادشاہ ہوتا تو وہ اپنے آباؤ اجداد سلاطین کے قدم بقدم چلتا اور جو بدکاری اور عشرت پرستی سلطنت مین جاری تھی وہ اسکی سرشت مین داخل ہو چکی ہوتی اور وہ اُسی کو ترقی دیتا۔

اورنگ زیب نے اسطرح کی کوئی حرکت نہین کی۔ مغلون نے اپنی ساری تاریخ مین پہلا پکا مسلمان بادشاہ دیکھا۔ اور کیسا پکا مسلمان کہ جو سختی اپنی رعایا پر کرتا تھا وہ اپنے اوپر بھی گوارا کرتا تھا۔ اور کیسا بادشاہ کہ ایمان کے واسطے اپنے تخت سلطنت کو قربان کر دینے کو تیار تھا۔ وہ ضرور جانتا ہوگا کہ صلح کل اور اتفاق سب سے آسان اور محفوظ تر طریق

ایسی سلطنت کے چلانے کے ہین جو مختلف قومون اور مذہبون سے
مرکب ہو - جب تخت دہلی پر بیٹھا ہے تو وہ کوئی نوجوان پرجوش آدمی
نہین تھا بلکہ چالیس برس کا پختہ کار تھا - اور اپنی رعایا کے مختلف فرقون
کے خیالات اور پالسی کا پورا پورا تجربہ رکھتا تھا - وہ اچھی طرح جانتا
بوجھتا ہوگا کہ مین کسقدر خطرناک راستہ پر قدم اٹھا رہا ہون اور یہ بھی
اسکو بخوبی معلوم ہوگا کہ ہندوون کے خیالات سے لڑنا اپنے ایرانی
رفیقون کو کہ وہ اسکے ملازمون کی جان تھے انکے عزیز خیالات کی
مخالفت کرکے بگاڑ دینا اور اپنے امرا کو عشرت پسند سلطنت کے
اشغال سے روکنا گویا بغاوت کا بیج اپنے ہاتھون بونا ہے - تاہم اسنے
یہی طریقہ پسند کیا اور کچھ کم پچاس برس تک بڑی مستقل مزاجی کے
ساتھ علی الزعم عدو اسی طریقہ سے سلطنت کی - جسوقت کہ وہ پیر نود سالہ
ہوکر اپنی بڑی فوج کی شکست پائی ہوئی سپاہیون کے ساتھ دکن مین
قریب المرگ پڑا ہوا تھا اسوقت بھی جوش مذہب کا شعلہ اسکے ذہن مین سی
آب وتاب سے بھڑک رہا تھا جیسے کہ اس زمانہ مین جبکہ اسنے عین عنفوان شباب مین
اسی صوبہ مین نائب السلطنت کی شاہانہ پوشاک پھینک کر فقیری لباس

زیب تن کیا تھا۔

اورنگ زیب کے یہ کام کسی غامض حکمت عملی پر مبنی نہ تھے بلکہ محض حق پر ہونے کا یقین محرک تھا۔ اورنگ زیب مین استقلال کا مادّہ پیدائشی تھا۔ اُسنے بہت ہی کم سنی مین اپنی آیندہ طرز زندگی کا خاکہ کھینچ رکھا تھا اور اب اُسکے مضبوط ارادہ نے کوئی دقیقہ اُسکی تکمیل مین اُٹھا نہین رکھا۔ اُسکی ہمت کوئی معمولی ہمت نہ تھی۔ اُسکی بہادری کی بابت صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ وہ پُرانی شیر دل نسل کا مغل شہزادہ تھا۔ مگر اُس دلیر نسل مین بھی وہ سب سے زیادہ بہادر تھا۔ بلخ کی لڑائی مین جب بہت نازک وقت آگیا اور غنیم نے "مور و ملخ کیطرح" چارون طرف سے اُسکو گھیر لیا اور ہر طرف سے ہتھیارون کے کھڑکنے کی آوازین آنے لگین اُسیوقت آفتاب غروب ہوا اور مغرب کا وقت آگیا اورنگ زیب کا دل لڑائی کے شور و ہنگامہ سے مطلق متاثر نہین ہوا۔ وہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور زمین پر اسلامی نماز پڑھی۔ اور رکوع و سجود اس اطمینان کے ساتھ ادا کیے کہ گویا اپنے حساب آگرہ کی مسجد مین نماز پڑھ رہا ہے۔ ازبکون کے بادشاہ نے یہ حال دیکھا تو چلّا اُٹھا کہ

ایسے آدمی سے لڑنا اپنے تئین خود ہلاک کرنا ہے۔ دارا سے جو بڑی لڑائی
ہوئی اُسمین جب میدان اورنگ زیب کے ہاتھ سے جاتا دکھائی دیا
اور مختصر سی فوج اُسکے ساتھ باقی رہ گئی تو اُسنے اپنے مذبذب سپاہیون
کی جاتی ہوئی ہمت کو ایک ذرا سی بات سے کہ اُسمین غضب کا کنایہ
تھا پھر واپس بُلا لیا۔ اُسنے حکم دیدیا کہ اُسکے ہاتھی کے پانوُن زنجیرون
سے جکڑ دیے جائین -

جب وہ ملتان مین دارا کا تعاقب کرنے کے بعد لاہور کی طرف
اپنی عادت کے مطابق بڑی بڑی منزلین کرتا ہوا چلا آتا تھا اور حسب
معمول اپنی فوج کے آگے خود سوار تھا اُسکو یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ راجہ جیسنگھ
جسکو وہ یہ سمجھتا تھا کہ دہلی مین ہے چار پانچہزار راجپوت لیکر اُس کے
مقابلہ کو آ رہا ہے۔ یہ راجہ شاہجہان کا خیرخواہ تھا اور یہ افواہ مشہور
ہوئی تھی بلکہ وہ اِس ارادہ سے بعجلت تمام لاہور کو روانہ ہوا ہے کہ
غاصب کو گرفتار کرکے اپنے آقاے قدیم کو پھر مالک سلطنت بناوے
اورنگ زیب سمجھ گیا کہ اب خیر نہین۔ مگر کیا مجال کہ اُسکے استقلال
مین ذرا سا بھی فرق آیا ہو۔ وہ اُسی طرح اپنے گھوڑے پر سوار سیدھا

جے سنگھ کے پاس بڑھا چلا گیا اور پکار کر کہا "آئیے جناب راجہ صاحب آئیے جناب وقبلہ۔ مجھے تو حضرت کا بڑا انتظار تھا۔ اب لڑائی ختم ہوگئی دارا تباہ ہوگیا اکیلا مارا پھرتا ہے" پھر اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اُتار کر راجپوت کی گردن مین پہنا دیا اور بولا کہ "میری فوج تو خستہ ہو رہی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ لاہور چلے جائیں تاکہ وہان بغاوت نہونے پائے۔ مین آپ کو حاکم شہر مقرر کرتا ہون اور سب کام آپ ہی کے سپرد کرتا ہون۔ انشاء اللہ آپ سے جلد ملاقات ہوگی۔ سلیمان شکوہ کو جو آپنے ٹھیک کر دیا اُسکا شکریہ قبول فرمائیے۔ اب آپ جلدی لاہور کو روانہ ہون۔ سلامت بجیست۔ خدا حافظ" اور جے سنگھ نے ایسا ہی کیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کیا۔ یعنی یہ کہ اپنے ہمسایہ جسونت سنگھ والی مارواڑ کو بھی ترغیب دی کہ اب دارا کو چھوڑ دو اور اورنگ زیب کی اطاعت کر لو۔ اُس زمانہ مین بھی جبکہ یہ سخت جانکاہ عارضہ مین مبتلا ہوا تھا اپنے فرض کے ادا کرنے سے بادشاہ کبھی غافل نہین ہوا۔ بستر علالت پر لیٹے لیٹے کاروبار سلطنت کے متعلق احکام و ہدایات جاری کرتا تھا۔ برنیر نے کہ بہت تجربہ کار طبیب تھا

بڑے تعجب سے لکھا ہے کہ :-

"علالت کے پانچوین دن کہ بیماری کیحالت نازک ہو رہی تھی اُسنے اپنے تئین اُٹھوا کر اُمرا کے مجمع مین پہونچایا تا کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہون کہ بادشاہ نے انتقال کیا اُنکی آنکھین کھل جائین۔ اور کوئی ہنگامہ یا حادثہ ایسا نہونے پائے جس سے شاہجہان رہائی پا جاے۔ ان ہی وجوہ سے ساتوین اور نوین اور دسوین دن بھی مجمع مذکور مین آیا۔ اور سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ تیرھوین دن جیسے ہی اُسکو ایک ایسی سخت غشی سے افاقہ ہوا کہ اُسکی وجہ سے اُسکی وفات کی خبر عام طور سے مشہور ہوگئی تھی اُسنے راجہ جے سنگھ اور دو تین خاص خاص اُمرا کو بلا بھیجا کہ اُسکے زندہ ہونے کی تصدیق کرلین۔ پھر خدام نے اُسکے حکم کے مطابق اُسے بستر پر تکیے کے سہارے بٹھا دیا اور قلمدان اور کاغذ مانگا اور راجہ جسونت سنگھ کے نام شقہ لکھکر شاہی مُہر منگوائی ...... جب میرے آغا صاحب نے یہ حالات سُنے اُسوقت مین موجود تھا۔ مینے اُنکو یہ کہتے سُنا کہ اللہ رے استقلال۔ اللہ رے ہمت۔ اورنگ زیب خدا تجھے زندہ رکھیگا تجھے ابھی بڑے بڑے کام کرنے ہین۔ تو مرنیوالا نہین"۔

برنیر کے قابل ولی نعمت دانشمند خان نے سچ کہا تھا۔ ان باتون
سے اعلیٰ درجہ کی ہمت ظاہر ہوتی ہے معمولی ہمت ایسی نہین ہوتی
اور کچھ یہی نہین تھا کہ وہ صرف ایام جوانی مین خطرہ اور تکلیف کو
بے حقیقت سمجھتا رہا ہو۔ ایام ضعیفی مین بھی بڈھا بادشاہ دکن کی لڑائیون
مین معمولی سپاہی کی طرح ہر خطرہ اور مصیبت مین شریک رہا اور
کمال بیباکی کے ساتھ غنیم کے بندوقچیون کے سامنے آ آ گیا۔
اورنگ زیب خطرون اور جسمانی کمزوریون ہی کا مقابلہ کرنے
مین بہادر نہین تھا بلکہ اسکی اخلاقی ہمت بھی ایسی تھی کہ کبھی مغلوب
نہ ہوتی تھی۔ اُسکی ہمت وہ ہمت تھی جو اُس آدمی مین ہوتی تھی
جو راہ راست پر ہونے کے یقین سے بے تامل اپنے کام مین لگا
رہتا ہے۔ اسکا ثبوت اُسنے ان ایرانی شیعون کے مقابلہ مین
دیا جو باوجود طاقتور ہونے کے اُسکے اعتقاد کے مطابق
رافضی تھے۔ اور جو اکبر کی فوج کے مایۂ ناز اور نیز اُسکی سلطنت
کے عمدہ ترین ارکین مین سے تھے۔ اکبر نے فارسی دانون کے
سال شمسی کو رواج دیا تھا۔ نوروز منایا جاتا تھا کہ یہ خاص

ایرانیون کی رسم تھی۔ اورنگ زیب نے تخت نشینی کے بعد جو
کام سب سے پہلے کیے اُنمین سے ایک یہ بھی تھا کہ نوروز منانے
کی ممانعت ہوگئی۔ اور پھر وہی سنّی مسلمانون کا قمری حساب
جاری ہوگیا۔ مہندسون اور ریاضی دانون نے لاکھ لاکھ سمجھایا کہ
قمری حساب مین بڑی بڑی قباحتین ہین مگر اُس نے ایک
نہ سُنی۔ یہ بھی کہا گیا کہ قمری سال کے مہینے ایک سے نہین ہوتے
اور انتظام سلطنت مین وصول مالگزاری مین تعین فصل وموسم
مین اور اَور ہزارون باتون مین خرابیان پڑینگی۔ مگر سب
بے سود ہوا۔ اورنگ زیب نے طبیعت ایسی رسا پائی تھی کہ
وہ ان سب باتون کو خوب سمجھتا تھا مگر ساتھ ہی اسکے یہ باتین
اُسکے اس خیال کے مقابلے مین ہیچ تھین کہ قمری سال محمد صلی اللہ
علیہ وسلم سے متعلق ہے اور جب تک اورنگ زیب بادشاہ ہے
وہی باتین قائم رہین گی جو آئین محمدی کے مطابق ہین۔

چوتھا باب

بادشاہی

مذہبی معاملات مین بادشاہ کی ضد جنون کے درجہ کو پہونچی ہوئی تھی۔ مگر اور معاملات مین اُسکی عقل بہت سلیم تھی اور طبیعت بہت مآل اندیش پائی تھی۔ جس طرح اُسنے اپنے ایمان کا ایک معیار بنا رکھا تھا اور اُسکے واسطے لڑتا تھا۔ اسیطرح اُسکا فرائض بادشاہی کا بھی مقیاس معین تھا اور شہزادون کی تعلیم اور حکومت کی ذمہ داریون کے اصول بھی مقرر تھے۔

برنیر لکھتا ہے کہ "اورنگ زیب سے زیادہ کسی شخص کو یہ خیال نہوا ہوگا کہ اُن شہزادون کے دلون مین جنکو قومون کی قومون پر فرمانروائی کرنی ہے کارآمد معلومات کا پورا ذخیرہ جمع کر دینا چاہیے چونکہ شہزادے اختیار اور رتبہ کے اعتبار سے سب سے برتر ہوتے ہین لازم ہے کہ دانشمندی اور نیکی مین بھی سب سے زیادہ بڑھے ہوے ہون۔ اورنگ زیب کی بڑی دانشمندی کی راے ہے کہ ایشیائی سلطنتو نمین

جو خرابیان موجود ہین اور اُنکی حکومت مین جو ایسے نقائص ہین جو
اُنکے زوال کے باعث ہوتے ہین اُنکو دریافت کیا جاے تو معلوم
ہوگا کہ سب خرابیون کی جڑ یہ ہے کہ بادشاہون کی اولاد کی تعلیم
ادھوری ہوتی ہے اور تعلیم کا طریقہ بہت خراب ہے۔ بچپن کے
زمانہ سے عورتون اور خواجہ سراؤن کی گودیون مین رہتے ہین۔
روس وقاف وجارجیا وحبش کے لونڈی غلامون مین وقت گزرتا
ہے اور یہ لونڈی غلام اپنے کارہاے منصبی کیوجہ سے بالطبع کمینے
ہوتے ہین۔ اپنے سے بڑون کی خوشامد کرتے رہتے ہین اور اپنے
ہاتھون کے ساتھ تکبر اور گستاخی سے پیش آتے ہین۔ جب شہزادون
کے سر پر سلطنت کو رونق بخشنے کا وقت آتا ہے تب وہ حرم سرا کی
چار دیواری سے نکلتے ہین اور جو نئے کام اُنکو کرنے ہین اُنسے ناواقف
محض ہوتے ہین۔ وہ اپنی زندگی کے اسٹیج پر اسطرح آتے ہین گویا وہ
دوسری دنیا سے اُترے ہین یا تحت الثری کے کسی غار سے نکل پڑے ہین اور
اپنے آس پاس جو کچھ نظر آتا ہے اُسکو دیکھکر بیوقوفون کی طرح حیران
ہوتے ہین۔

اورنگ زیب کے خیالات اس بارہ مین کہ شہزادہ کی تعلیم کس طرح
ہونی چاہیے اُس ملامت سے ظاہر ہوتے ہین جو اُسنے اپنے اس پرانے
اُستاد کو کی تھی جو اپنے شاگرد کے بادشاہ بننے کی خبر سنکر انعام کثیر اور صلہ
خطیر کی امید مین دہلی دوڑ گیا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے کمسنی کے اُستاد
کو کہ وہ اُسی طرح کا ایک معمولی مکتب کا پڑھانیوالا مُلّا تھا جیسے کہ اب تک
مشرق مین ہوتے ہین پہلے تو بُری طرح کان کھول دیے کہ آپ علم جغرافیہ
سے محض جاہل تھے اور یورپ کے مختلف ممالک کے تعلقات کو بالکل
نہ جانتے تھے۔ پھر یون کہنا شروع کیا:۔

"کیا میرے اُستاد کا یہ فرض نہ تھا کہ روے زمین پر جتنی قومین آباد
ہین اُن سب کی خاص خاص باتون سے مجکو آگاہ کرتا۔ ہر قوم کی قوت
اختیارات طریقۂ جنگ عادات مذہب اور طرز سلطنت سے مجھے واقف
کر دیتا۔ اور یہ بتلا دیتا کہ ہر قوم کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ کیا
ہین۔ مجھے تاریخی تعلیم اسطرح پر دیتا کہ مین ہر سلطنت کی اصلیت کو
جان لیتا۔ اُنکی ترقی اور تنزل کے حالات مجھے معلوم ہو جاتے۔ وہ
واقعات اور حوادث اور غلطیان مجھپر کھل جاتین جنکی وجہ سے دنیا مین

انقلابات عظیم پیش آئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بادشاہ کو اپنی سلطنت کے اس پاس کے ممالک کی زبانون پر بھی عبور ہونا ضروری ہے۔ مگر آپ نے مجھے سواے عربی کے لکھنے پڑھنے کے اور کچھ نہ سکھایا بیشک آپ نے تو اپنی دانست مین مجھپر بڑا احسان کیا کہ اسقدر کثیر وقت اُس زبان مین مہارت تامہ حاصل کرنے مین ضائع کرایا جس مین بغیر دس بارہ برس کی محنت شاقہ کے کمال پیدا کرنے کی امید رکھنی محض فضول ہے۔ آپ یہ بھول گئے کہ کیا کیا ضروری مضامین ایسے ہین جو شہزادہ کی تعلیم کا جزو ہونے چاہئیین۔ آپ نے اسطرح پڑھایا کہ گویا قواعد صرف و نحو کا بخوبی ازبر رکھنا شہزادے کے واسطے لازمی ہے۔ حالانکہ اسکی ضرورت صرف علما کو ہے۔ آپ نے میرے ایام طفولیت کا قیمتی وقت الفاظ کے رٹنے مین کہ وہ محض بے سود اور نا تمنا ہی کام ہے ضائع کرایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا آپ کو لازم نہ تھا کہ کم از کم مجھے اُس بات کی تو تعلیم دیتے جسکا جاننا بادشاہ کے واسطے لازمی ہے۔ یعنی یہ کہ بادشاہ اور رعایا کے باہمی تعلقات اور ایک دوسرے کی ذمہ داریان کیا کیا ہین۔ کیا آپکو پہلے سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ آگے چل کر مین اپنے بھائیون سے

لڑنے پر مجبور ہونگا اور تاج سلطنت حاصل کرنے بلکہ اپنی جان سلامت

رکھنے کے واسطے مجھے شمشیر بکف ہونا پڑیگا۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ

قریب قریب ہر بادشاہ ہندوستان کی اولاد کو یہی حالت پیش آئی۔

پھر آپ نے کبھی بھی مجھے فن جنگ کی تعلیم دی۔ کبھی بھی یہ بتلایا کہ شہر

کا محاصرہ کیسے کرتے ہین یا میدان جنگ مین فوج کی صفین کسطرح آراستہ

کیجاتی ہین۔ وہ تو کہیے کہ میری قسمت اچھی تھی کہ مین نے اِن معاملات

مین آپ سے زیادہ دانشمند لوگون سے صلاح لی۔ بس اب آپ اپنے

گانؤن کو سدھاریے۔ آج سے کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ آپ کون ہین

اور آپ کا حال کیا ہے"۔

شہزادون کی تعلیم کے یہ اصول جو فرانسیسی زبان مین ترجمہ ہوکر

ہمارے پاس پہونچے ہین ایسے ہین کہ ملکہ ایلزبتھ کے معلم راجر اشچم کے

واسطے بھی مایۂ ناز ہوتے۔ اورنگ زیب کا یہ خیال کہ بادشاہ کو کسقدر

تعلیم یافتہ ہونا چاہیے اُس تقریر سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو اُس نے

ایک بہت معزز امیر سے اسوقت کی تھی جبکہ وہ اُسے یہ سمجھا رہا تھا کہ

جہان پناہ اگر کار و بار سلطنت مین اسقدر محنت کرینگے تو صحت خراب

ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (غالباً اُسکی سخت محنت اُمرا کے عشرت پرستی کے اشغال مین مخل ہوتی تھی)۔

بادشاہ نے فرمایا کہ "یقیناً اس بات پر تو سب عقلا متفق ہونگے کہ بادشاہ پر فرض ہے کہ مشکل اور خطرہ کے وقت مین اپنی جان تک جوکھون مین ڈالدے اور شمشیر بکف اُس رعایا کی حفاظت مین جان دے دے جو اُسکی سپردگی مین ہے۔ پھر بھی یہ نیکمرد اور رحیم شخص مجھے یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ رعایا کی بہبود کے واسطے مین کوئی تکلیف نہ اُٹھاؤن اور اُسکو ترقی دینے کے افکار مین ایک رات بھی بیخواب نہ رہون اور ہمیشہ اپنی بہیمی اور ذلیل خواہشون کے پورا کرنے مین مصروف رہون ان کا یہ مطلب ہے کہ مین اپنی جسمانی صحت کے خیال کو اور خیالات پر غالب آجانے دون۔ اور یہی سوچا کرون کہ مجھے عیش و راحت کن کن باتون سے خوب میسر آسکتی ہے۔ یہ چاہتے ہین کہ مین اس وسیع سلطنت کا کام کسی وزیر پر چھوڑ دون۔ انکی سمجھ مین یہ نہین آتا کہ چونکہ مین بادشاہ کے گھر پیدا ہوا اور تخت پر بٹھایا گیا اسلیے خدا نے مجھے اسواسطے دنیا مین بھیجا ہے کہ مین اس دنیا مین رہکر اپنے واسطے نہین بلکہ دوسرون کیواسطے

محنت کرون میرا فرض ہے کہ اپنی خوشی کو خاطر مین نہ لاؤن۔ البتہ اُسقدر ضرور اُس خوشی کا خیال کرون جسقدر میری رعایا کی خوشی سے وابستہ ہے۔ مجھے اپنی رعایا کی بہبود اور آسایش کی فکر کرنی چاہیے۔ اور سوا اُن صورتون کے کہ انصاف یا سیاست یا حفاظت سلطنت مقتضی اسکی ہو کبھی اس خیال کے مقابلہ مین کسی اور خیال کو ترجیح ندینی چاہیے۔ اس شخص کی سمجھ مین یہ نہین آتا کہ جس کاہل وجودی کی مجھے سفارش کیجاتی ہے اُسکا نتیجہ کیا ہے اور نہ یہ سمجھ مین آتا ہے کہ اختیارات کے تفویض کر دینے سے کیا خرابیان پیدا ہوتی ہین۔ سعدی سا بزرگ جو زور کے ساتھ لکھ گیا ہے کہ دنیا تو بادشاہی سے دست بردار ہو جاؤ ورنہ اِس بات کو دلمین ٹھان لو کہ اپنی علداری پر خود ہی حکمرانی بھی کرو۔ اسمین دانشمندی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

یہ معیار اوصاف بادشاہت کا اُن بیشمار خطوط کے مضامین سے مطابق ہوتا ہے جو اورنگ زیب کی مراسلات مین سے محفوظ رہ گئے ہین۔ انمین سے ایک خط مین اپنے باپ کو لکھتا ہے کہ:۔ "قادر ذوالجلال والاکرام اپنی ودائع بدائع اُسی شخص کے سپرد کرتا ہے جو رعایا پروری

اور انصاف گستری کے فرائض کو ادا کرتا ہے۔ عقلا پر ظاہر رہا ہے کہ گلہ کی پاسپانی بھیڑیے سے نہین ہو سکتی اور نہ کوئی دل شکستہ آدمی حکومت کا کام انجام دیسکتا ہے۔ بادشاہت کے معنی ہین رعایا کا ولی ہونا نہ یہ کہ عشرت پرستی اور لہو ولعب مین وقت کاٹنا۔ خدام والا کے معاملہ مین اس کمترین خادمان کو یقین ہے کہ خداے جلشانہ کے حضور مین کوئی وجہ ناسعت سے سرگریان ہوینگی نہوگی"*

اُسنے شاہجہان پر اس بات کا اچھی طرح سے اظہار کر دیا تھا کہ مین آپ کے معاملہ مین اپنی پسرانہ ارادتمندی کو اُس فرض کا ہارج نہ ہونے دونگا جو رعایا کے حق مین میری گردن پر ہے۔

ایک خط مین وہ اپنے باپ کو لکھتا ہے کہ "مین بندگان عالی کے عتاب سے بچنا چاہتا ہون اور یہ گوارا نہین کر سکتا کہ حضور والا میری نسبت غلط راے قائم فرمالین۔ میری تخت نشینی سے جیسا کہ حضرت کو خیال ہے مجھ مین تکبر اور خودی نہین آگئی ہے۔ حضور والا کو چالیس برس کے تجربہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ تاج سلطنت کسقدر گرانبار چیز ہے

* دیکھو ایلیٹ وڈاسن کی تاریخ جلد ہفتم صفحہ ۲۵۳

اور بادشاہ کو کیسی کیسی جانگاہ تکلیفون کا سامنا رہتا ہے۔۔۔۔
معلوم ہوتا ہے کہ حضور عالی کا یہ خیال ہے کہ مجھے استحکام سلطنت کے
کامون مین وقت تھوڑا صرف کرنا چاہیے اور ملک کے بڑھانے کی
تدبیرین کرنا میرے مناسب حال ہے۔مین اس سے انکار نہین کرتا
کہ ہر بڑے بادشاہ کی سلطنت کا مفتوحات کے باعث ممتاز ہونا مناسب
ہے اور اسمین شک نہین کہ اگر مین اپنی موجودہ سلطنت کی حدود کو
وسعت دینے کی کوشش سے غافل رہون تو اپنے قابل عزت مورث
اعلی تیمور کی نسل کے واسطے میرا وجود باعث ننگ و عار ہوگا۔ مگر ساتھ
ہی اسکے مجھپر کاہلی اور جاہ و تجمل مین پڑے رہنے کا الزام بھی عائد
نہین ہو سکتا ۔۔۔ مین بندگان عالی کو یہ یاد دلانا چاہتا ہون کہ
بڑے بڑے فاتح ہمیشہ بڑے بادشاہ نہین رہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے
کہ محض جاہل وحشیون نے دنیا کی قومون کو مطیع کر لیا ہے اور
بڑے بڑے وسیع مفتوحات چند ہی برسون مین خاک مین مل گئے
ہین۔ سچ پوچھیے تو بڑا بادشاہ وہی ہے جو اس بات کا
بہت خیال رکھے کہ اپنی رعایا پر عدل و انصاف کے ساتھ

حکمرانی کرنے لگا*

یہ خیال ہمارے دل مین قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اورنگزیب نے عمل درآمد مین کس حد تک ان اصولون کو مدنظر رکھا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جاسے کہ آیا وہ فی الواقع یہ کوشش کرتا تھا کہ جو عالی خیالات طریق فرمانروائی کے اُسکے خطون سے اور تقریرون سے ظاہر ہوتے ہین اُن ہی کے مطابق سلطنت کرے یا یہ کہ وہ محض چکنی چُپڑی باتین تھین جو دل خوش کن بادشاہ نے اپنے خطون کی عبارت کو مرصع کرنے کے واسطے لکھی تھین۔ اسمین تو شک نہین کہ جیسا کہ برنیر نے لکھا ہے اورنگ زیب "بڑے وقار کا آدمی تھا۔ بہت چالاک تھا۔ اور بننے مین اُسکو کمال حاصل تھا" اور جو آدمی صاف گو نہ ہو اور بہ نسبت صاف گوئی کے چالاکی سے دلون کو مسخر کرنا پسند کرے اُسکی باتو نپر یہ راے قائم کرنے سے پہلے کہ وہ اُسکے دلی خیالات کو ظاہر کرتی ہین ذرا احتیاط کے ساتھ غور کر لینا چاہیے۔ بہر حال اُسکے طرز سلطنت کی بابت

* یہ خط برنیر کے فرانسیسی ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف راوی ہے کہ یہ خط اُسنے بچشم خود ملاحظہ کیا تھا۔

جو کچھ ہمکو معلوم ہے اُس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان باریک خیالات
ہی پر اُسکے طرز عمل کا دارمدار تھا- قانون اسلام کے خلاف کوئی
ناانصافی اُسکی ثابت نہین ہوئی- اورونگٹن اپنی ذات سے
مستند مانے جانے کے قابل نہین ہے مگر اُسکو جو معلومات حاصل
ہوئین اور جو راے اُسنے قائم کی وہ اُن ہی باتون کی بنیاد پر تھی
جو اُسنے اورنگ زیب کے بلا رورعایت دیکھنے والون یعنی بمبئی اور
سورت کے انگریز سوداگرون سے سُنی تھین- وہ کہتا ہے کہ مغل اعظم
"انصاف کا بحر ذخار ہے- عام طور سے کامل انصاف اور عدل کے
ساتھ تجویز کرتا ہے- بادشاہ کے سامنے امیرون یا سردارون مین
ہوتا کچھ کام نہین آتا- اورنگ زیب ذلیل سے ذلیل آدمی کی فریاد
کو بھی اُسی قدر جلد پہونچتا ہے جسقدر کہ بڑے سے بڑے امیر کی-
اسی لیے اُمرا اپنے کام مین محتاط اور روپیہ ادا کرنے مین وقت کے
پابند ہوگئے ہین"- اُس ہندوستانی مورخ نے جسکی عبارت ہم اوپر
نقل کرچکے ہین یہ لکھا ہے کہ بادشاہ نرم دل اور جفاکش دادگستر تھا اُسکے حضور مین
رسائی آسانی سے ہوجاتی تھی اور وہ بہت لطف کیساتھ پیش آتا تھا- اور یہی حال

ڈاکٹر گریری نے بھی لکھا ہے کہ اُسنے بادشاہ کو ۱۶۹۵ء مین دکن مین دیکھا تھا۔
اورنگ زیب کے مزاج مین سخاوت کا مادّہ زیادہ نہ تھا اور
اُسکی نسبت مشہور تھا کہ روپیہ پیسہ اور تحفہ تحائف کے معاملہ مین
بہت حریص اور بخیل ہے مگر خیرات دینے مین یہ حالت نہ تھی۔ وہ
اپنی غریب رعایا کو داد و دہش بھی کرتا تھا۔ تخت نشینی کے تھوڑے ہی
دن بعد اُسے معلوم ہوا کہ ادھر تو جنگجو فوجون کی غارتگری نے اور
اُدھر خشک سالی نے ملک مین پورا پورا قحط ڈال دیا ہے۔
اُسنے فوراً مکانات بنوائے اور وہان پکا پکایا کھانا مفت تقسیم
ہونے لگا۔ تقریباً اسّی محصول معاف کر دیے کہ اُنمین سڑک اور
گھاٹ اور اراضی مکانات ددوکانات وغیرہ کے تکلیف دینے
والے محصول بھی شامل تھے۔ اور محصول مثلاً ہندو مسلمانونکے
میلون کے محصول شراب خانہ قمارخانہ اور چکلون کے محصول تو
بادشاہ نے اِسوجہ سے معاف کیے ہونگے کہ وہ غالی مسلمان ہوکر
کیسے ایسا روپیہ لے سکتا تھا جو طیب اور حلال نہو مگر باقی کے محصول
تو ضرور اُسنے اسی نیت سے معاف کیے کہ محتاج رعایا کی دستگیری

کرے۔ اورنگ زیب کے پاس فوج اسقدر کثیر تھی کہ اُسکو ہرگز اسبات
کی ضرورت نہ تھی کہ اپنے خزانہ کو سخت نقصان پہونچا کر رعایا کی
تالیف قلوب کرتا۔ البتہ بہت سے زمینداروں اور عاملون نے
آئین سے اکثر محصولون کی معافی کو نظر انداز کیا اور شاہی نگرانکارون
کی چشم پوشی سے برابر تحصیل وصول کرتے رہے۔ مگر یہ تو بدچلن
اور بدکردار عمال کی کارروائی تھی اسمین نیک نیت بادشاہ کا کیا
قصور۔ اُسکو جب اپنے احکام کی خلاف ورزی کی اطلاع ہوئی
تو اُسنے مجرمون پر جرمانے کیے۔ مگر شاہی غصہ کو قیام تھوڑا ہوتا تھا
خطا بخشی بھی جلد ہوگئی اور یہ لوگ پھر اپنے عادات تظلم پر عود کر آئے
بادشاہ کی حکومت کچھ ایسی نرم دلی کی تھی کہ اضلاع اور صوبجات
کے عاملون کے دلون مین ساری سلطنت بھر مین نام کو بھی
سزا پانے کا خوف واندیشہ باقی نہ رہا تھا اور نتیجہ یہ ہوا تھا کہ
رشوت اور ظلم کا بازار گرم تھا اور اُس سے بدرجہا خراب حالت
ملک کی ہوگئی تھی جو شاہجہان کے وقت مین تھی کہ اُسکی سلطنت مین
شفقت پدرانہ کے ساتھ نگرانی بھی ملی ہوئی تھی۔ سیہ قلب معترضون نے

اورنگ زیب کی اس بے اثر فیاضی کی تاویل یون کی ہے کہ یہ بھی
اُسکی چالاکی کی تدبیر اس غرض سے تھی کہ رعایا کی تالیف قلوب
بھی ہو جاے اور خزانہ کو نقصان بھی نہ پہونچے۔ ڈاکٹر گریری کا
رجحان اس راے کی جانب ہے کہ بادشاہ خود اُمرا کی بداعمالیون
سے چشم پوشی کرتا تھا کہ وہ پورے طور سے اُسکی مدد کرتے رہین۔
جس سلطنت مین جاگیردارون کا زور ہو اُسمین ذی اختیار سردارونکو
ملاے رکھنا اور نیز انکی بے ضابطگیون سے چشم پوشی کرنا لازمی ہوتا
ہے اور بہت ممکن ہے کہ اورنگ زیب نے بعض اوقات مجبور
ہوکر دانستہ اپنی آنکھین بند کر لی ہون کہ مبادا حالت اور زیادہ
ابتر ہو جاے۔ بہرکیف جو حالت بادشاہ کے مزاج کی ہمکو معلوم
ہے اُسکے مطابق تو یہی بات زیادہ لگتی ہوئی اور آسانی سے
سمجھ مین آجانیوالی ہے کہ قرآن مین جو صریحی تاکید ہے کہ سائلین
اور مسافرون کی مدد کرنی چاہیے اُسی کی تعمیل مین اورنگ زیب
نے کار خیر سمجھکر محصول معاف کر دیے تھے۔ وہ اس مزاج کا
آدمی نہ تھا کہ ناجائز استحصال بالجبر اور غربا پر ظلم روا رکھتا۔

البتہ تخت کے حاصل کرنے کی سازشون مین جن تدبیرون اور چالون
سے اُسنے کام لیا وہ ایسی تھین کہ آج تک ہندوستانی سلطنت مین
اُنکی روایتین مشہور ہین۔ تاہم اُسکے ملک والون نے ان باتون پر
زیادہ خیال نہین کیا۔ یوروپین لوگون کا خاصہ ہے کہ مشرقی حیلہ سازی
کی کامیابی مین بہت مبالغہ سے کام لیتے ہین۔ اور اسمین شک
نہین کہ چاہے مغرب والے سیدھے سادے آدمی اُس سے دھوکہ
مین آجائین اس ملک والون کو اسمین کچھ ایسی دغا نہین معلوم ہوتی
اسمین شک نہین کہ اورنگ زیب کی فطرت مین یہ بات نہ تھی کہ
اپنے عمال اور کارکنون پر پورا اعتماد رکھے۔ عام اس سے کہ وہ راستباز
اور قابل ہون یا بد دیانت اور نالائق۔ ہم دیکھ چکے ہین کہ وہ اختیارات
کے تفویض کر دینے کا قائل نہ تھا۔ اور دغا بازی کے جو سبق اُسنے
اپنے خاندان کی تاریخ مین پڑھے تھے اور جنمین وہ خود بھی تخت نشینی
کی جنگ کے زمانہ مین شریک رہا تھا اُسکے دل مین جو فطرتی طور پر
شکی واقع ہوا تھا بہت کچھ اثر کر گئے تھے اُسکا باپ شاہجہان اُسکی
نسبت کہا کرتا تھا کہ فن جنگ اور صلاح و تدبیر اور انتظام و انصرام مین

تو اورنگ زیب بہت قابل ہے مگر مزاج بہت شکی پایا ہے اور غالباً
اسکو کبھی کوئی ایسا آدمی نہ ملیگا جسپر یہ پورا پورا بھروسہ کرسکے"۔
یہ پیشین گوئی بالکل سچ ہوئی۔ اورنگ زیب نے کبھی کسی متنفس کا
اعتبار نہ کیا۔ یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی کہ اُسے یہ خطرہ رہا کرتا تھا کہ
کہین اُسے زہر نہ دیا جاے بہت سے مغل شہزادون کی جان اس خطرہ
سے عذاب مین رہی ہے۔ اُسکے لیے ایک شخص چکھنے والا مقرر
تھا کہ وہ چکھ کر بتا دیتا تھا کہ غذا خوشگوار ہے یا نہین۔ بعض لوگ
کہتے ہین کہ اُسکی بیٹی یہ کام کرتی تھی۔ اور اگر کہین بادشاہ کو دوا
کھانی پڑتی تو طبیب کا یہ بھی کام ہوتا تھا کہ رہبری کرے اور گولی
پہ گولی اور معتاد پہ معتاد خود بھی چڑھاتا جاے تاکہ بادشاہ خود اُس
دوا کے استعمال کرنے سے پہلے یہ ملاحظہ کرلے کہ حکیم جی پر اُسکا کیا
اثر ہوا۔ اس سے پہلے اُسکا باپ بھی اسی طرح کی باتین کیا کرتا تھا
اورنگ زیب کے پاس بہت سے سرکاری مخبر تھے جو واقعہ نویس
کے لقب سے ملقب تھے۔ اس قسم کے لوگ اُسکے آباواجداد بلکہ
یہان تک کہ خلفاے بغداد بھی رکھا کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اپنے

مقامات مین اسقدر مشہور ہوتے تھے کہ جاسوس کا بدنام لقب انکے لیے موزون نہوگا۔ یہ لوگ ملک کے تمام بڑے بڑے مقامات سے برابر خطوط بھیجتے رہتے تھے تاکہ مغل اعظم کو اسکی اطلاع ہوتی رہے کہ اضلاع دور و نزدیک مین کیا ہو رہا ہے۔ اِن اخباری خطوط مین اکثر ایسی خبرین ہوتی تھین جنکا دربار مین پہونچنا بہت ضروری ہوتا تھا مگر کاتبونکو جو معمولی سے معمولی بات چیت اور عام سے عام خبرون کی اطلاع ہوتی تھی وہ بھی ان خطون مین درج ہوتی تھی۔ یہ وقائع نگار بد دیانت حاکمون سے رشوتین بھی لیتے تھے اور اکثر جو باتین لکھنے کی ہوتی تھین انکو دبا بھی دیتے تھے۔ تاہم ہر جگہ کے اہلکارون پر ان لوگون کے مقرر ہونے کی وجہ سے ایک طرح کا دباؤ رہتا تھا۔ یون سمجھیے کہ یہ لوگ سرکاری نگران کار ہوتے تھے اور بدچلن کارکن اور زمیندار انسے ڈرتے رہتے تھے۔ انکی مدد سے اورنگ زیب کو اپنے کام کرنے کے شوق کے پورا کرنے کا موقع ملتا تھا۔ وہ انتظام ملکی پر بالتفصیل نظر ڈالتا تھا اور ادنیٰ سے ادنیٰ محرر کے تقرر مین بذات خاص اپنی نوازش کا اظہار کرتا تھا۔

یہ احتیاط کچھ انوکھی نہ تھی - ممالک مشرقی کا معمولی دستور ہی
یہ تھا - مگر اورنگ زیب نے نائبون پر اپنے متقدمین سے بھی زیادہ
دباؤ رکھا - اُسنے بہت کچھ ویسا ہی طریقہ اختیار کیا تھا جیسا کہ آج کل
ہماری پولیس مین جاری ہے - وہ اپنے عہدہ دارون کو اِدھر اُدھر
تبدیل کرتا رہتا تھا اور جہان تک ممکن ہوتا تھا اُنکو اپنی جاگیرون سے
بہت دور دراز فاصلہ پر رکھتا تھا - ڈاکٹر فرائر صاحب لکھتے ہین :-
"اورنگ زیب اِس اصول پر سلطنت کرتا ہے کہ مغل یا ایرانی
رفیقون مین جتنے لوگ بھروسے کے قابل مل سکین اُنکو اُمرا اور
سردارون مین شامل کردے مگر اس حکمت عملی کا ہمیشہ لحاظ رکھے کہ
اُن کو کام ایسی جگہہ دے جو اُنکی جاگیر اور علاقہ سے بہت فاصلہ
پر ہو - وہ یہ مناسب نہین سمجھتا تھا کہ اُنکے علاقون ہی مین اُنکے
پاس فوج اور زر کثیر رہے کہ مبادا اُنکو اسکی ترغیب ہو کہ دائرۂ عبودیت
کے باہر قدم نکالین اور اطاعت کا جُوا اپنے کندھونسے اُتار پھینکین
اور اسی غرض کی تکمیل کے لیے اِن لوگون کے بیوی بچے بطور
کفیل دربار مین روک لیے جاتے تھے اور یہ لوگ ملکو نمین لڑائیان

لڑتے یا شہروں مین انتظام کرتے رہتے تھے۔ اور جب واپس آتے تھے تو اُنکے پاس کوئی چیز ایسی نہ ہوتی تھی جسکو وہ اپنی ملکیت کہہ سکین۔ البتہ جو کچھ تغلب کرکے یا سپاہیون اور رعایا پر ظلم کرکے لے لیا ہو وہ اُن ہی کا ہوتا تھا۔ سو اُسکا بھی یہ حال تھا کہ اگر جب حال کُھل جاتا تھا تو بادشاہ سب اُگلوا لیتا تھا۔ جن مظلومون سے ملتا تھا اُنکو پھر بھی نہ پہونچتا تھا۔ کیونکہ اصول تو یہ تھا کہ روپیہ پیسہ مال متاع اراضی سب بادشاہ ہی کی ہے۔ جب چاہے لے لے"۔

ان عام خیالات کی تصدیق واقعات سے نہین ہوتی۔ بلکہ اورنگ زیب کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مغلی دستور کا مخالف تھا کہ متوفی مالکون کی جایداد بحق سرکار ضبط کرلیجاے اور وارث محروم کردیے جائین۔ ہان یہ ضرور صحیح ہے کہ اُسکے شکی مزاج کو جو احتیاطین اِس بات کے لیے ضروری معلوم ہوتی تھین کہ بڑے بڑے افسرون سے فساد برپا کرنے کا امکان نہ باقی رہجاے اُنکو وہ ضرور کام مین لاتا تھا۔ اور چونکہ بعض خاندانون کا زور روز بروز بڑھتا جاتا تھا اسطرح کی احتیاط اُسکے لیے لازمی بھی تھی۔ اُنکی

بے اعتباری اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ ہر وقت اسکی جان کو کھٹکا ہی
لگا رہتا تھا۔ اپنے بیٹون کے ساتھ بھی اسکا وہی برتاؤ تھا
جو امرا کے ساتھ تھا۔ بڑے بیٹے کو تو دائم الحبس کر ہی دیا
تھا۔ دوسرے بیٹے کو بھی محض اس شبہہ پر کہ اسکے دل مین
دغا ہے چھ برس تک قید رکھا۔ اسمین شک نہین اسکو بیٹے
کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ کرنے کی معقول وجہ تھی۔
اسکا چوتھا بیٹا شہزادہ اکبر اپنے باپ کے خلاف باغی راجپوتون
سے مل گیا تھا۔ اور شہزادہ اعظم ہمیشہ ولیعہد کے خلاف طرح طرح
سازشین کرتا رہتا تھا کہ اورنگ زیب کو اپنا اور مراد بخش
کا معاملہ ضرور یاد آجاتا ہوگا۔ تاہم باوجود اسکے کہ بعض صورتون
مین یہ بے اعتباری معقول وجوہ پر مبنی ہوتی تھی بادشاہ کو
اس عادت نے ہردل عزیز نہ ہونے دیا۔ اسکے اور نیز اسکے
بعد کے زمانے کے نیک مسلمانون نے اسکے محامد و اوصاف
کے ترانے گائے مگر اکثر دربار والے اور بہت سے افسر
ہمیشہ اسکے شکی مزاج سے خائف تھے اور خوف کے ساتھ

اُسکی بے اعتباری اور جانچ سے نالان بھی رہتے تھے - اُسکا باپ اپنا بہانا
اپنی ضعیفی مین کہ اُس زمانہ مین کاہلی بڑھجاتی ہے اور رحم جوان
ہوجاتی ہے اپنے عنفوان شباب کے زمانہ سے بھی زیادہ شفقت
پدرانہ سے کام لیتا تھا اور اسی باعث اپنی رعایا مین ہر دل عزیز تھا
اورنگ زیب ہر اعتبار سے اپنے باپ سے کہین بڑھا ہوا تھا - اُس
سے زیادہ عاقل آدمی تھا - اُس سے زیادہ عادل بادشاہ تھا -
اُس سے زیادہ رحمدل اور نیک نہاد فرمان روا تھا - اُس کا
سب سے بڑا دشمن منوکی بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ دل کا غرور رکھتا تھا
مگر اُسکی ساری نفس کشی اور ستعدی اور انصاف اور جانفشانی اُسکی
سرد مہری اور بے اعتباری کے باعث اُسکی رعایا کی نظرون مین ہیچ
تھی - اُسکا فقر اور کفایت شعاری اور سادگی بھی تو اُس قوم کے خلاف
پڑتی تھی جو شاہجہانی دربار کا پُرشوکت جاہ و جلال دیکھے ہوے تھی
اُسکی رعایا مین سے بیشتر لوگ تو یہی چاہتے تھے کہ اگر ہمارا بادشاہ
مذہب اور نسل کے اعتبار سے ہم سے مختلف ہو تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ
وہ پورے شاہانہ تزک و احتشام سے اپنی شاہی دکھلائے اور اُسکے

جاہ وجلال کے نور کی شعاعین اُسکی رعایا پر بھی پڑین - پھر چاہے رعایا کی جیبین اُسکی شاہانہ خوشیون کے پورے کرنے مین خالی ہی کیون نہ ہو جائین - اور یہی اورنگ زیب سے نہین ہوسکتا تھا - اسکی عالی طبعی باعث تھی کہ رعایا اُسکا ادب کرتی تھی اور اُس کی مضبوط ایمانداری اور سچی اور پکی نیکی اُنکے دل بجھائے دیتی تھی - اورنگ زیب کے اِس کھرے پن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکا وقار کم ہوگیا - بہت کم بادشاہ ایسے ہوے ہونگے جنکی نیت اُس سے زیادہ اچھی رہی ہو - مگر اس دنیا مین خالص سے خالص نیت کسی کو ہر دل عزیز نہین بنا سکتی اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ سب آدمی محض یہ جان کر کہ آپ ایک بات کو اچھا سمجھتے ہین اُس بات کو کرنے لگین - لوگون نے یہ دیکھا کہ بادشاہ کا مزاج ویسے تو بہت اچھا ہے عرایض کو بڑی توجہ سے سنتا ہے اور دادگستری کرتا ہے مگر لبون پر تبسم ہے تو دل مین جوش مذہبی کا بخار بھرا ہوا ہے - عام طور سے یہ مشہور ہے کہ اورنگ زیب کے مزاج مین عجیب و غریب اختلافات پائے جاتے ہین - مگر اُسکے اقوال و افعال سے

تو کوئی اختلاف نہین پایا جاتا- اُسکے مزاج مین غلو مذہبی تھا کہ
اُس کا جوش بہت بڑھا ہوا تھا- فقیرون کی سی احتیاط اور نفس کُشی
اسمین تھی- راہ راست سے کبھی ڈگمگایا نہین اور اپنے فرض کے
ادا کرنے مین برابر ثابت قدم رہا- ساتھ ہی اسکے بہت سخت
مزاج بھی تھا- اپنی خواہشون کو روکتا تھا- مذہبی جوش
جنون کی حد تک پہونچ گیا تھا- اور طبیعت ایسی پائی تھی کہ فطرت
انسانی پر بھروسہ نہ کرسکتا تھا- اور اسی کا لازمی نتیجہ یہ بھی تھا
کہ اسکا دل محبت سے خالی تھا- اورنگ زیب مین بہت بڑے
بڑے اوصاف تھے- دنیا کی ساری نیکیان وہ کرتا تھا- مگر ایک
پیشوا کے واسطے جو باتین ضروری ہین اُن مین سے ایک چیز کی
کسر تھی- اُس کو دل مُٹھی مین لے لینا نہ آتا تھا- ایسا شخص
سلطنت کا انتظام بھلے ہی کرلے مگر رعایا کے دلون کو تسخیر
نہین کرسکتا-

پانچوان باب

دربار*

باوجود اپنی سادہ مزاجی اور فقیرانہ طبیعت کے اورنگزیب اُن پر از شوکت لوازم دربار کو بالکل موقوف نہین کرسکا جو اُسکے شان والے باپ کے زمانہ مین اپنی معراج کو پہونچ چکے تھے سخت سخت قواعد کی پابندی اور فقیرانہ ریاضت خلوت مین تو ضرور ممکن تھی مگر عوام کے سامنے تو بادشاہ کو اُسی دستور کے مطابق عملدرآمد کرنا پڑتا تھا جو اکبر کے وقت سے اُس کے شاہی متقدمین برابر کرتے آئے تھے۔ اور وہی رعب قائم

* اورنگزیب کے دربار دہلی کے حالات کی سب سے پہلی مستند کتاب برنیر کا سفرنامہ ہے مصنف مذکور نے بڑی خوبی کے ساتھ اپنے چشم دید اور مفصل حالات لکھے ہین۔ کتاب مذکور کا ترجمہ آرچی بالڈ کانسٹبل صاحب نے کیا ہے اور باجازت مترجم موصوف بعض مقامات پر مین نے بھی اس ترجمہ سے اقتباس کیا ہے۔

کرنیوالا جلال دکھلانا پڑتا تھا جو شاہجہان کو بہت زیادہ عزیز تھا
اورنگ زیب کو اس گندی دنیا کے نام و نمود کی طرف خود
رغبت نہ تھی مگر وہ بھی خوب جانتا تھا کہ میری رعایا کی نظرون
مین جو کچھ ہے وہ یہی ہے۔ مغلون کا بادشاہ ہوا اور عظیم الشان
دربار نہون آنکھون مین چکاچوند پیدا کر دینے والے جواہرات
نہ دکھلائی دین لباس فاخرہ پہنے ہوے اور اسلحہ لگائے ہوے
درباروالے چمکتے دمکتے نہ نظر آئین اور شوکت شاہانہ کے شاندار
آثار نہ ظاہر ہون تو ایسے بادشاہ کو وہ رعایا کب خاطر مین لاسکتی
تھی جسکو صدیون کی صدیان بادشاہون کو پورے جاہ و حشم
کے ساتھ رونق افزاے تخت دیکھتے گزری ہون۔ مشرقی لوگ
یورپ والون سے بھی اس خیال مین بڑھے ہوے ہین کہ لباس
ہی سے آدمی بادشاہ ہوتا ہے۔ اور کچھ رعایا ہی پر منحصر نہین بلکہ
سلطنتہاے غیر کے سفیر بھی بادشاہ کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتے اگر
وہ اپنے مرتبہ کے مطابق باریک ارغوانی حریر زیب تن نہ کرتا
اور اُس جاہ و جلال کے ساتھ اُنسے نہ ملتا جو ایسے بادشاہ عظیم الشان

کے شایان ہو - چنانچہ اورنگ زیب نے بھی کم از کم سلطنت کے ابتدائی زمانہ مین اور اہم مراتب کے بجا لانے مین ان رسوم دربار کی پابندی کی جو سب سے پہلے بانی سلطنت یعنی اُسکے پردادا اکبر کے وقت سے برابر ہوتی آئی تھین -

بادشاہ نے اپنا قیام دہلی اور آگرے مین تقسیم کر رکھا تھا - مگر دارالسلطنت دہلی ہی مین تھا اور وہین بڑے بڑے شاہی کام ہوا کرتے تھے - دہلی مغلون ہی کی بسائی ہوئی تھی پہلے بادشاہونکا جو پرانا شہر تھا وہ بالکل مسمار ہو گیا تھا اور اُسی اُجڑے دیار کے بجائے نیا دارالسلطنت شاہجہان آباد شاہجہان نے ۱۶۳۹ء لغایت ۱۶۴۸ء مین آباد کیا تھا اور اُسکا نام بھی اپنے نام پر رکھا تھا - آگرہ اکبر کا دارالسلطنت تھا اور جہانگیر نے بھی وہین رہنے کا معمول رکھا تھا - مگر وہان کی گرم آب و ہوا اُنکے عیش پسند جانشین کے لطف مین خلل انداز تھی اس باعث سال کے بیشتر حصہ کے واسطے دربار اس نئی دہلی یعنی شاہجہان آباد مین ہوا کرتا تھا - ہمارے سب ناظرین اس عظیم الشان دارالسلطنت کے کھنڈر

اور مساجد اور آثار صنا دید و محلات وغیرہ سے بخوبی واقف ہو نگے
مگر اُس زمانہ کی سیر جب دہلی آباد تھی اور اپنے پورے عروج پر تھی
ہمین برنیر کی آنکھون سے کرنی ہو گی کہ اُسنے اُس زمانہ مین اس
شہر کو دیکھا تھا کہ اسے آباد ہوے کُل گیارہ برس گزرے تھے ۔
اُسنے ۱۶۶۳ء مین چار برس کے قیام کے بعد وہین اسکے حالات
بھی لکھے تھے اور یہ مان لینی کی بات ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی دہلی
سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ دریاے جمن کے داہنے
کنارے پر ہلالی شکل مین شہر آباد تھا اور دریاے مذکور اُسکی شمالی
و شرقی سرحد پر تھا اور ایک کشتیون کا پُل اُسکے عبور کرنے کے
واسطے بنا ہوا تھا۔ آس پاس کے میدانون مین زراعت اور اشجار
کی کثرت ایسی ہی تھی جیسی کہ آج کل ہے اور شہر مین بڑے نفیس
نفیس باغ لگے ہوے تھے۔ سواے اُس سمت کے جدھر دریا بہتا
تھا اور ہر جانب شہر کے گرد اینٹون کی فصیل بنی ہوئی تھی مگر کوئی
خندق یا مترس نہ تھی۔ یہ فصیل غنیم کا حملہ روکنے کے کام کی نہ تھی۔
کیونکہ قلعہ بندی پوری پوری نہ تھی۔ البتہ کوئی سو سو قدم کے

فاصلہ پر پُرانی قطع کی میناریں بنی ہوئی تھیں اور فصیل کے پیچھے
چار چار پانچ پانچ فٹ کے مٹّی کے پشتے لگے ہوئے تھے۔ اس فصیل
کا محیط کوئی چھ سات میل کا تھا۔ مگر دروازون کے باہر سواد
شہر بہت وسیع تھا اور اُسمین بڑے بڑے سردارون اور دولتمند
سوداگرون کے عالیشان مکانات بنے ہوئے تھے۔ اور نوآباد
شہر کے باہر اُس سے بالکل ہی ملے ہوئے پُرانے شہر کی عمارتون
کے کھنڈر بھی تھے۔ اس وسیع رقبہ مین بیشمار پتلی پتلی گلیان
تھین اور ہر قسم کے مکانات نظر آتے تھے کہین سپاہیون اور لشکریون
کے بانس اور پھونس کے کچّے جھونپڑے تھے کہین چھوٹے عہدہ دارون
کے مٹّی اور اینٹون کے مکانات تھے اور کہین امیرون اور
سردارون کے عالیشان ایوان تھے جنمین بڑے بڑے صحن اور
خانہ باغ اور فوارے ہوتے تھے اور تہ خانے اسطرح کے ہوتے
تھے کہ گرمی کے دنون تین سہ پہر کے وقت چارون طرف سے ہوا
آتی تھی اور لطف کے ساتھ وقت بسر ہوتا تھا۔

وہ بڑی بڑی سڑکین تھین۔ تقریباً تیس قدم چوڑی۔ بہت لمبی

اور سیدھی - اُنکے کنارے کنارے دوکانین آباد تھین اور برابر اُس
بڑے شاہی چہار گوشہ تک چلی گئی تھین جو بادشاہ کے محل اور قلعہ کے
سامنے واقع تھا - یہ مربع چہار گوشہ وہ مقام تھا جہان فوج والون اور
شہر والون کا ملاپ ہوتا تھا - اور یہان طرح طرح کی سیر نظر آتی تھی -
جب راجپوت راجاؤن کی نوکری کی باری ہوتی تھی تو وہ لوگ
اپنے خیمے اسی مقام پر نصب کرتے تھے کیونکہ راجپوت کسی طرح یہ منظور
نہ کرتے تھے کہ مغلوان کی چار دیواری مین اپنے آپ کو مقید کردین -
اور اسی مقام پر بڑے بڑے سردارون کا تزک واحتشام اُس زمانہ
مین نظر آتا تھا جب اُنکی باری یہان پہرہ دینے کی آتی تھی -
وہ اُس تزک واحتشام کے مرقع سے زیادہ ذیشان مرقع قیاس مین
نہین آسکتا جو اُسوقت پیش نظر ہوتا تھا جب قلعہ کے سامنے وسیع
میدان مین راجگان ومنصبداران واُمرا اِس غرض سے جمع ہوتے
تھے کہ جہان پناہ کے جلوس کے ہمرکاب چلین یا دربار عام خاص مین
حضوری سے شرف اندوز ہون - منصبدار چارون طرف سے جوق
جوق چلے آتے ہین - زرق برق سازو سامان سے آراستہ ہین - چارچار

نوکر ساتھ ہین۔ دو گھوڑے کے آگے چلتے ہین دو پیچھے۔ اور اپنے مالکون
کے واسطے راستہ سے لوگون کو ہٹاتے جاتے ہین۔ اُمرا اور راجہ لوگ
سواریون پر آتے ہین۔ کسی کی ران کے نیچے گھوڑا ہے کوئی شاندار
ہاتھی پر سوار ہے۔ اکثر بیش قیمت پالکیون مین سوار ہین۔ چھ چھ کہار
لگے ہوے ہین۔ سردار صاحب کمخواب کا تکیہ لگائے پالکی مین متمکن
ہین۔ پان چباتے جاتے ہین کہ منہ سے خوشبو بھی آئے اور سرخرو بھی
نظر آئین۔ پالکی کے ایک طرف ایک ملازم چاندی یا چینی کا پیکدان
لیئے ہوے ہے۔ دوسری طرف دو ملازم مورچھل ہلاتے جاتے ہین تاکہ
اُنکے عیش پسند آقا پر مکھی نہ بیٹھنے پائے اور گرد نہ آنے پائے۔ تین چار
پیادے آگے راستہ صاف کرتے جاتے ہین اور متعدد سوار شاندار
گھوڑون پر چڑھے ہوے پیچھے پیچھے چلتے ہین۔

یہین بازار بھی لگتا ہے اور بیشمار انواع و اقسام کی چیزین بکنے
آتی ہین۔ اور پیرس کے پانٹ نوف کیطرح یہان بھی بہت سے دوا فروش
اور شعبدہ باز جمع ہوتے ہین۔ ہندو اور مسلمان دونون فرقون کے
نجومی بھی یہین جمع ہوتے ہین۔ یہ عقلمند لوگ دھوپ مین گرد آلود

غالیچون کے ٹکڑون پر بیٹھے رہتے ہین اور رمل اور جفر کے پانسون سے
کھیلتے رہتے ہین۔ سامنے ایک بڑی سی کتاب کھلی رکھی رہتی ہے اوسمین
منطقۃ البروج کی علامات بنی ہوتی ہین۔۔۔۔۔ یہ لوگ غریب
آدمی سے ایک پیسہ لیکر اُسکی قسمت کا حال بتلاتے ہین۔ پہلے سائل
کا ہاتھ اور چہرہ دیکھتے ہین پھر بڑی کتاب کے ورق اُلٹتے ہین پھر
کچھ جھوٹ موٹ کا حساب لگا کر بتا دیتے ہین کہ جو کام تمکو کرنا ہے اُسکے
واسطے فلان ساعت مبارک ہے۔

جہان اور لوگ تھے وہان گو آکا ایک مُخَنَّس پرتگالی بھی اپنا
غالیچہ لگائے بیٹھا تھا۔ ایک قطب نما اور دو کانٹے اسکے پاس رکھے
تھے اور یہی کل کائنات تھی حقیقت یہ ہے کہ اُسسے پڑھنا نہ آتا تھا مگر
تصویرون سے اپنا کام نکال لیتا تھا اور اسی طرح حال بتاتا تھا جسطرح
اچھے سے اچھے نجومی بتلاتے ہین۔ مسیحی پادری بڑی صاحب نے
اُسکو مصروف دیکھا تو اُسنے بے دھڑک کہا کہ صاحب مین نجومی ہون
تقدیر کا حال بتلاتا ہون۔ اُس زمانہ مین ہندوستان مین کوئی کام
بغیر نجومیون کی صلاح کے نہوتا تھا یہ بازاری نجومی تو سب سے نیچے

درجہ کے ہوتے تھے۔ بادشاہ اور سرداران ہوشیار پیش بینون کو بڑی بڑی تنخواہین دیتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹا کام بغیر انکی صلاح پوچھے نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ آسمانی نوشتے کو پڑھ لیتے تھے اور ساعت مقرر کر دیتے تھے اور جو شک آپڑتا تھا اُسکو قرآن مین فال دیکھکر حل کر دیتے تھے۔

اس وسیع شاہی میدان کے آگے قلعہ تھا جسمین بادشاہ کا ایوان اور محلسرا تھی۔ سامنے دریا بہتا تھا اور اُسکے کنارے ہاتھیون کی لڑائی ہوا کرتی تھی اور راجاؤن کی فوجین قواعد کرتی تھین۔ قلعہ کی بلند دیوارون کا کسیقدر استحکام کنگرون اور مینارون سے بھی تھا اور چارون طرف خندق بنی ہوئی تھی۔ اور چھوٹی چھوٹی جنگی توپین شہر کی جانب لگی ہوئی تھین۔ اندر کا ایوان ممالک مشرقی کے ایوانون مین سب سے زیادہ شاندار تھا اور محلسرا بھی یوروپین محلات کی دونی سے زیادہ تھی۔ قلعہ کے صدر دروازے پر پتھر کے دو بڑے بڑے ہاتھی کھڑے ہوے تھے اور اُنکے بیچ مین ہوکر اندر جانا ہوتا تھا۔ راجہ جےمل اور راجہ پتا وایان

چتور کے مجسمے ان ہاتھیون پر رکھے ہوے تھے۔ یہ وہی راجے
تھے جنھون نے برابر اکبر کا مقابلہ کیا اور بجاے مطیع ہو جانے کے
میدان مین نکل کر ایوسانہ حملہ کر کے جان دیدینے کو بہتر سمجھا۔ اسیکا
نتیجہ تھا کہ انکی یادگار انکے دشمنون نے بھی قائم رکھی۔ ان بہادرون
کے بُتون کے بیچ مین ہو کر نکلنے سے دل پر بہت خوف اور ادب
کی حالت طاری ہوتی تھی۔ پھر آگے چل کر اندر کا صحن طے کرنے
کے بعد لنبی اور پرفضا چاندنی سڑک ملتی تھی۔ اُسکے بیچون بیچ مین
نہر جاری تھی اور دونون طرف کسیقدر اونچا پتھر کا فرش تھا۔ اور
بھی جا بجا سڑکین نکل گئی تھین اور مختلف مقامات پر سوداگرون کے
کاروان سرا اور بڑے بڑے کارخانے نظر آتے تھے جنمین بادشاہ
اور اُمرا کے کاریگر گوٹہ زری کا کام کرتے تھے چاندی سونے کے
زیور بناتے تھے بندوقین ڈھالتے تھے لاکھ کا کام کرتے تھے ململ
بُنتے تھے تصویرین کھینچتے تھے اور اور اسیطرح کے کام کرتے تھے۔

دہلی کی صنعت اور دستکاری مشہور تھی۔ جن کاریگرون پر بادشاہ
یا اُمرا کی نظر عنایت ہو جاتی تھی وہ مالامال ہو جاتے تھے۔ ورنہ

ویسے جو شخص کاریگر لگاتا تھا وہ جو اُسکے جی مین آتا تھا مزدوری دے دیتا تھا۔مغل بادشاہون نے صنعت وکاریگری کی قدر افزائی کی وہ قابل تعریف ہے۔یہ لوگ اِن صنّاعون سے اپنے محلات کی زیب وزینت بڑہاتے تھے۔

برنیر لکھتا ہے کہ "اگر بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا نے بہت سے کاریگر اپنے گھرون پر کام کرنے کے واسطے نوکر نہ رکھ چھوڑے ہوتے تو ہندوستان کی صنعت اور کاریگری کی خوبصورتی اور نزاکت مدت کی مفقود ہو چکی ہوتی۔پھر بھی ہندوستان کے ہر ایک حصہ مین بڑے بڑے ذہین لوگ ہوتے ہین بیشمار نمونے بڑی بڑی نادر کاریگریون کے ملتے ہین جو اُن لوگون کے بنائے ہوے ہین جنکے پاس اوزار بھی نہین ہین اور جنھون نے کسی اُستاد سے تعلیم بھی نہین پائی۔بعض اوقات یہ لوگ یوروپین ساخت کی چیزونکی ایسی ہوبہو نقل بنا دیتے ہین کہ اصل اور نقل مین مشکل سے تمیز ہوتی ہے۔علاوہ اُور چیزون کے ہندوستانی گولی اور چھرّہ کی بندوقین اچھی بناتے ہین۔اور سونے کا زیور تو ایسا خوشنما بناتے ہین کہ

ہمکو اسمین کلام ہے کہ کوئی یورپین زرگر اس سے زیادہ صنعت
کا کام بنا سکتا ہے۔ مین نے اکثر یہان کے مصورون کی تصویرون
اور نقشون کی صفائی اور نزاکت کو پسند کیا ہے۔ ایک مشہور
دستکار نے اکبر کے کارنامون کی تصویرین ایک ڈھال کے اوپر
بہت خوب بنائی تھین۔ یہ مجھے بہت زیادہ پسند آئین۔ کہا جاتا ہے
کہ سات برس کی محنت مین یہ تصویرین تیار ہوئی تھین۔ ہندوستانی
مصور تناسب کا زیادہ خیال نہین رکھتے اور چہرون کی بناوٹ بھی
جیسی چاہیے ویسی نہین ہوتی ۔"

مسلمانون کو جو جاندارون کی تصویرون سے احتراز تھا وہ
اکبر نے اُٹھا دیا تھا۔ منقول ہے کہ بادشاہ مذکور نے مصوری کی نسبت
اپنے خیالات یون ظاہر فرمائے ہین کہ: "بہت سے لوگ مصوری
سے نفرت کرتے ہین مگر مین ایسے لوگون کو ناپسند کرتا ہون۔ میری
رائے مین مصور کو خاص ذرایع خداشناسی کے میسر ہوتے ہین۔
جب مصور کسی جاندار چیز کی تصویر کھینچتا ہے اور یکے بعد دیگرے
سب اعضا بناتا ہے تو لا محالہ اُسکو یہ خیال ہوتا ہوگا کہ جو کام مین نے

بنایا ہے انمین جان ڈالنا میری قدرت سے باہر ہے۔ اسطرح وہ مجبور ہوتا ہے کہ خدا کا خیال اُسکے دل مین آئے اور وہ سمجھے کہ وہی جان آفرین ہے۔ اور اسطرح اُسکے علم مین ترقی ہوتی ہے"

سولھوین اور سترھوین صدی کی بہت سی نفیس ہاتھی دانت پر کھینچی ہوئی چھوٹی چھوٹی تصویرین اور قلمی کتابون کی کاغذی تصویرین اور شاہی بیاضون کی تصویرین ابتک موجود ہین۔ اُنسے برنیر صاحب کی تعریف کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ انمین خوبی یہ ہے کہ ہر طرح کے مختلف سامان چھوٹی سی تصویرین دیکھ لیجیے۔ اور رنگ اور عکس تو اس صفائی کے ساتھ دیے ہین کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ ان تصویرون مین بادشاہون شہزادون اور امیرون کی شبیہین بھی ہین۔ برنیر صاحب کا اعتراض جو کچھ ہو مگر ان شبیہون سے ضرور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصورونکو صورتین بنانے مین پورا ملکہ حاصل تھا۔ منظرون کی تصویرین بھی بہت دلکش ہین۔ اور بڑی صفائی سے بنائی گئی ہین*

* ارچی بالڈ کانسٹبل صاحب نے دو دلکش اور نادر یادگارین اس زمانہ کی مصوری کی اپنی کتاب اور نیمل مسلیینی مین شائع کی ہین تاکہ ہر کس و ناکس کا

اسمین شک نہین کہ مسیحی مشنری جو آگرہ مین اور ہندوستان کے اور
شہرون مین رہتے تھے وہ اپنے ساتھ مغربی خیالات لائے تھے اور
ہندوستانی مصوری پر ان خیالات کا بہت کچھ اثر پڑا تھا۔ جہانگیر جیسا
کہ وہ خود لکھتا ہے تصویرون کا بہت شایق اور اعلیٰ درجہ کا مبصر تھا۔
لکھا ہے کہ بادشاہ مذکور ایک تصویر حضرت مریم کی ایک پردہ کے پیچھے

۴ اُنپر دسترس ہو سکے۔ برنیر کے وقائع سیاحت کے پہلے صفحہ پر شاہجہان کی
شبیہ ہے اور سار ویل صاحب کی کتاب چیس نامے مین جو ڈرائیڈن صاحب
کی نظم موسومہ اورنگ زیب کے ساتھ شامل ہے ایک تصویر اکبر کی رات کیوقت
شکار کھیلنے کی لگی ہوئی ہے۔ یہ دونون تصویرین اُن اصلی تصویرون سے نقل
کیگئی ہین جو کرنیل ایچ بی ہینا صاحب کے مجموعہ مین موجود ہین۔ کتاب ہذا کے
شروع مین جو تصویر اورنگ زیب کی لگی ہوئی ہے وہ ایک ہندوستانی مصور
کی کھینچی ہوئی تصویر سے نقل کیگئی ہے۔ یہ تصویر برٹش میوزیم کے البم مین موجود
ہے اور اسپر اشرف خان کی مُہر اور سنہ ۱۰۷۱ھ (مطابق ۱۶۶۱ء) ثبت ہین
اورنگ زیب کی یہ تصویر قریب زمانہ تخت نشینی کی تھی۔ یا شاید کسیقدر پہلے کی
ہو۔ یہ تصویر ہندوستانی تصویرون کے اعلیٰ درجے کے نمونون مین شمار کیجاتی ہے۔

رکھتا تھا۔ اور اس تصویر کی ایک نقل اسی زمانہ مین بنائی گئی تھی اور
وہ حسن اتفاق سے ابتک موجود ہے*۔ ٹیورنیر نے آگرہ کے ایک دروازہ
پر ایک تصویر جہانگیر کے مقبرے کی دیکھی تھی "اُسمین ایک بڑا سیاہ پوش
جنازہ بنا ہوا ہے اور آس پاس بہت سی سفید موم بتیان روشن ہین
اور دو مسیحی پادری پیچھے پیچھے چلے جاتے ہین۔ ٹیورنیر نے یہ بھی لکھا
ہے کہ "شاہجہان نے اس تصویر کو اسوجہ سے رہنے دیا کہ خود اُسنے اور
اُسکے باپ نے مسیحیون سے کچھ اصول ریاضی اور نجوم کے سیکھے تھے"**
آگسٹن فرقہ کے پادری منریک صاحب نے جو شاہجہان کے وقت
مین مسیحی مشنریون کے کام کا معائنہ کرنے کو آئے تھے لاہور مین
آصف خان وزیر اعظم کے محل مین عیسائی اولیا کی تصویرین لگی ہوئی
دیکھی تھین۔ بہت سی مغلی تصویرون مین بادشاہ کے سر کے گرد ایک
طرح کا ابر سا دکھائی دیتا ہے۔ اور آگرہ اور دہلی کے مصورون کی
دستکاری کو دیکھکر اُسی زمانہ کی ملک اطالیہ کی مصوری یاد آجاتی ہے

* یہ تصویر کرنیل ایچ بی ہینا کے مجموعہ مین ہے۔

** دیکھو وقایع سیاحت ٹیورنیر جلد اول صفحہ ۱۱۱۔

دربار مین مصورون کی بڑی قدر تھی اور بہت سے مصورون کے نام آج تک یادگار ہین۔ انکی تصویرون سے اُن عالیشان اور نفیس محلات کی زینت دوبالا ہو جاتی تھی جو آج تک صفحۂ عالم پر مغلی سلطنت کی گواہی دے رہے ہین۔

مصورون کے کارخانون سے نکلکر اور پہرہ والون کی چوکیونکو طے کرکے وہ مقام نظر آتا تھا جسکی طرف سب دربارونکی آنکھین لگی ہوتی تھین یعنی دیوان عام وخاص۔ یہ بڑا وسیع ایوان تھا جسکے اوپر چھت تھی اور بڑے بڑے محراب دار در بنے ہوے تھے اور بڑے دروازے کے سامنے دوسری طرف کو سلامی کیا ہوا چبوترہ تھا۔ اس ایوان کی چھت ستونون کی قطارون کے سہارے پر تھی۔ چھت پر بہت نفیس رنگ آمیزی کا سنہری کام بنا ہوا تھا۔ اور پیچھے کی دیوار مین وہ مشہور جھروکہ تھا جو ابتک قائم ہے۔ یہ وسیع کھلا ہوا دریچہ جہان مغل بادشاہ روزانہ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا اُن سب آدمیون کو نظر آتا تھا جو وسیع میدان مین جمع ہوتے تھے۔ داہنے بائین بادشاہ ہی کی نسل کے شہزادے

کھڑے ہوتے تھے اور نیچے کی طرف جہان ایک چاندی کا کٹہرہ
لگا ہوا تھا چاروں وزراے سلطنت اور بڑے بڑے سردار اور امیر
اور راجہ اور سلطنتہاے غیر کے سفیر جمع ہوتے تھے۔ یہ سب لوگ
نظرین نیچے کیے ہوے ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے تھے
اور شاہی ارباب نشاط اپنے دلکش نغمہ و سرود سے دلونکو لبھاتے
تھے اسکے آگے نیچے کی طرف کو چاندی کے کٹہرے کے باہر کیطرف
منصب داروں اور چھوٹے عہدہ داروں اور سرداروں کی رنگین
پوشاکین اور جواہرات اور اسلحہ چمکتے نظر آتے تھے۔ اور ایوان کے
باقی کے حصہ مین اور سارے میدان مین ہر درجہ کی رعایا و عوام
بڑے اور چھوٹے امیر اور غریب سب جمع ہوتے تھے اور سب کو
بادشاہ کی حضوری کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ مگر ایک دفعہ وہان
پہونچ جانے کے بعد جب تک دربار برخاست نہ ہو جاے کوئی
شخص وہان سے جا نہ سکتا تھا۔

جب کوئی شاہی تقریب ہوتی تھی تو بڑے جشن ہوتے تھے
اور پھاٹک پر جو یہ شعر لکھا ہوا تھا کہ ؎ اگر فردوس بر روے زمین ست

ہمین سے وہین سے + اسکی پوری تصدیق ہوتی تھی - اورنگ زیب
کی آمد آمد ہوتی تھی تو صدر دروازہ کے اوپر نوبت خانہ سے نوبت بجنی
شروع ہو جاتی تھی -

"جہان پناہ بہت زرق برق پوشاک پہنے ایوان عالیشان کے
آخری حصہ مین تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے - سفید نازک پھولونکی اطلس کا
جامہ اُس پر زری اور ریشم کا نفیس کام - زربفت کا سرپیچ اسمین بیش قیمت
اور بڑے بڑے ہیرون کا طرہ اور بیچون بیچ مین ایک بیشل زبرجد کہ
مثل آفتاب کے چمکتا تھا - گلے مین گردن سے لیکر پیٹ تک کا بڑے بڑے
موتیون کا ہار - تخت مین چھ بڑے بڑے پایہ لگے ہوے تھے کہا جاتا ہے
کہ ٹھوس سونے کے تھے اور جابجا یاقوت اور الماس اور زمرد جڑے ہوے
تھے - یہ تخت شاہجہان نے بنوایا تھا اور مقصود یہ تھا کہ اُن بیشمار جواہرات
کو دکھلایا جاوے جو پرانے راجاؤن اور پٹھانون کی لوٹ سے خزانہ عامرہ
مین آئے تھے اور سال بسال جشنون کے موقعون پر سب امراے نذرون
مین پیش ہوتے تھے * تخت کے نیچے ایک چبوترہ تھا جسپر کمخواب کا

* ٹیورنیر نے مشہور تخت طاؤس کا حال بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ دیکھنا چاہیے

شامیانہ لگا ہوا تھا اور مقیش کی جھالر لگی ہوئی تھی۔اس چبوترہ پر سب
اُمرا لباس فاخرہ پہنے ہوئے جمع ہوتے تھے۔ایوان کے ستونون پر
زر بفت منڈھا ہوا اور پھولدار اطلس کے شامیانے سارے ایوان
مین لگے ہوئے تھے۔انمین ریشمی ڈوریان بندھی ہوئی تھین اور جا بجا
ریشم اور مقیش کے پھندنے لٹکتے تھے۔ نیچے بہت لمبے چوڑے ریشمی قالین

ھ کہ تخت مذکور ایک چار پایون کی بڑی چوکی کی وضع کا تھا (اُسمین چھ پائے نہ تھے) بر پنہ
تقریباً ۶ فٹ اونچا تھا۔تخت کے اوپر بارہ کھمبونکا ایک سائبان لگا ہوا تھا اُسمین موتیونکی
لڑیون کے حلقے بنے ہوئے تھے اور اُن حلقون مین شاہی شمشیر و گُرز و سپر و تیر و کمان
آویزان تھے۔تخت پر سونے کا چتر چڑھا ہوا تھا اور ہیرے زمرد موتی اور یاقوت جڑے
ہوئے تھے چتر کے اوپر ایک طلائی طاؤس دُم پھیلائے ہوئے کھڑا تھا۔اُسکی دُم فیروزون
اور اور جواہرات کی بنی ہوئی تھی۔طاؤس کے دونون طرف طلائی پھولونکے گلدستے تھے
انمین بھی قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔اُسکے سامنے چتر شاہی لگا ہوا تھا۔اُسکی جھالر موتیون
کی تھی۔اور سوائے بادشاہ کے اور کوئی شخص چتر نہ لگا سکتا تھا۔تخت مذکور طہران مین
شاہ ایران کے محل مین ہنوز موجود ہے۔اور اُسکی قیمت کا اندازہ دو کروڑ ساٹھ لاکھ کا
کیا جاتا ہے۔برنیر اور ٹیورنیر اسکی قیمت اور زیادہ بتاتے ہین۔

بچھے ہوے تھے۔ باہر میدان مین ایک خیمہ نصب تھا جسکو اسپک کہتے
تھے یہ ایوان سے ملا ہوا تھا اور ایوان سے بھی زیادہ وسیع تھا
آدھا میدان اسی کے سایہ مین آجاتا تھا چارون طرف ایک بہت
بڑی قنات گھری ہوئی تھی اور اُسپر چاندی کے طبق لگے ہوے تھے۔
شامیانے کی چوبون پر چاندی منڈھی ہوئی تھی تین چوبین اسقدر
موٹی اور اونچی تھین جیسے جہازون کے مستول ہوتے ہین۔ باقی
چھوٹی چھوٹی تھین۔ یہ وسیع خیمہ باہر سے سرخ تھا اور اندر کی طرف موی
چھینٹون کا استر تھا جنپر بیلین اور پھول ایسے خوشنما اور آبدار بنے ہوے
تھے کہ سچ مچ باغ کھلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

میدان کے آس پاس جو مکانات کی قطارین تھین اُنمین سے
ایک ایک ہر امیر کے متعلق تھی اور حکم تھا کہ سب اپنے اپنے خرچ سے
انکو آراستہ رکھین۔ امیرون کو برابر یہی فکر رہتی تھی کہ دیکھین کسکے مکان
کی آرائش کو جہان پناہ سب سے زیادہ پسند کرتے ہین۔ چنانچہ سارے
مکانات اوپر سے نیچے تک کمخواب سے منڈھ دیے گئے تھے اور نیچے بڑے
قیمتی قالین بچھے ہوے تھے۔"

برنیر نے جو یہ تصویر اسقدر تفصیل کے ساتھ کھینچ کر دکھلائی ہے
تو یہ مرقع بہت شان و شوکت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس آرایش اور فضول خرچی
کی تاویل یون کیجاتی ہے کہ یہ بھی اورنگ زیب کی نیک نیتی تھی کہ
سوداگرون کو موقع ملے کہ تخت سلطنت کیواسطے لڑائی بھڑائی ہوتے
رہنے کی وجہ سے جو عرصہ تک خرید و فروخت بند رہی اور کمخواب اور
زربفت کے تھان اُنکے کارخانون مین جمع ہوگئے اُنکی نکاسی ہوجا ے
مگر اسی قسم کے جشن اس سے کسی قدر کم شان و شوکت کے ساتھ ہر سال
ہوتے رہتے تھے مختلف سالگرہین ہوتی تھین۔ انمین سب سے بڑی
جہان پناہ کی سالگرہ ہوتی تھی۔ اس موقع پر حسب دستور قدیم بادشاہ
کو سونے کے ترازو مین بٹھا کر سونے چاندی اور جواہرات اور کھانے
سے تولتے تھے اور دوسرے دن یہ سب چیزین نمائشی طور پر غربا کو
تقسیم کردیجاتی تھین سب امیر اور سردار بیش بہا تحایف نذر مین پیش
کرتے تھے بعض اوقات انکی مجموعی مالیت دو دو کرور کی ہوجاتی تھی
کبھی کبھی ان موقعون پر بڑے بڑے سردارون کی بیبیان محلسرا ے
شاہی مین مینا بازار لگاتی تھین اور زربفت اور کمخواب کے کامدار

سیپچ اور گلکاری اور زردوزی کے فیتے بادشاہ اور بیگمات اور
شہزادیون کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتون کو فروخت کرتی تھین قیمت
کی زیادتی بیچنے والی کے حُسن اور حاضرجوابی پر منحصر ہوتی تھی۔ دام
چُکانے مین خوب خوب مذاق ہوتے تھے۔ اور بہت سی کم سن بیبیان
اسی بازار مین ایسا نام پیدا کرلیتی تھین کہ جب کسی دربار کے معزز آدمی
سے اُنکی شادی کا وقت آتا تھا تو یہ اعزاز اُنکے بہت کام آتا تھا۔
سوا بادشاہ کے اور کوئی شخص ان حسینان روزگار کو بے نقاب
نہ دیکھ سکتا تھا۔ مگر مغل بادشاہ اور اُسکی بیگمات کو جوڑے لگانے
خوب آتے تھے اور اپنے اپنے منظورنظر کے واسطے وہی کچھ خوب
شادیان ٹھہراتے تھے۔ جشن کے آخر مین اکثر ہاتھیون کی لڑائی
ہوتی تھی اور اسکا رواج ہندوستان مین ایسا ہی عام تھا جیسا اسپین
مین بیل لڑانے کا رواج تھا۔ ایک ہاتھی اِدھر سے چھوڑا جاتا تھا
ایک اُدھر سے۔ بیچ مین ایک کچی مٹی کی دیوار ہوتی تھی۔ اسکو ہاتھی
توڑ ڈالتے تھے۔ پھر دونون ہاتھیون کی سنگین لڑتی تھین اور دانتون
اور سونڈون سے جنگ ہوتی تھی۔ آخرکار ایک غالب آجاتا تھا۔

دوسرا زمین پر گر جاتا تھا۔ جو جیت جاتا تھا اُسکو مغلوب مقابل سے یون الگ کرتے تھے کہ اُس مقام پر دونون کے بیچ مین آتشبازی رکھکر آگ لگا دیتے تھے۔ مہاوتون کی شامت تھی۔ اکثر ہاتھی کے پانؤن کے نیچے کچل کر وہین مرجاتے تھے۔ یہان تک کہ جب یہ جانجوکھون لڑائی ہوتی تھی تو ہاتھی پر سوار ہونے سے پہلے مہاوت اپنے گھر والون سے رخصت ہوکر اور آخری سلام کرکے جاتے تھے۔ باوجود اسکے کہ ان لوگون کی بزدلی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اورنگ زیب کے درباروالون مین ابتک پُرانے وحشی مغلی خون کا جوش اسقدر باقی تھا کہ وہ ان خطرناک اور ظالمانہ تماشون سے بہت خوش ہوتے تھے۔ دربار مین جو تماشے ہوتے رہتے تھے اُنمین سے اکثر جنگی ہوتے تھے۔ اور باوجود اسکے کہ مغلون کی عادتین عیش پسندی کی ہوگئی تھین اور کپڑے بھی زنانے ہی سے پہننے لگے تھے تاہم اب بھی اُنمین بہادری اپنی جھلک دکھا جاتی تھی۔ اور شکار کی شائق تو اِس قوم سے شاید ہی کوئی قوم رہی ہو۔

جہانگیر اور شاہجہان کے رنگیلے زمانے مین حسین حسین لڑکیان شاہی جشنون مین بہت لطف دکھاتی تھین۔ اور رنگین مزاج بادشاہ آدھی آدھی رات تک اُنکا ناچ اور کرتب دیکھنے کے واسطے جاگتے رہتے تھے۔ مگر اورنگ زیب تو زاہد خشک تھا۔ اُسکے حساب ناچ دیکھنا اور بُت پرستی کرنا برابر تھا۔ اُسنے ناچ گانے کو جڑ بنیاد سے مٹا دینے کی بہت سخت کوشش کی۔ اور رسول مقبول کی ہدایت کے بموجب عمل کیا کہ رسول ممدوح کو خود موسیقی سے شوق نہ تھا اور بلا تامل اُسکی نسبت یہ ارشاد فرمایا تھا کہ راگ شیطانی فعل ہے۔ ہندوستان کے موسیقی پیشہ والون کی زندگی فی الواقع ایسی تھی کہ وہ اورنگ زیب سے کھرے مزاج کے آدمی کے موافق نہ ہو سکتی تھی۔ اور ان کے طائفون مین تہذیب کا نام نہ تھا۔ بادشاہ نے انکو تباہ کرنے کی ٹھان لی اور ایک بہت سخت فرمان جاری کر دیا۔ پولیس والے ان کی جمی جمائی مجلسون کو منتشر کرنے لگے اور طبلے سارنگی جلا دیے گئے ایک دن جمعہ کو اورنگ زیب مسجد مین نماز پڑھنے جاتا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک جنازہ جا رہا ہے اور بہت سے گویّے اسکے پیچھے پیچھے

بڑے زور وشور سے ماتم کرتے اور کہرام مچاتے چلے جاتے ہین۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے شہزادے کو دفن کرنے جارہے ہین۔بادشاہ نے دریافت کرنے کو آدمی بھیجے۔عرض کیا کہ یہ موسیقی کا جنازہ ہے جہان پناہ کے حکم سے موسیقی قتل ہو گئی اُسکی اولاد اُسکے واسطے ماتم کرتی ہے۔اورنگ زیب نے بہت متانت کے ساتھ کہا" مجھے ان لوگون کی نرم دلی بہت پسند آئی۔بہتر ہو گا کہ اس کمبخت کو بہت گہری قبر مین دفن کیا جاے کہ پھر اسکی آواز نہ سنائی دے"۔ سرداروں اور امیرون کے محلون مین تو جلسے ہوتے ہی رہے مگر دربار سے اسکا چرچا بالکل اُٹھ گیا۔بادشاہ نے موسیقی پیشہ لوگون کو راہ راست پر لانے کی کوشش بلیغ کی اور جو لوگ راہ راست پر آگئے اُنکے وظیفے مقرر کرکے اُنکی عزت بھی بڑھائی۔

معمولی طور سے روز کے جلسون مین جب جشن کا زمانہ نہین ہوتا تھا تب بھی دربار عام خاص مین بہت رونق ہوتی تھی۔کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ بادشاہ جھروکے پر نہ آئے۔اُمرا نیچے استادہ ہوتے تھے۔اور عوام کا مجمع میدان مین ہوتا تھا۔سب اپنی اپنی فریادین

اور عرض معروض جہان پناہ کے حضور مین کرتے تھے اور زوداد انصاف پاتے تھے۔ معمولاً دربار دو گھنٹے ہوتا تھا۔ اسی عرصہ مین شاہی خاصہ کے گھوڑے اصطبل سے نکالکر میدان مین لائے جاتے تھے اور ایک مقررہ تعداد اُنکی ہر روز ملاحظۂ شاہی سے گزرتی تھی۔ ہاتھی نہلائے جاتے تھے رنگے جاتے تھے۔ جسم پر کالک لگائی جاتی تھی اور مستک پر دو لال لکیرین بنادی جاتی تھین۔ پھر کارچوبی جھولین پنھاکر اور زیور اور چاندی کی زنجیرون اور گھنٹون سے آراستہ ہوکر عالم پناہ کے سامنے آتے تھے۔ اور اپنے مہاوتون کی بولی اور اشارہ پر سونڈ اُٹھاکر تسلیم بجالاتے تھے۔ شکاری کتے باز شکاری چیتے گینڈے بھینسے اور لڑائی کے ہرن باری باری سے ملاحظۂ شاہی سے گزرتے تھے۔ مُردہ بھیڑون پر شمشیر آزمائی ہوتی تھی اور سرداروں کی فوجونکا جائزہ لیا جاتا تھا۔

"مگر یہ سب باتین بڑے بڑے اہم کامون کا پیش خیمہ ہوتی تھین۔ بادشاہ یہی نہین کرتا کہ بہت توجہ کے ساتھ اپنے سوارونکا جائزہ لیتا ہے بلکہ جب سے لڑائی ختم ہوئی ہے ایک بھی سوار یا سپاہی

ایسا نہین ہے جسے اُسنے بچشم خود نہ دیکھا ہوا ور جس سے وہ بذات خاص واقف نہو کسی کی تنخواہ مین اضافہ کرتا ہے کسی کی تنخواہ کم کرتا ہے کسیکو بالکل موقوف کردیتا ہے دربار عام خاص مین جو عرضیان گزرتی ہین وہ بادشاہ کے سامنے آتی ہین اور پڑھکر سنائی جاتی ہین اور عرضی دینے والونکو سامنے آنے کا حکم ہوتا ہے۔ پھر بادشاہ خود اُنسے حال پوچھتا ہے اور اکثر اُسی وقت مظلوم کی داد کو پہونچتا ہے۔ ہفتہ مین ایکدن دو گھنٹہ تک عرضیان ایسے اشخاص کی خاطر مین پیش ہوتی ہین جنکو ایک دولتمند ضعیف آدمی نیچے درجہ کے لوگونین سے منتخب کرلیتا ہے۔ اور ایکدن ہر ہفتہ مین بادشاہ برابر دو قاضیونکو لیکر اپنے دار القضا مین آتا ہے۔ ان باتونسے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ ہملوگ ایشیائی بادشاہونکو وحشی سمجھتے ہین تاہم وہ لوگ اُس انصاف گستری سے غافل نہین رہتے جو اُنکی رعایا کا حق ہے*"

کچھ دربار عام خاص ہی کے ساتھ بادشاہ کی روزانہ ملاقاتون کا خاتمہ نہین ہوجاتا تھا۔ شام کیوقت سب سردارونکو غسلخانہ مین حاضر ہونیکا حکم تھا۔ یہ ایوان عام خاص کے پیچھے ایک چھوٹے خلوتخانہ کے طور پر بنا ہوا ہے

---

* منقول از وقائع سیاحت ڈاکٹر برنیر۔

مگر آراستگی مین ایوان مذکور سے کم درجہ کا نہین ہے۔ یہان بادشاہ کے
دربار والے پھر جمع ہوتے تھے۔ افسرون سے ملاقاتین ہوتی تھین اُنکی عرائض
سُنی جاتی تھین اور اہم معاملات سلطنت پر غور ہوتا تھا۔ ان ملاقاتون
بھی آداب و مراسم کا لحاظ ویسا ہی ہوتا تھا جیسا صبح کے وقت ہوتا تھا
مگر فوج کے جائزہ کی گنجایش نہوتی تھی۔ صرف وہ ● جو پہرہ پر مامور
ہوتے تھے بادشاہ کے سامنے ہٹتے بنتے تھے۔ اور لوازم شاہی وماہی مراتب
یعنی چاندی کی مچھلی نہنگ شیر بر دست اور میزان جن سے مختلف
کارہاے شاہانہ کا اظہار ہوتا تھا لیے رہتے تھے۔

دربار عام خاص کے ایوان کے قریب شاہی مسجد تھی جسکے برج سُنہری
تھے۔ اورنگزیب وہ اسی مسجد مین نماز پڑھتا تھا۔ جمعہ کے دن بڑی شان
وشوکت کے ساتھ جامع مسجد مین جاتا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر شاہجہان نے
اپنے تخت سے علحدہ ہونے سے کچھ ہی پہلے ختم کی تھی۔ یہ مسجد ایک ●نگی چبوترہ
پر نواح محلی مین ایک وسیع چوراہہ پر واقع ہے۔ جلوس نکلنے سے پہلے سڑکون پر
چھڑکاؤ ہوجاتا تھا اور سپاہی رستہ صاف کرتے جاتے تھے۔ ایک رسالہ
سوار ونکا آگے آگے ہوتا تھا اُس سے معلوم ہوجاتا تھا کہ اورنگزیب کی آمد آمد ہے

نورانی بادشاہ بھی سامنے آجاتا تھا۔ اُسکے سر پر چتر شاہی لگا ہوتا تھا اور زیور سے
آراستہ ہاتھی پر آٹھ کہاروں کے قیمتی چمکدار تامجان پر سوار ہوتا تھا۔ اور پیچھے
پیچھے سردار اور افسران دربار اور عصا بردار گھوڑوں یا پالکیوں پر آتے تھے

برنیر آخر میں لکھتا ہے کہ "اگر ہم اس ہندوستان کے دارالسلطنت کا جائزہ
لیں اور اسکی عظیم [illegible]ست اور بیشمار دوکانوں کو دیکھیں اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی
خیال کریں کہ علاوہ امرا کے اس شہر میں فوج کی تعداد بھی پینتیس ہزار سے
کم نہیں ہے اور قریب قریب سب فوج والوں کے بیوی بچے اور بہت سے
نوکر ہیں جو مثل اپنے مالکوں کے الگ الگ مکانوں میں رہتے ہیں اور علم ہے
سے کہ کہیں کوئی ہو کوئی مکان ایسا نہیں ہے جسمیں عورتیں اور بچے نہ بھرے
ہوں اور اُن اوقات میں جب گرمی اسقدر کم ہو جاتی ہے کہ لوگ باہر
نکل سکیں سب سڑکیں باوجود اسکے کہ بہت وسیع ہیں اور باوجود اسکے کہ
گاڑیاں بہت کم چلتی ہیں آدمیوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں ہمکو اس مسئلہ
رائے دینے میں تامل ہوتا ہے کہ دہلی کی آبادی پیرس کی آبادی کے
مقابلہ میں کم ہے یا زیادہ۔ میری رائے میں اگر اس شہر کی آبادی ہمارے
دارالسلطنت سے کچھ کم بھی ہوگی تو برائے نام ہی کم ہوگی"

چھٹا باب

سلطنت

پُرانے سیاحون کی اصطلاح مین جن لوگون کو ترک کہتے تھے اُنمین سے کسی کی تعلقات کافرون اور رافضیون کے ساتھ ایسے نازک اور مشکل نہین ہوے جیسے کہ مغل اعظم کے۔ اسی سترھوین صدی مین قسطنطنیہ کے سلطان اعظم کو ہنگری اور یونان مین اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ کچھ دقتین ضرور پیش آئی تھین۔ مگر اورنگ زیب کو تو ایسی رعایا پر حکمرانی کرنی تھی جنمین سے تین چوتھائی کو وہ کافر کہتا تھا۔ اور پھر طرہ یہ کہ حکمرانی بھی اُن افسرون کی مدد سے کرنی تھی جو ایک کٹّے سُنّی کے اعتقاد کے مطابق پورے رافضی تھے۔ اُسکی رعایا کا بہت بڑا حصہ ہندوون کا تھا۔ اُسکے باپ کے عمدہ ترین گورنر اور سپہ سالار شیعہ نسل کے ایرانی تھے۔ اور اورنگ زیب باوجود اپنے تعصب کے خوب سمجھتا تھا کہ بغیر اِن آزمودہ کار افسرون کے کام چلانا دشوار ہے۔ خصوصاً

ایسی حالت مین کہ ہندوون کے بڑے بڑے بُڈھہ لوگون کو سر کرنا
مقصود ہو - کسان بچارے تو خود ہی پامال ہو چکے تھے وہ اورنگزیب
کو بھلا کیا ستاتے - مگر ہندو سردار اور راجپوت نسل کے بیشمار راجہ
جو سلسلہ کوہ اراولی کے پہاڑی قلعون اور ہندوستان کے بڑے
ریگستان مین مسکن پذیر تھے اُنسے تخت سلطنت کو ہمیشہ خطرہ لگا رہتا
تھا - اِس ملک کے راجاؤن کی تعداد سَو سے اوپر تھی اور بعض بعض
ایسے تھے کہ بیس ہزار سوار لیکر لڑنے کو مقابل ہو جاتے - یہ لوگ
شمالی ہندوستان کے ہندوون کی طرح نازک نہین تھے - بڑے لڑنیوالے
بڑے جانباز - عزت اور قوم کے واسطے جان دیدینے والے - اپنے
حق اور اپنے سردارون کے واسطے سوا فتح کرنے اور مرجانے کے
اور کچھ نہ جانتے تھے - جسنے یہ تماشا دیکھا ہو کہ کسطرح راجپوت لوگ
بھنگ کی ترنگ مین مست اور ہلدی کے نارنجی ٹیکے لگائے ہوے
جان سے ہاتھ دھو کر میدان مین گھس پڑتے تھے اور غنیم پر حملہ کرتے
تھے وہ کبھی اسکو بھول نہین سکتا - اگر یہ راجہ اپنی فوجون کو متفق کر لیتے
تو غالب ہے کہ کوئی مغلی فوج دیرتک انکے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتی

مگر سلطنت کی خوش نصیبی سے یہ لوگ آپس کی پھوٹ کی وجہ سے
کمزور ہوگئی تھی اور اورنگ زیب سا شخص اس کمزوری سے فائدہ
اٹھانے مین کب چوکنے والا تھا۔ وہ ایک کو دوسرے سے بھڑائے
رکھتا تھا۔ علاوہ اسکے اکبر کے صلح کل مزاج کے باعث اور نیز اُسکے
لڑائیون مین فتحیاب رہنے کی وجہ سے راجپوت سردار بہت کچھ مسلمانون
کے حامی ہو گئے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ مین بہت کم مثالین اس
سے زیادہ سبق آموز ہونگی کہ اکبر کی عاقلانہ اتفاق پسندی کے باعث
ہندو سردار کس طرح اُس سے ملکر رہے۔ ٹوڈرمل ہندو ہی تھا جسنے
بنگالہ کو زیر کر کے تخت شاہی سے وابستہ کیا اور پھر سلطنت کا مالی
انتظام درست کیا۔ ہندو سپہ سالار اور برہمن شاعر اکبر کی فوجون کی
سپہ سالاری کرتے تھے اور بعض بعض بڑے بڑے صوبون کی حکومت
بھی اُن ہی کے سپرد تھی۔ جہان تعلیم کی ضرورت تھی وہان سب
محکمون مین ہندو ہی لوگ زیادہ تر محرری کا کام کرتے تھے۔ اور
راجپوت ہی لوگ اسکی فوج کے دست و بازو تھے۔ ہر مغل بادشاہ سے
حتی کہ اورنگزیب سے کٹے مسلمان نے بھی اکبر کی اس حکمت عملی پر

عمل درآمد جاری رکھا کہ راجپوت رانیون سے شادی کرے اور
اپنے لڑکون کے واسطے راجپوت بہوئین بیاہ کرلائے - اس سے
رانیون کے دھرم کا جو نقصان ہوتا تھا وہ ظاہر ہی ہے راجپوتی
غرور کو بھی اس سے بہت صدمہ پہونچتا تھا - مگر ساتھ ہی اسکے
ان تعلقات سے جو فوائد مترتب ہوتے تھے اُنسے بہت کچھ تلافی
بھی ہو جاتی تھی (اور اسمین شک نہین کہ بالآخر یہ فائدہ ضرور رہوتا
تھا کہ ہندوستانی سردارون کے تعلقات تخت شاہی کے ساتھ
بہت مستحکم ہو جاتے تھے -

دکن والے فرقے تو درکنار راجپوت اور پٹھان اور ایرانی
یہ سب فرقے بھی ایسے تھے کہ انپر حکمرانی کرنے مین اورنگ زیب کو
دانتون پسینا آتا ہوگا - چنانچہ اُسکا پہلا کام بغرض حفاظت خود اختیاری
یہ تھا کہ اسقدر فوج اپنے تحت مین جمع کرلے کہ ہر ایک فرقہ بجائے خود
مرعوب ہو کر بغاوت سے باز رہے - اسمین شک نہین کہ اورنگ زیب
یہ بھروسہ ضرور کر سکتا تھا کہ اسکے رفیق راجا اپنے جانباز سوار ڈنکو
لیکر دکن کی شیعہ سلطنت کے مقابلہ مین اُسکا ساتھ دین گے یا

افغانستان کے مقابلہ مین ساتھ رہین گے یا اپنے راجپوت بھائیون
کے مقابلہ مین بھی مدد کرینگے مگر شرط یہ تھی کہ شاہی کام ایسا ہو کہ
راجپوتون کے آپس کے جھگڑون کے متناقض نہ پڑے پٹھانون
یا ہندوون سے لڑائی ہو تو اورنگ زیب یہ بھروسہ کرسکتا تھا کہ
میرے ایرانی افسر میرا ساتھ دینگے - لیکن اگر اُنکے ہم مذہب دکن
والے شیعون سے جنگ ہو تو ہرگز انکی رفاقت پر اعتماد نہین ہوسکتا
تھا - اُسکو ایسی فوج کی ضرورت تھی جو اُسکی ذات خاص سے بلا کسی
غیر کے وابستہ ہو - اُسے ایسی فوج کی ضرورت تھی جسکے سپاہی صلہ
ملنے اور ترقی درجات پانے کی اُسی سے امید رکھین بلکہ اُسی کو
اپنی روزی کا سہارا سمجھین - اورنگ زیب نے سمجھ لیا کہ یہ ترکیب
اسی طرح بن آئے گی کہ اکبر کے جاگیر ہی طریقہ کو پھر زندہ کر دے -
جسطرح خلفائے عباسیہ کو امن و عافیت اور استحکام سلطنت اس
طریقہ سے نصیب ہوا تھا کہ اُنھون نے اپنے صوبون کے حاکم عرب
فرقون کے سرکش سردارون مین سے منتخب نہین کیے تھے بلکہ اپنے
ہی خرلوگون مین سے مقرر کیے تھے جو کچھ بڑے خاندان والے تھے

اور اپنے آقاؤن کے ساختہ و پرداختہ ہونے کے باعث اُنکے
فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھتے تھے اسی طرح مغل بادشاہون نے یہ کوشش
کی کہ اپنی ذات خاص سے چند ایسے لوگون کو وابستہ کرلین جو
کچھ خاندانی نہون بلکہ پہلے شاید غلام ہی رہے ہون اور جاہل
محض ہون اور یہ جو اپنی دولت و اقبالمندی کو عطیہ شاہی سمجھین
اور جنپر بادشاہ کو یہ اختیار حاصل ہو کہ جب جی چاہے عروج
پر پہونچا دے اور جب مزاج مین آئے خاک مین ملادے۔
یہ لوگ منصب دار کہلاتے تھے کیونکہ انھین سے ہرایک کو بادشاہ
کی طرف سے کچھ آمدنی نقد یا اراضی کی صورت مین ملتی تھی۔ مغلی
جاگیر یعنی منصب دار کے علاقہ کا حال بجنسہ عثمانی تمرداروں کی
ترکاسا یا مصری ملوکون کی ملک کا سا تھا۔ منصبون کے درجے
عام اس سے کہ وہ نقدی کے ہون یا اراضی کے بڑی احتیاط سے
مقرر کیے گئے تھے۔ اور جسطرح روسی تعلقداروں مین بہت سے
درجے ہوتے ہین اسی طرح منصبداروں کے بھی بہت سے
درجے رکھے گئے تھے۔ ان درجون مین امتیاز اسطرح پر رکھا گیا تھا کہ

مختلف درجہ والے مختلف تعداد کے گھوڑے اپنے پاس رکھتے
تھے۔ چنانچہ بعض پنجصدی تھے بعض یکہزاری بعض پنجہزاری
اور بعض دوازدہ ہزاری بھی۔ یکہزاری سے لیکر اوپر کے درجہ
والے امیر کہلاتے تھے کہ جسکی جمع اُمرا ہے۔ یورپین سیاحوں
کے سفرناموں مین اکثر اُمرا کا تذکرہ ہے۔ انکو اُن لوگوں نے
سردار بھی لکھا ہے۔ یہان یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ
سرداری محض سرکاری ہوتی تھی اور اُسکو خاندانی یا موروثی
علاقون سے کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا۔ مگر پنجہزاری امیر سے وہی
امیر مراد نہ ہوتا تھا جسکے پاس پانچ ہزار گھوڑے ہون حالانکہ
اصل مین اس سے مراد یہی رکھی گئی تھی۔ یہ خطاب محض اعزاز
کے لیے ملتا تھا اور جتنے سوار ہر امیر کو رکھنے ہوتے تھے اُنکی تعداد
بادشاہ خود مقرر کردیتا تھا۔ پنجہزاری امیر کو بعض اوقات صرف
پانسو سوار رکھنے کا حکم ہوتا تھا۔ باقی محض کاغذی کارروائی
تھی۔ فی الواقع جتنے گھوڑون کا منصب ہوتا تھا اُس سے
کہین کم تعداد کے گھوڑے رکھے جاتے تھے۔ اور غلط نقشے

فوج کی تنخواہین برآمد کرنے کو بھیجے جاتے تھے اور کبھی کبھی سوارونکی
تنخواہین کاٹ بھی لیجاتی تھین - اسطرح منصبداروں کو آمدنی کثیر
ہوتی تھی - پھر بھی دربار کے خرچ اور امیرون کے فضول کارخانون اور
نوکر چاکرون کے رکھنے کی وجہ سے اور نیز اُن بیش بہا تحایف کی
وجہ سے جو سالانہ جشنون مین بادشاہ کو پیشکش کرنے ضروری تھے
یہ سب آمدنی خالصے لُٹ جاتی تھی اور یہ لوگ بہت مقروض رہتے
تھے - برنیر کے زمانے مین پچیس تیس اونچے درجے کے منصبدار
برابر دربار مین موجود رہتے تھے جو یکہزاری سے لیکر دوازدہ ہزاری
درجہ تک کی تنخواہین برآمد کرتے تھے - مفصلات و صوبجات کے منصبدارون
کی تعداد مذکور نہین ہے مگر ضرور کثیر ہوگی - علاوہ انکے یکہزاری سے کم
درجے کے منصبدار تو بیشمار تھے - انمین سے کم سے کم دو تین سو برابر
حاضر دربار ہوتے تھے - ان ادنی درجہ والون کو ڈیڑھ سو سے سات
روپیہ تک ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور دو سے لیکر چھ گھوڑے تک رکھتے
تھے - انکے نیچے روزینہ دار ہوتے تھے جنکو روزانہ تنخواہ ملتی تھی اور
محرر اور منشی کا کام کرتے تھے - امیرون اور منصبدارونکے سوارون کی

تنخواہ بحساب پچیس روپیہ ماہوار فی اسپ ہوتی تھی مگر ہمیشہ اپنے مالکون سے پوری تنخواہ نہ پاتے تھے۔ معمولاً ایک ایک سوار کے پاس دو دو گھوڑے ہوتے تھے اور ایک گھوڑے والا سوار لنگڑا سمجھا جاتا تھا۔

امیرون اور نیز چھوٹے منصب دارون کی جاگیرون اور اراضیات کا برقرار رکھنا نہ رکھنا بادشاہ کی خوشی پر منحصر تھا۔ جب منصب دار مرجاتا تھا تو قانون رائج الوقت کے مطابق اُسکا خطاب اور جائداد سب بحق سرکار ضبط ہوجاتی تھی۔ اور اُسکے بیوی بچون کو ازسرنو اپنے پیٹ کی فکر کرنی پڑتی تھی۔ عام طور سے تو یہی ہوتا تھا کہ بادشاہ منصب دار متوفی کی زبردستی جمع کی ہوئی دولت مین سے کچھ گزارہ اُسکے متوسلین کے واسطے مقرر کردیتا تھا۔ اور منصب دار لوگ اکثر اپنے جیتے جی اپنے بیٹون کے واسطے بھی جاگیر مقرر کرا لیتے تھے۔ جو امیر یا اُنکے وارث بہت ہوشیار ہوتے تھے وہ اپنی دولت کو خوب چھپاتے تھے اور اس شاہی قانون کا منشا کہ متوفی کے مال کی سرکار مالک ہوگی بالکل فوت ہوجاتا تھا۔ اور یہ مسئلہ حل طلب ہے

کہ جس طرح اورنگ زیب نے اپنی تحریرون مین اس نامعقول اصول
کی بُرائی کی ہے کہ جاگیردار کی جاگیر بحق سرکار ضبط ہو جاے اور
اُسکے وارث محروم کردیے جائین اُسیطرح وہ عمل درآمد مین بھی اسپر
کاربند تھا یا نہین - بہرحال منصب دارون کی تنخواہ دار فوج کی
نگرانی کے شاہی ہاتھون مین رکھنے کا جو مقصود تھا وہ منصب کی
ناپائداری سے بخوبی حاصل ہو جاتا تھا -

مغلی تنخواہ دار فوج کا بڑا حصہ تو وہی سوارون کی فوج تھی جو
امیرون اور چھوٹے درجہ کے منصب دارون اور اُنکے ساتھیون
کے پاس رہتی تھی - راجپوت راجاؤن کی فوج کو بھی ملا لیجیے کہ انکو
بھی شاہی خزانہ سے مدد خرچ ملتا تھا تو کام کے سوارون کی تعداد
برنیر کے زمانہ مین (۱۶۵۹-۱۶۶۶ء) دو لاکھ تھی - اسمین سے شاید چالیس
ہزار سوار خود بادشاہ کے پاس رہتے تھے - باقاعدہ پیدل فوج
کچھ زیادہ کام کی نہ تھی - بندوقچی اُسی حالت مین خاصی طور پر فیر
کرسکتے تھے کہ ہموار زمین پر اپنی بندوقون کو اُس لکڑی کے اوپر
ٹیک لیتے جو بندوقون مین لگی ہوئی تھی - اِن لوگون کو اپنی ڈاڑھی کے

جل جانے اور بندوق کے پھٹ جانے کا بڑا خوف رہتا تھا۔
دارالسلطنت مین تقریباً پندرہ ہزار بندوقچی رہتے تھے۔ علاوہ اسکے
بہت سے صوبجات مین رہتے تھے۔ مگر لشکریون اور سائیسون
اور سودے والون اور نوکرون کو (جو برابر فوج کے ساتھ لگے
رہتے تھے) ملاکر پیدل فوج کی تعداد دو تین لاکھ کی معلوم ہوتی
تھی۔ مگر سوا فوج والون کے اور سب آدمی تو ظاہر ہے کہ فضول
ہی ہوتے تھے۔ اِن سب لوگون کو کسی نہ کسی طریقے سے روپیہ
ضرور ہی ملتا تھا۔ اور چونکہ مغل فوج مین بہت کم سپاہی ایسے ہوتے
تھے جنکے ساتھ اُنکے بیوی بچون اور رشتہ دارون کا جھگڑا نہ ہو اسلیے
قیاس یہ ہوتا ہے کہ شاہی خزانہ کی آمدنی کا کثیر حصہ فوج ہی کھاجاتی
ہوگی۔ ایک مختصر سا دستہ توپخانہ کا بھی تھا۔ تھوڑی سی توپین بھاری
تھین اور تھوڑی سی ہلکی بھی تھین جو اونٹون پر چلتی تھین۔

اِدھر تو بادشاہ نے اِس طریقہ سے کہ تنخواہ یا جاگیر کے عوض
مین جنگی خدمت لیجاتی تھی فوج اور اُمرا کی نگرانی اپنے دست
خاص مین رکھی تھی اُدھر مالی انتظام بھی اسی اصول کے مطابق

ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ صوبجات کے انتظام مین جنگی اور مالی
کام دونون ملے جلے ہوتے تھے۔ منصب اور جاگیر کا طریقہ ساری
سلطنت مین جاری تھا۔ صوبون کے حاکم منصب دار ہوتے تھے
اور بجاے تنخواہ کے اُنکو معافیان عطا ہوتی تھین کہ اُنسے اپنے علاقہ
اور فوج کو قائم رکھتے تھے اور صرف پانچوان حصہ مالگزاری کا شاہی
خزانہ مین داخل کرتے تھے۔ سارے ملک کی اراضی ایسے جاگیردارون
مین تقسیم ہوگئی تھی اور یہ لوگ اپنے اپنے علاقون مین سولھون آنہ
کے مالک ہوتے تھے اور غریب کسان جو اُنکی زمین کو جوتتے بوتے
تھے اُنکے واسطے جہانتک بن پڑتا تھا ایک کوڑی بھی نہ چھوڑتے
تھے۔ البتہ شاہی اراضیان اِس طریقہ سے مستثنی تھین۔ انکا ٹھیکہ
ٹھیکہ دارون کو دیدیا جاتا تھا۔ ان ٹھیکہ دارون مین بھی سارے
عیوب بھرے ہوے ہوتے تھے مگر منصبدارون کا سا اقتدار اُنکو
حاصل نہ تھا۔ مغلون کی حکمت عملی ہمیشہ سے یہ رہی کہ جاگیردارون
کا تبادلہ ایک جاگیر سے دوسری پر کرتے رہین تاکہ ایک مقام خاص
مین قابو یافتہ اور صاحب مقدور نہ ہو جائین۔ اور اسکے نتیجے

ویسے ہی خراب ہوے جیسے ملک روم مین ناپایدار تقرزون سے
ہوتے ہین۔ ہر حاکم صوبہ یا جاگیردار یہ چاہتا تھا کہ جہانتک بن پڑے
اپنے صوبے یا جاگیر سے روپیہ جمع کرلے تاکہ جب وہان سے علحدہ
ہو کر دوسری جگہ بھیجا جاے یا علاقہ سے محروم ہوجاے تو خالی ہاتھ
نہ ہو اور کچھ سرمایہ رکھتا ہو۔ بیرونجات کے اضلاع مین ان لوگونکو
ہر طرح کا سیاہ سفید کا اختیار ہوتا تھا۔ انکے ظلم کی فریاد سواے
بادشاہ کے اور کوئی نہ سُن سکتا تھا۔ اور یہ لوگ اسکا پورا بندوبست
رکھتے تھے کہ انکی کارروائیون کی اطلاع دربار تک نہ پہونچے۔
ہر مقام کے قاضی وہان کے حاکم کے چیلے ہوتے تھے اور شاہی
نگران کارون کو روپیہ دیکر اُنکا مُنھہ بند کردیا جاتا تھا۔ دہلی یا آگرہ
یا اَور کسی بڑے شہر کے قریب ایسے ظلم اور بداعمالیان مشکل سے
چھپ سکتی تھین اور اورنگ زیب چونکہ انصاف پسند تھا اسلیے
مخبر ہونے پر وہ ان بدکرداریون کی سزا بھی قرار واقعی دیتا۔ مگر جو
حصے سلطنت کے دور دراز واقع تھے وہان منصبدارون نے
علی الزعم محتسب اپنے ظلم اور لالچ سے اندھیر کر رکھا تھا۔ کسان اور

مزدوری پیشہ لوگ اور نیز اچھی حالت والے دوکاندار اپنی تھوڑی سی
پونجی کے چھپانے کے واسطے ہر طرح کی احتیاطین کرتے تھے اور
ہمجنسون مین اپنا اعزاز بڑھانے کی خواہش کو اپنے دلون ہی
مین گھونٹ کر رکھتے تھے۔ اکثر یہ لوگ نکال دیے جاتے
تھے اور پاس کے کسی مقام مین جا کر پناہ لیتے تھے۔ یا کسی ہندوستانی
راجہ کی نوکری کر لیتے تھے جو اپنے مذہب کے آدمیون کے ساتھ بہ نسبت
ان مسلمان ظالمون کے کسیقدر رحمدلی کے ساتھ پیش آتا تھا۔

غرض اورنگزیب کے زمانہ مین سلطنت مغلیہ کے انتظام کی یہ حالت تھی۔
اصول تو اسکا اب بھی وہی تھا جو اکبر کے زمانہ مین تھا مگر فرق اسقدر تھا
کہ ادنی درجہ کے غیر تعلیم یافتہ مسلمان اہلکار رکھے جاتے تھے اور لائق
ہندوون کو بالکل دخل نہ رہا تھا۔ اور مقامی نگرانی اور دریافت حال کا
جو انتظام تھا وہ بالکل ناکافی تھا۔ اورنگزیب اپنی ذات سے اس
بات کی کوشش ضرور کرتا تھا کہ وہ راستبازی کے ساتھ فرمانروائی کرے
مگر یا تو اسکو یہ ڈر تھا کہ مبادا سخت نگرانی سے میرے ماتحت سردار ناراض
ہو جائینگے یا یہ بات تھی کہ اسکو وفادار اور دیانت دار نگران کار ملنی

نہ سکتے تھے۔ بہرحال باعث اسکا چاہے جو کچھ ہو حقیقت یہ ہے کہ
سلطنت کے بڑے مقامات کا انتظام تو اسلامی قانون کے مطابق
پورے پورے انصاف اور دیانت کا تھا مگر مفصلات مین عام طور
سے ابتری تھی اور ظلم کا بازار گرم تھا۔ سلطنت عثمانیہ کی نسبت کہا جاتا
ہے کہ وہ مثل ایک لشکر کے ہے۔ ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کی
نسبت کیا مالی کیا جنگی دونون انتظامون کے لحاظ سے یہ کہنا پڑتا ہے
کہ اسکی مثال ایک قبضہ کر لینے والی فوج کی سی ہے۔ جیسا کہ برنیر لکھتا
ہے وہ مغل اعظم ہندوستان مین اجنبی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ مین ایسے
ملک مین ہون جو میرا دشمن ہے یا دشمن کے برابر ہے۔ اور ملک ایسا
ہے کہ جسمین سیکڑون ہندو ہین تو ایک مغل یا یون کہیے کہ ایک مسلمان۔
یہی وجہ تھی کہ اسکو بڑی بڑی فوجین رکھنی پڑتی تھین۔ جاگیردار اور
حاکم ایسے مقرر کرنے پڑتے تھے جو عزت اور مدد کے لیے اسی کے محتاج
ہون۔ یہی وجہ تھی کہ اُسنے انتظامی حکمت عملی ایسی رکھی تھی کہ جسکے
باعث تھوڑے سے مسلح لوگون کی برتری قائم رکھنے کے واسطے رعایا
کی بہبودی نظرانداز ہوتی تھی۔ وہ تو پہلے سے رعایا ہندو تھی کہ ہندو

علم کے عادی ہو گئے تھے اگر کوئی اور قوم ہوتی تو یہ نظام بگڑتا پر بگڑتا۔ بہرحال چواس حالت پر بھی اندرونی امن قائم تھا اور ماخواس نازک اور دراز سلطنت مین بادشاہ کے اختیارات بدستور رہے۔ ان پچاس برس مین ہنگامے اور بغاوتین بہت کم ہوئین۔ جو کچھ لڑائیان ہوئین وہ حصول مملکت کے واسطے سلطنت کے باہر کے ملکون مین ہوئین یا اس باعث سے ہوئین کہ بادشاہ نے جان بوجھکر اپنی سختی سے اُنکو مول لیا۔

بیرونی لڑائیان تاریخی اعتبار سے کچھ زیادہ قابل یادگار نہین۔ میر جملہ کی آسام والی خطرناک لڑائی اُن بہت سی کوششون کا پیش خیمہ تھی جو ہندوستان کے شمالی و مشرقی پڑوسیون کے زیر کرنے کے واسطے کی گئین۔ بارش اور غنیم کی بندرون کی سی چالاکی نے مغل فوج کے دانت کھٹے کر دیے اور مایوسی ہو گئی۔ اور اُسکا بہادر سپہ سالار دلیسی پر ۱۶۶۳ء کے موسم بہار مین جان بحق تسلیم ہوا۔ اورنگ زیب نے میر جملہ کے بیٹے سے کہا تھا کہ "تم ایک شفیق باپ کا ماتم کرتے ہو اور مین اپنے سب سے زیادہ طاقت والے

اور سب سے زیادہ خطرناک دوست کا ماتم کرتا ہون"۔ اراکان کی
لڑائی کا نتیجہ البتہ دیرپا ہوا۔ اس سلطنت سے بنگالہ ہمیشہ معرض خطر
مین رہا کرتا تھا اور دریاے گنگ کے دہانے کے تاجرون کو اکثر
یہان والون سے اندیشہ رہتا تھا اور نقصان بھی پہونچتا تھا۔
ہر قسم کے مجرم گوآ اور سراندیپ اور کوچین اور ملاکا سے چاٹگام مین
جاکر جمع ہوتے تھے انمین سے اکثر پرتگالی یا دوغلی نسل کے ہوتے تھے
چاٹگام مین بادشاہ اراکان ان لوگونکو اپنے خوفناک پڑوسیون یعنی مغلون
کے خلاف اپنا رفیق سمجھکر خوشی خوشی رہنے کی اجازت دیدیتا تھا۔ ان لوگون
نے تھوڑے ہی عرصہ مین دریائی ڈاکوونکا کاروبار شروع کردیا۔ وہ چھوٹے
چھوٹے جہازون مین سوار ہوکر آس پاس کے سمندر مین لوٹ مار
شروع کردی۔ دریاے گنگ کی بیشمار شاخون مین گھس پڑے
اور بنگالہ کے نیچے کے حصہ کے جزیرون کو تاخت وتاراج کرڈالا۔
اور اکثر اوپر کے ملک مین سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو کوس تک چڑھے
چلے گئے اور کسی گانون پر بیخبر ٹوٹ پڑے اور سب گانون والونکو
پکڑلے گئے۔ یہ غارتگران بدنصیب قیدیونکو لونڈی غلام بنالیتے تھے

اور جو کچھ ساتھ نہ لیجا سکتے تھے اسمین آگ لگا دیتے تھے*۔ بنگال مین جو پرتگال والے آباد تھے وہ ان بدمعاشون کی اعانت اسطرحپر کرتے تھے کہ پورے جہاز کے جہاز لونڈی غلامون کے سستے دامون خرید لیتے تھے۔ شاہجہان نے ان لوگون کو اسکی کوای اور نیز اور بدکردارون کے پاداش مین بہت سخت سزائین دی تھین اور اُنکے شہر کو تسخیر کر کے سب پرتگالیون کو قیدی بناکر آگرہ لیگیا تھا (سنہ ۱۶۳۲ء)۔ مگر باوجود اسکے کہ اب پرتگال والون سے مدد ملنی بند ہو گئی تھی یہ دریائی قزاق برابر غارتگری پر کمربستہ رہے اور پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش کے ساتھ چاٹگام کے آگے کے جزیرہ سندیپ سے اپنی کارروائیان کرتے رہے۔ جزیرۂ مذکور مین فراجان نامی آگستینی راہب سالہاسال تک چھوٹا سا بادشاہ بنا ہوا فرمانروائی کرتا رہا۔ خدا جانے کمبخت نے کیسے اس جزیرہ کے حاکم کو نکال باہر کیا تھا۔ یہی لٹیرے تھے جو ڈھاکہ تک جہاز لے گئے تھے اور شہزادۂ شجاع کو اپنے ساتھ

---

* منقول از وقائع سیاحت ڈاکٹر برنیر۔

نکال لائے تھے اور راستہ مین چپکے ہی چپکے اسکا مال و متاع لوٹ لیا تھا
جب میر جملہ کی جگہ شایستہ خان بنگالہ کا حاکم ہوا تو اُسنے سوچا
کہ اب اسکا وقت آگیا ہے کہ ان لوگون کی دست درازیان بند
کیجائین اور شاہ اراکان کو شجاع کے ساتھ دغا بازی کرنے کی
سزا دیجائے کیونکہ ہرچند کہ شجاع رقیب تھا تاہم اورنگ زیب کا بھائی
تھا اور اُسکے ساتھ بے توقیری سے پیش آنا مناسب تھا۔ یہ بات
عجیب معلوم ہوتی ہے کہ یہ دریائی قزاق فوراً حاکم بنگالہ کی اطاعت
پر آمادہ ہو گئے۔ ڈچ لوگون نے بھی اُسکی مدد اسوجہ سے کی کہ وہ
بدل و جان اسکے آرزومند تھے کہ پرتگال والونکی گھٹتی ہوئی طاقت
بالکل ہی نیست و نابود ہو جائے۔ بہت سے لُٹیرے بڑی سخت
نگرانی مین ڈھاکہ سے چند میل نیچے کی طرف مقام فرنگی بازار مین
آباد کیے گئے کہ اُنکی نسل کے کچھ لوگ وہان آجتک آباد ہین۔
پھر شائستہ نے اراکان پر یلغار بھیجی اور اُسکو مسخر کرکے چاٹگام کا نام
بدلکر اسلام آباد رکھا۔ شائستہ خان بچارے کو کیا خبر تھی کہ خلیج بنگالہ
کی بحری قزاقی کو خاک مین ملاکر وہ آس آنیوالی سلطنت کی بہت

بڑی مدد کر رہا ہے جسکی آیندہ فتوحات کی پیشین گوئی اُس چھوٹے سے کارخانہ کو دیکھکر نہین ہوسکتی تھی جو ۱۶۴۰ء مین انگریزون نے ہگلی مین کھولا تھا۔ پرتگالیون کے زیر ہوجانے کے پورے بیس برس بعد جاب چارناک نے فوجدار کی مقامی فوجون کو شکست دی۔ اور ۱۶۹۰ء مین اورنگزیب نے جسکے خزانے کی آمدنی اِن لڑائیون کی وجہ سے تجارت اور محصولون کے بند ہوجانے کے باعث بہت کم ہوگئی تھی دریاے ستونتی کے کنارے اُسکو ایک معافی عطا کردی۔ اُسنے وہان کا جنگل صاف کراکے قلعہ بنالیا۔ یہ ابتدائی حالت تھی اُس مقام کی جو آج کالکتہ کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو عروج اُسی زمانے سے نصیب ہوا جب سے کہ مغلیہ سلطنت کو زوال ہوا۔ جب تک اورنگزیب زندہ رہا انگریزی تاجرون سے کوئی جھگڑے فساد نہین ہوے۔

ساتوان باب

آمدنی

ایک معقول سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ کو کیا ذرائع آمدنی کے حاصل تھے جن سے ایسے جلیل القدر دربار کا خرچ چلتا تھا اور امیرون اور منصب دارون کی کثیر تنخواہین دی جاتی تھین اور سلطنت کے جنگی اور مالی محکمے قائم تھے۔ مغل بادشاہون کی آمدنی کی بابت حال مین بہت بحث ہوئی ہے اسوجہ سے امید ہے کہ میرے ناظرین مجھے معذور رکھین گے اگر مین اس مضمون کو کسیقدر طوالت اور تفصیل کے ساتھ لکھون۔ بہت سے نقشے اُن سالانہ رقوم کے جو فی الواقع ہر صوبے سے خزانہ شاہی مین داخل ہوتی تھین محفوظ رہگئے ہین۔ یہ نقشے اُس زمانہ کے ہندوستانی اور یورپین لوگون کے مرتب کیے ہوئے ہین۔ اُنکی تخمینی صحت اور ایک دوسرے سے متفق ہونے مین توکوئی کلام نہین ہوسکتا۔ جو بحث ہے وہ اس بابت نہین ہے کہ یہ نقشے

اس طرح اعتبار کے قابل نہین ہین - بلکہ وہ صرف دو باتون سے متعلق ہے - اول تو یہ کہ ہندوستانی آمدنی کی مالیت بحساب سکۂ انگریزی کسقدر تھی اور دوسرے یہ کہ آیا ان نقشون مین ہر باب کی نکاسی تمام شامل ہے یا محض محصول ارضی کے نقشے ہین -

پہلی بحث تو بہت آسانی سے حل ہو جاتی ہے - جس زمانہ کے یہ نقشے ہین (یعنی ۱۵۹۴ء لغایت ۱۷۰۰ء) اُس زمانہ مین اوسط قیمت روپیہ کی بحساب سکۂ انگریزی دو شلنگ تین پنس تھی - سکہ کی حالت کے مطابق روپیہ کی قیمت مین کسی قدر کمی بیشی ہوتی رہتی تھی - اگر بہت گھسا ہوا ہوتا تھا تو شاید دو شلنگ کے برابر سمجھا جاتا تھا - اور اگر بالکل نیا اور پورے وزن کا ہوتا تھا تو دو شلنگ چھ پنس کا ہوتا تھا - مگر بہت سی تحریرون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بحساب اوسط معمولی شرح مبادلہ کی دو شلنگ تین پنس فی روپیہ تھی* - ہندوستان کے قابل مورخ ایچ جے کین صاحب نے

* بعض مشہور تخمینے حسب ذیل ہین :- ۱۶۱۶ء سر طامس رو ۲ شلنگ ۲ پنس ٹیری ۲ شلنگ سے ۲ شلنگ ۹ پنس تک - ۱۶۳۹ء منڈیلسلو [illegible] ۱۶۴۲ء

فرانسیسی سکہ لور کی قیمت غلطی سے دس پنس سمجھی اور اسکی وجہ سے

۴ ٹیورنیر ۱/۲ ایکو یا ۱/۲ ۱ لوریا ۳۰ سول جسکو ۱۶۸۴ء کے انگریزی مترجم نے ۲ شلنگ
۳ پنس کے برابر لکھا ہے ۱۶۵۹ء برنیر ۳۰ سول ۱۶۶۶ء تھیونیاٹ ۳۰
سول ۱۶۷۳ء فرائر ۲ شلنگ ۳ پنس ۱۶۸۹ء اونگٹن ۲ شلنگ ۳ پنس
۱۶۹۵ء منوکی ۳۰ سول - ایکو تین لور کے برابر ہوتا تھا اور لور کے بیس سول ہوتے
تھے ۱۶۶۳ء کا لور ٹورنواس (یعنی وہ لور جسکا برنیر و ٹیورنیر و تھیونیاٹ نے حوالہ
دیا ہے) ۹۵ء۱ فرنیک کے برابر ہوتا تھا - اور ۱۶۸۴ء کا (یعنی وہ جسکا منوکی
نے حوالہ دیا ہے) کسیقدر کم ہوتا تھا (یعنی ۸۰ء۱) - یہ حساب بیلی کی تحریر کے
مطابق ہے جیسا کہ اُسنے اپنی تاریخ آمدنی فرانس کی جلد ثانی کے صفحہ ۲۹۸
مین لکھا ہے - غرضکہ لور تقریباً ایک شلنگ چھ پنس کے برابر ہوتا تھا - یہ حساب
سر اسحاق نیوٹن کے حساب سے مطابق ہوتا ہے کہ ممدوح نے ۱۷۱۷ء مین ایکو کی قیمت
چار شلنگ چھ پنس تجویز کی تھی - جے اے بلینچٹ صاحب کی کتاب نووو مینول ڈینو
مسمیٹک (مطبوعہ سنہ ۱۸۹۰ء) جلد اول صفحہ ۲۶ بھی ملاحظہ طلب ہے - مسٹر ٹیلبو
ڈیٹورنیر و برنیر و تھیونیاٹ و منوکی نے روپیہ کو ۱/۲ لوریا ۳۰ سول کے برابر لکھا
ہے - لہذا اسکے انگریزی کے ۲ شلنگ ۳ پنس کے برابر ہوا -

اس غلطی مین پڑے کہ روپیہ کی قیمت ایک شلنگ تین پنس قرار دی۔
علاوہ اسکے کہ ہمارے پاس بیلی صاحب کی سند موجود ہے کہ اُس زمانہ
مین پورا ایک شلنگ چھ پنس کا ہوتا تھا یہ بات قیاس مین نہین آتی
کہ انگریزی سیاحون نے اپنا روپیہ دو شلنگ تین پنس فی روپیہ کی
شرح سے بدلا ہو اور اُسی زمانہ کے فرانسیسی سیاحون نے ایک
شلنگ تین پنس فی روپیہ کی شرح سے۔ ہمین پورا یقین ہے کہ جب ڈاکٹر
فرائر اور پادری جان اوونگٹن نے ۱۶۷۳ء اور ۱۶۸۹ء مین اپنا
روپیہ بدلا تو اُنکو مبادلہ مین اُسی حساب سے روپیہ ملا جس حساب
سے برنیر کو ۱۶۶۰ء مین یا منوکی کو ۱۶۹۷ء مین ملا۔ ظاہر ہے کہ
اتنے بڑے اختلاف کی کسیطرح گنجایش نہین ہے جو کین صاحب کے
فرانسیسی سکہ لور کی مالیت کے تخمینہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

ہندوستانی نقشے بحساب دام مرتب کیے گئے ہین۔ اور اسمین
کیسکو حجت نہین ہے کہ چالیس دام کا روپیہ ہوتا تھا۔ یورپین
نقشے بحساب روپیہ مرتب کیے گئے ہین۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے
ہین کہ روپیہ کی اوسط قیمت دو شلنگ تین پنس ہوتی تھی۔

بعض نقشے بحساب لور بھی مرتب ہوے ہین - لور کی قیمت تقریباً
ایک شلنگ چھ پنس ہوتی تھی - ان قیمتون کے حساب سے دام
کے روپیہ بنائے جائین اور روپیہ اور لور کے پونڈ بنائے جاتین تو
مختلف سالون کی آمدنی کی تخمینی تعداد حسب ذیل ہوتی ہے*

پونڈ

اکبر	سنہ ۱۵۹۴ء	۱۸۶۴۰۰۰۰	(ابوالفضل)
"	سنہ ۱۶۰۵ء	۱۹۶۳۰۰۰۰	(ڈی لیٹ)
جہانگیر	سنہ ۱۶۲۷ء	۱۹۶۸۰۰۰۰	(بادشاہ نامہ)
شاہجہان	سنہ ۱۶۲۸ء	۱۸۷۵۰۰۰۰	(محمد شریف)

* جن سندون کے اعتبار پر یہ نقشے بنائے گئے ہین اُنکا مفصل حال
ایڈورڈ ٹامس صاحب کے لیاقت مآب مضمون دی ریونیو ریسورسیز آف
دی مغل ایمپایر اِن انڈیا (مطبوعہ سنہ ۱۸۷۱ء) مین ملیگا - البتہ سنہ ۱۶۲۷ء و
۱۶۲۸ء کی رقمین مضمون مذکور سے نہین لی گئی ہین سنہ مسبوق الذکر کی
رقم محمد شریف حنفی کی مجالس السلاطین سے اقتباس کی گئی ہے اور سنہ
موخر الذکر کی بختاور خان کی تصنیف سے -

شاہجہان	سنہ ۱۶۴۸ء	۲۴۷۵۰۰۰۰	(بادشاہنامہ)
״	سنہ ۱۶۵۵ء	۳۰۰۸۰۰۰۰	(کاغذات شاہی)
اورنگ زیب	سنہ ۱۶۶۰ء	۲۵۴۱۰۰۰۰	(برنیر)
״	سنہ ۱۶۶۶ء	۲۶۷۰۰۰۰۰	(تھیونیاٹ)
״	سنہ ۱۶۶۷ء	۳۰۸۵۰۰۰۰	(بھماور)
״	مابعد	۴۰۱۰۰۰۰۰	(کاغذات شاہی)
״	سنہ ۱۶۹۷ء	۴۳۵۵۰۰۰۰	(منوکی)
״	سنہ ۱۷۰۷ء	۳۳۹۵۰۰۰۰	(رسوشیو)

رقوم مندرجۂ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی بہبودی مین معقول اور روز افزون ترقی ہوتی گئی۔ سنہ ۱۶۵۵ء کی بیشی کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ دکن کی سلطنتون کا خراج بھی اسمین شامل ہے سنہ ۱۶۶۰ء و سنہ ۱۷۰۷ء کی کمی کی معقول وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ سنہ ۱۶۵۸ء مین اورنگ زیب کی تخت نشینی کے زمانہ مین ملک مین لڑائیان ہوئین اور اُسکے بعد ہی قحط پڑا اور سنہ ۱۷۰۷ء مین اورنگ زیب کی وفات سے پہلے دکن کی لڑائیان مدت تک قائم رہین اور بڑے بڑے

نقصان ہوے - جو رقمین ہمنے یہان لکھی ہین* وہ ان رقمون سے زیادہ
ہین جو سکون کے علم کے مشہور ماہر ایڈورڈ ٹامس صاحب نے
لکھی ہین - اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمنے روپیہ کی قیمت دو شلنگ
تین پنس رکھی ہے اور صاحب موصوف نے جیسا کہ وہ خود مقر ہین
بخیال آسانی روپیہ کی قیمت دو شلنگ رکھی ہے -

غرضکہ یہ مان لینا چاہیے کہ مغل بادشاہون کی آمدنی مین روز
افزون ترقی ہوتی گئی - اکبر کی سلطنت کے آخر زمانہ مین ۱۹۰۰۰۰۰۰
پونڈ تھی - اور اورنگ زیب کے عروج کے زمانہ مین ۴۰۰۰۰۰۰۰
پونڈ کے اوپر پہونچ گئی تھی - اب دوسرے امر مبحوث فیہ پر نظر کیجیے -
آیا ان نقشون مین ہر ایک معین ذریعہ آمدنی کا شامل ہے یا یہ
نقشے محض مالگزاری اراضی سے متعلق ہین ؟ اسکے جواب مین تامل
کی کوئی ضرورت نہین - ان نقشون سے صرف مالگزاری اراضی

* ہمنے نقشونکے ان اختلافات کو نظر انداز کیا ہے جو محصول جمع کرنیوالے کے اپنے
حق کے کاٹ لینے سے پیدا ہوگئے ہین یہ حق اورنگ زیب کے زمانہ مین چار
فیصدی تھا مگر اکبر کے زمانہ مین زیادہ تھا -

ظاہر ہوتی ہے۔ البتہ وہ خراج انمین شامل ہے جو اُن ریاستون سے
آتا تھا جہان بادشاہ کا پورا تسلط نہین ہونے پایا تھا اور شاہی محصول
جمع کرنیوالے وہان نہ پہونچ سکتے تھے۔ برنیرا ور منوکی صاف صاف
لکھتے ہین کہ جو نقشے اُنھون نے مرتب کیے ہین وہ محض مالگزاری اراضی
سے متعلق ہین۔ اور اگرچہ ہندوستانی مورخون نے اسکی بابت کچھ
صراحت نہین کی تاہم یہ ظاہر ہے کہ چونکہ اُنکی تصنیفات ہندوستانی
ناظرین ہی کے واسطے ہوتی تھین اسلیے اُنھون نے پہلے سے یہ سمجھ
رکھا تھا کہ اُنکے ناظرین شاہی حساب کے طریقہ سے واقف ہین۔
یہ بھی ظاہر ہے کہ چونکہ برنیر صاحب نے سنہ ۱۶۶۰ء کے قریب زمانہ کی
آمدنی جو ۲۵۴۱۰۰۰۰ پونڈ لکھی ہے وہ محض مالگزاری سے متعلق ہے
اسلیے کہ عبد الحامد لاہوری نے سنہ ۱۶۴۸ء کی بابت جو رقم ۲۴۷۵۰۰۰۰
پونڈ کی لکھی ہے وہ بھی خالص مالگزاری کی ہے۔ اور اسی دلیل سے
کاغذات شاہی (دستور العمل کے مطابق جو آمدنی اورنگ زیب
کی سلطنت کے وسطی زمانہ کی لکھی ہے اُسمین بھی اور کوئی صیغہ
آمدنی کا ایسا شامل نہین ہے جو منوکی کی سنہ ۱۶۹۷ عیسوی کی رقم

۰۰۰۰۵۵۳۴ مین شامل نہ رہا ہو۔ سب نقشے ایک دوسرے سے متفق ہین۔ اور چونکہ دو مورخون کے نقشے صوبجات محض محصول اراضی کے ہین لہذا سب نقشے اُسی صیغۂ آمدنی سے متعلق ہین۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغل بادشاہون کے محاصل محض اراضی سے سنہ ۱۵۹۴ء مین تقریباً ایک کرور نو لاکھ پونڈ تھے اور سنہ ۱۷۰۰ء مین چار کرور تین لاکھ پونڈ ہو گئے تھے۔ بادشاہ برائے نام مالک اراضی ہوتا تھا مگر عام درآمد یہ تھا کہ تقریباً ایک تہائی کا محصول نکاسی خام پر وصول کیا جاتا تھا۔ اکبر نے زراعت کا محکمہ بہت اچھا قائم کیا تھا اور ایسے قواعد مقرر کیے تھے جنکے مطابق ایام مقررہ کے استداد پر اراضی کی مالیت لگائی جاتی تھی اور فصلون کی خرابی اور خشکسالی وغیرہ کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ یہی قاعدے اورنگ زیب کے زمانہ مین بھی جاری رہے۔ اور اگرچہ بددیانت عمال نے دور دراز کے اضلاع بیرونجات مین ان قواعد سے انحراف کیا ہو تاہم اسمین کوئی شبہہ نہین ہے کہ اس طریقہ کا اصول بہت منصفانہ تھا اور جہان تک بادشاہ کی نگرانی اور دباؤ کا اثر پہونچ سکتا تھا ان

قاعدون کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کیجاتی تھی۔آج کل کی آمدنی
مالگزاری دو کرور چالیس لاکھ پونڈ ہے۔مگر برٹش گورنمنٹ بجائے محاصل
تمام کی ایک تہائی لینے کے صرف ایک دہائی لینے پر قناعت کرتی
ہے۔اگر مغلون کی طرح تہائی لیجاتی تو آج کل کے زمانہ کی برٹش
ہندوستان کی مالگزاری اراضی کی تعداد آٹھ کرور پونڈ کے قریب
ہوتی۔مگر برٹش ہندوستان کا رقبہ بھی مغلیہ ہندوستان کے رقبہ
سے کہین زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

بختاورخان یا محمد بقا کی تصنیف ایک کتاب مرآۃ عالم نام
ہے۔اُسمین ایک نقشہ دیا ہوا ہے۔اُس نقشہ سے کچھ اندازہ اس بات
کا ہو سکتا ہے کہ انتظامی معاملات کے مصارف کے ادا کرنے کے بعد
کسقدر روپیہ محاصل اراضی کی مد کا فاضل بچتا تھا۔تاریخ مذکور مین
مالگزاری کی تعداد ۹۲۴۱۷۱۶۰۸۲ دام (تقریباً ۳۰۸۵۰۰۰۰ پونڈ)
لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ "منجملہ اسکے زرخالصہ جو خزانۂ عامرہ
مین داخل ہوتا ہے ۱۷۲۷۹۸۱۲۵۱ دام ہے اور جاگیردارونکے
وظیفون یا بقایا کی تعداد ۷۵۱۷۷۳۴۷۳۱ دام ہے۔ اس مین

تھوڑی سی حسابی غلطی ضرور ہے مگر نتیجہ بہرحال نکلتا ہے کہ انتظام سلطنت کے جو مصارف ہین اُنکی اور منصب دارون او جاگیردارون کی بیشن قرار تنخواہون کی ادائی کے بعد کل محاصل مالگزاری کا پانچوان یا چھٹا حصہ برابر خزانۂ شاہی مین فاضل ہوکر جمع ہوتا جاتا ہے۔

رقم مالگزاری کی تعداد معین معلوم کرنی ناممکن ہے کیونکہ لگان جو اراضی سے حاصل ہوتا ہے اور اُسپر جو محصول لگایا جاتا ہے اُسکی تعداد برابر کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ مغل بادشاہ برابر محصول معاف کردیا کرتے تھے۔ مگر یہ صاف صاف نہین معلوم ہوتا کہ یہ معافیان کتنے عرصے کے واسطے ہوا کرتی تھین اور آیا بجاے اُنکے اور کوئی محصول لگائے جاتے تھے یا نہین۔ آئین اکبری مین ۳۰ قسم کے محصولون کی فہرست دی ہوئی ہے جو اکبر کے زمانہ مین معاف ہوے تھے یا تخفیف کیے گئے تھے۔ انمین سے بعض قسم کے محصول یقیناً ایسے ہین کہ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے زمانہ سے پہلے وہ پھر جاری ہو گئے یا اُنمین اضافہ ہوگیا۔ اورنگ زیب نے

اپنی ابتدائی سلطنت کے زمانہ مین خود تقریباً اسّی محصول بالکل موقوف کردیے تھے تاکہ جنگ اور قحط کی وجہ سے جو محتاجی رعایا کے عاید حال ہوئی تھی اُسمین کمی ہو۔ خفی خان نے معمولی طور سے ان محصولون کی نسبت یہ لکھا ہے کہ اِن سے "کرورون روپیہ کی آمدنی خزانۂ عامرہ کو ہوتی تھی" مگر آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ عمال فرمان شاہی کی تعمیل بہت کم توجہی سے کرتے تھے۔ جب سلطنت کو کچھ عرصہ گزرا تو مسلمان تاجرون کے مال سے چُنگی کا محصول اُٹھا دیا گیا۔ مگر پھر اسکی یون ترمیم ہوئی کہ پانچ فیصدی کا محصول جو ہندو تاجرونکے واسطے تھا وہ مسلمان تاجرون کے واسطے ڈھائی فیصدی ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ علاوہ محاصل زمین کے اور بہت سے محصول چنگی اور ابواب وغیرہ سے خزانۂ شاہی مین بہت آمدنی ہوتی تھی۔ ان محصولون کے نقشے دستیاب نہین ہوتے۔ اسکے علاوہ خیال یہ ہوتا ہے کہ ۱۶۸۰ء مین جزیہ کی تجدید ہو جانے سے آمدنی مین بہت زیادتی ہوگئی ہوگی۔ لکھا ہے کہ صرف ایک شہر برہان پور سے اس محصول کی آمدنی چھبیس ہزار روپیہ کی ہوتی تھی۔ تو سارے ہندوستان کی

آمدنی کا کیا ٹھکانا ہے۔مگر اسمین شک ہے کہ یہ محصول سختی کے ساتھ وصول کیا جاتا ہو۔ہندوستانی مورخون نے اُس آمدنی کا کچھہ ٹھیک حال نہین لکھا ہے جو علاوہ محصول اراضی کے اس محصول اور نیز اور محصولون سے ہوتی تھی۔نہ ہم اسکا اندازہ کرسکتے ہین کہ منصب دارون کی جاگیرون اور مال حرالملاک کی ضبطی اور ہمیشہ ملنے والے بیشمار قیمتی تحائف نقدی وجواہرات سے کہ وہ ہرسال ہر امیر ہر اہلکار ہر اہل مقدمہ اور ہر سیاح سے مغل اعظم کو ملتے تھے کسقدر آمدنی ہوتی تھی۔ٹیورنیر نے ایک وقت مین جو تحفہ اورنگزیب کی نذر کیا تھا اُسکی مالیت ۱۲۹۱۱ لور تھی یعنی نوسو پونڈ سے اوپرہی اوپر۔اور یہ تحفہ اُن تحائف کے مقابلہ مین بالکل بے وقعت تھا جو امرا بادشاہ کی سالگرہ اور اور جشنون کے موقعون پر بادشاہ کے حضور مین پیشکش کیا کرتے تھے۔

لیکن اگرچہ آمدنی کے اِن بیشمار صیغون کے نقشے دستیاب نہین ہوسکتے تاہم ہمارے پاس تین یوروپین سیاحون کے علٰحدہ علٰحدہ بیان موجود ہین جن سے تخمینی اندازہ کل آمدنی کا ہوسکتا ہے

یہ بیانات چونکہ ایک دوسرے سے ملتے ہوے ہین اس لیے زیادہ
قرینہ انکے صحیح ہونے کا ہے - تاہم ہزار کچھ ہو پھر بھی یہ اندازہ ہی اندا
ہے - پہلا بیان ولیم ہاکنس کا ہے جس سے سنہ ۱۶۰۹ء سے سنہ ۱۶۱۱ء
تک جہانگیر سے بہت مراسم رہے - وہ بادشاہ کی آمدنی پچاس کرو
روپیہ بتاتے ہین (یعنی ۵۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ) - اسمین شک نہین
کہ صاحب موصوف کی شہادت اسوجہ سے کمزور ہو جاتی ہے کہ
وہ خود لکھتے ہین کہ بادشاہ کی سالانہ آمدنی بابت اراضی شاہی"
اسقدر ہے - اور صریح ظاہر ہے کہ جن نقشون کا ذکر ہم اوپر کر چکے
ہین انکے مطابق یہ بیان بالکل لغو ہے - لیکن اگر پچاس کرور روپیہ
کل صیغون کی آمدنی سمجھی جاے تو شاید اسمین زیادہ مبالغہ نہو -
دوسرا بیان کاٹرو کا ہے جنھون نے منوکی سے سنکر لکھا ہے
(افسوس ہے کہ دونون صاحبون کے علحدہ علحدہ بیان نہین ملسکتے)
صاحب موصوف ۱۶۹۷ء کی بابت لکھتے ہین کہ چار کرور پینتیس
لاکھ پونڈ کی آمدنی محض پیداوار اراضی کی ہے اور غیر معمولی اور
کم و بیش ہونیوالی آمدنیان اسکے علاوہ ہین - ان غیر معمولی آمدنیون

ہندوؤن کا جزیہ بندرگاہون اور جہازون کا رسوم ہندوستان کے میلون سے محصول ہیرون کی کانون کا حق شاہی اور جاگیردار کا حق اور مختلف راجاؤن کے خراج شامل ہین۔ کاٹر ان آمدنیون کی تفصیل لکھنے سے قاصر ہے۔ صرف ایک جگہ اسکا ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ سورت کے بندرگاہ کی آمدنی تیس لاکھ روپیہ تھی اور شہر مذکور کے ٹکسال کی آمدنی بھی گیارہ لاکھ روپیہ تھی۔ یون سمجھنا چاہیے کہ علاوہ مالگزاری اراضی کے سورت سے تقریباً پانچ لاکھ پونڈ وصول ہوتا تھا۔ اِس حساب سے یہ بات قرین عقل ہے کہ غیر معمولی آمدنی کی تعداد بھی آمدنی مالگزاری اراضی کے برابر تھی۔ تیسرا بیان ڈاکٹر جیملی کریری کا ہے جو ۱۶۹۵ء مین دکن مین اورنگ زیب سے ملا تھا۔ ڈاکٹر موصوف سے یہ کہا گیا تھا کہ بادشاہ کو صرف مالک موروثی سے اسّی کرور روپیہ (یعنی نوکرور پونڈ) کی آمدنی ہوتی ہے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ ۱۶۹۷ء مین مالگزاری اراضی چار کرور پینتیس لاکھ پونڈ کی تھی۔ اس لحاظ سے کریری کا تخمینہ آمدنی محاصل اراضی کے دوچند سے زیادہ ہے

اور اس سے کاٹرو کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ غیر معمولی آمدنی کی
تعداد بھی مالگزاری اراضی کی تعداد کے برابر تھی بلکہ اُس سے کسی قدر
زیادہ ہی تھی۔ اور ہاکنس نے جو جہانگیر کی آمدنی کا تخمینہ پچاس کرور یعنی
اُس زمانہ کی مالگزاری اراضی کے دوچند سے زائد کا کیا ہے اُس سے
بھی مطابقت ہوتی ہے۔ کریری کی اس صراحت سے بھی کہ اسی کرور
کی آمدنی صرف اورنگ زیب کے موروثی ممالک کی تھی اس نتیجہ پر
کوئی اثر نہین پڑتا۔ کیونکہ یہ بات قرین قیاس نہین ہے کہ لڑائی اور
تباہی کے زمانہ مین بادشاہ کو دکن سے کوئی آمدنی کثیر ہوئی ہو۔ اور
یہ تو بالکل ہی خلاف قیاس ہے کہ صوبۂ مذکور سے دس کرور روپیہ
کی آمدنی ہوتی ہو حالانکہ بیجاپور اور گولکنڈہ کی آمدنی دس کرور
روپیہ کی کاٹرو کی چار کرور پینتیس لاکھ پونڈ والی کل میزان مین
شامل ہے۔ ہاکنس کاٹرو اور کریری کے تین بیانون سے ہم یہ نتیجہ
نکالتے ہین کہ مغل اعظم کی سب صیغون کی آمدنی کم از کم مالگزاری
اراضی کی دوچند تھی۔ پس کل آمدنی کی تعداد معلوم کرنے کے
واسطے ہمکو اسیقدر کرنا ہے کہ جو آمدنی مالگزاری کی از روے نقشہائے

ہم اوپر لکھ آئے ہین اسکو دو چند کرلین*۔ غرضکہ یون سمجھنا چاہیے کہ مغلیہ
سلطنت کی کل آمدنی ۱۵۹۴ء مین تین کرور ساٹھ لاکھ پونڈ تھی اور

* ہمنے ٹامس صاحب کی اس رائے کا ذکر نہین کیا ہے کہ ۱۵۹۳ء مین (بحساب
دو شلنگ تین پنس فی روپیہ) اکبر کی کل آمدنی تین کرور ساٹھ پونڈ تھی۔ کیونکہ یہ رائے
اس قیاس پر مبنی ہے کہ سال مذکور کی بابت جو نقشہ نظام الدین احمد نے چھ ارب
چالیس کرور مرادی تنکہ کا مرتب کیا تھا اُسمین تنکہ کی قیمت دو دام کے برابر تھی۔ دام
اور تنکہ مرادف الفاظ ہین جیسا کہ خود اُن الفاظ سے ثابت ہوتا ہے جو اُن سکون پر
کندہ ہین۔ اور اگرچہ داموں اور تنکوں دونون کے ادھنّے ہوتے تھے تاہم اس
قیاس کی کوئی معقول وجہ نہین ہے کہ صرف اس ایک صورت مین ادھنّون کا
حساب رکھا گیا تھا۔ ٹامس صاحب نے جو چھ ارب چالیس کرور کا دونا ۱۵۹۳ء
کی بابت کیا ہے وہ اسوجہ سے اور بھی زیادہ خلاف قیاس ہے کہ ۱۵۹۴ء کی
آمدنی کل چھ ارب باسٹھ کرور تھی۔ اور اسقدر اضافہ بہت ممکن ہے۔ اسوجہ سے ہماری
رائے یہ ہے کہ نظام الدین کے نقشے سے ایک کرور اسّی لاکھ پونڈ کی آمدنی ظاہر ہوتی
ہے۔ اگرچہ ہمین اس مرادی تنکہ والے مسئلہ کا اعتبار نہین ہے کہ اسکے باعث زیادہ اندازہ
کرلیا گیا ہو تاہم ہمین اسمین بھی شک نہین ہے کہ ۱۵۹۳ء مین اکبر کی کل آمدنی کی

رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے ۱۶۹۵ء مین نو کرور پونڈ تک پہونچ گئی تھی۔

کاٹرو لکھتا ہے کہ اسمین شک نہین کہ اسقدر بے اندازہ دولت حیرت خیز ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جسطرح یہ دولت مغل خزانہ مین آتی تھی اُسی طرح چلی بھی جاتی تھی۔ کم از کم سال کے سال تو یہی حال ہوتا تھا۔ وہی دولت پھر ملک مین پھیل جاتی تھی۔ آدھی سلطنت بادشاہ کی خیرات پر بسر کرتی ہے یا کم از کم اُسکی ملازمت مین ہے۔ علاوہ ہزارون لاکھون اہلکارون اور سپاہیون کے جنکی گزر اوقات تنخواہ پر ہے سارے دیہاتی دہقان جو محض بادشاہ کے واسطے محنت کرتے ہین بادشاہی معافات پر بسر کرتے ہین اور قریب قریب سب شہری کاریگر جو بادشاہ کے واسطے کام بناتے ہین خزانۂ شاہی سے روپیہ پاتے ہین"۔

جب ہم یہ خیال کرتے ہین کہ یہ تحریری شہادت سے ثابت ہے کہ ایک مغل امیر اور وہ بھی ایماندار امیر تقریباً پانچہزار کراون یعنی تیرہ ہزار پونڈ سالانہ اپنی امیری کے پنجہزاری منصب پر ممتاز ہونے کی حالت مین پس انداز کر سکتا تھا تو یہ بات آسانی سے سمجھ مین آجاتی ہے کہ

؎ تعداد تین کرور ساٹھ لاکھ رہی ہو۔

خزانہ سے بیشمار روپیہ محض مین حیاتی سرداروں کی بسر اوقات کے لیے دیا جایا کرتا تھا۔ جیسی ہی آمدنی زیادہ تھی ویسے ہی خرچ بھی اسقدر کثیر تھا کہ مغل بادشاہ پس انداز بہت کم کرسکتے تھے۔ باوجودیکہ شاہجہان برابر روپیہ جمع کرتا رہا اور اُسکی سلطنت کے زمانہ مین مدت دراز تک امن بھی رہا تاہم علاوہ جواہرات و زیورات کے چھ کرور روپیہ بھی جمع نہ کرسکا۔ اور اورنگ زیب نے مرتے وقت خزانے مین صرف تیرہ لاکھ روپیہ چھوڑا اور اکثر اوقات فوج کی تنخواہ بانٹنے کے لیے روپیہ سے تنگ رہا۔

آٹھوان باب

ہنود

آسام اور اراکان کی لڑائیون سے ہندوستان کے امن و امان مین کوئی خلل نہین پڑنے پایا۔ اورنگ زیب کی سلطنت کے شروع کے بیس برس تک شمالی ہندوستان مین بالکل امن چین رہا۔ کوئی ایسی بغاوت نہین ہوئی جو پولیٹکل خیال سے کچھ وقعت کے قابل ہو دکن کی لڑائیون سے بھی جنکا ذکر ہم آگے چل کر کرینگے شمال مین کچھ گڑبڑ نہین مچی۔ غرض ملک مین ایسا امن تھا اور سلطنت کی حالت ایسی مستحکم تھی کہ اورنگ زیب اپنی اُس خطرناک علالت سے اُٹھکر جسکی وجہ سے وہ ۱۶۶۲ء مین صاحب فراش ہوگیا تھا بہت اطمینان اور بیفکری کے ساتھ آرام کرسکتا تھا اور تبدیل آب و ہوا کے واسطے جاسکتا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۶۶۲ء مین بادشاہ نے اپنے باپ کو جسکی طرف سے اب بغاوت کا اندیشہ باقی نہین رہا تھا آگرے کے قیدخانے مین

چھوڑا اور خود کشمیر کی طرف روانہ ہوا برنیر صاحب نے اس سفر کشمیر کا
روزنامچہ بہت دلچسپ لکھا ہے - یہ چھٹی اٹھارہ مہینے کیواسطے تھی -
مگر چھ مہینے تو آنے جانے ہی مین لگ گئے - مغل بادشاہ اپنی شان
کے مطابق بہت سہولت کے ساتھ سفر کرتا تھا اور کئی کئی دن شکار
کے واسطے ٹھہر جاتا تھا یا پانی کی تلاش مین سیدھے راستہ کو چھوڑ کر
دوسرے راستہ پر چلا جاتا تھا - جسقدر کثیر لشکر بادشاہ کے سفر مین
ہمراہ ہوتا تھا اُسکے ساتھ تیز سفر کرنا ممکن بھی نہ تھا - ۳۵ ہزار سوار ونکا
باڈی گارڈ کا رسالہ تو برابر ساتھ ہوتا ہی تھا - علاوہ اسکے دس ہزار
سے اوپر ہی اوپر پیدل بھی ہوتے تھے اور ہلکی اور بھاری دونون
طرح کی ملا کر ایکسو یا ایکسو بیس توپین بھی ہوتی تھین جنکو دشوار
گذار سڑکون پر کھینچنے مین سخت مصیبت کا سامنا ہوتا تھا - بہت
سے اُمرا اور راجگان اور چھوٹے چھوٹے والیان ریاست بھی
جہان پناہ کے ہمرکاب گھوڑون پر سوار ہوتے تھے مگر دل مین
گھوڑون کی سواری سے سخت نفرت کرتے تھے کیونکہ معمولی طور
سے عادت تو یہ تھی کہ بڑے آرام کے ساتھ پالکیون مین سفر

کیا کرتے تھے۔ بادشاہ یا تو تخت پر سوار ہو کر کہارون کے کاندھون پر چلتا تھا یا اپنے گھوڑے یا ہاتھی پر سوار ہوتا تھا:۔

"شاہی دہلی اپنے بڑے بڑے دروازون کو چوپٹ کھولدیتی ہے اور اُنمین سے بیشمار سپاہی چمکتے دمکتے ہتھیار لگائے ہوئے زرق برق نکلے چلے آتے ہین۔ آگے آگے کرنا اور شہنائی بجتی جاتی ہے جسمین سے جنگی راگ نکلتے ہین۔ ایک شاندار ہاتھی پر شاہی تخت کسا ہوا ہے اور اُسپر نسل تیموری کا سردار بڑی شان سے بیٹھا ہوا ہے اور اُسکے چارون طرف زر وجواہرات کی جگمگاہٹ سے آنکھون مین چکاچوند ہوتی ہے اُمرا بھی ہمرکاب ہین۔ اپنے عربی گھوڑون کی باگین سنبھالے ہوے ہین اور بادشاہ کے اشارہ پر نظر ہے۔ بڑے بڑے راجہ جو خود بڑے بڑے ملکون کے مالک ہین یہان گردن اطاعت جھکائے ہوے ہین اور باوجود راجگی کے غلام بنے ہوے ہین۔ اسکے پیچھے بیگمات کی سواریان ہین جنکے چارون طرف خواجہ سراؤن کا ہجوم ہے حُسن کی دیبیون کے محل چلے جاتے ہین مگر کسی کی مجال نہین کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھلے

ایک نظر دیکھا اور جان سے ہاتھ دھوئے"*

اس جلوس مین بیگمات کی سواریون کی شان ہی کچھ اور ہوتی تھی سنہری پالکیان اور اُنکے ریشمی پردے شہزادیون کے تامجان شاندار عماریان اور محافے کچھ ہاتھیون پر کچھ اونٹون پر اونچے اونچے آٹھ عورتون کے بیٹھنے کے ہودج اوبراسپر اطلس اور زربفت کے پردے غرض کچھ عجب بہار ہوتی تھی۔

برنیر نے لکھا ہے کہ "حرم سرا کے جلوس کے تزک و احتشام کا ذکر کرنا لازمی ہے۔جہان تک آپ کے خیال کو وسعت ہو دیجیے آپ کے قیاس مین کوئی مرقع ایسا نہین آسکتا جو اُس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا اور شان دار ہو جو اُسوقت پیش نظر ہوتا تھا جب روشن آرا بیگم کی سواری ایک عظیم الشان ہاتھی پر نکلتی تھی۔سونے کے زر دوزے جڑے ہوے میگڈمبر مین سوار۔پیچھے پیچھے پانچ چھ ہاتھیون کی قطار۔اُن پر بھی ویسے ہی جگمگاتے ہوے

* یہ ترجمہ ہے سامرول صاحب کی نظم معروف بہ دی چیس کی چند سطرون کا نظم مذکور کانسٹبل صاحب نے اپنی کتاب اورنیٹل مسلینی مین شائع کی ہے۔

بیسگڈ بسر کئے ہوئے اور اُنہین ملکہ کی خواصین بیٹھی ہوئین۔ اُنکے پیچھے امراے دربار کی بیگمات کی سواریان۔ پھر پندرہ سولہ سواریان مستورات کی مع ایسے حشم خدم کے جو اُنکے مرتبہ اور عہدہ اور تنخواہ کے شایان ہوتا تھا۔ جب یہ ساٹھ ساٹھ ہاٹھیون کی قطار ایک ساتھ برابر قدم اُٹھاتی ہوئی چلتی ہے اور بیسگڈبرون پر چمک دمک کے مارے آنکھ نہین ٹھہرنے پاتی تو شان بادشاہت معلوم ہوتی ہے اور دل پر عجب طرح کا رعب سا چھا جاتا ہے۔ زرق برق لباس سے آراستہ پیش خدمتون اور خواصون کا شمار نہین۔ اگر مین نے اس جاہ وحشمت کے جلوس کو فلسفیانہ بے پروائی کی نظر سے نہ دیکھا ہوتا تو ضرور تھا کہ میرے خیالات مین بھی اُن ہندوستانی شاعرون کی سی بلند پروازی آجاتی جو یون لکھتے ہین کہ ان ہاتھیون پر دیبیان عوام کی نظرون سے چھپی ہوئی چلی جاتی ہین۔*

برنیر صاحب خوش نصیب تھے کہ اُنھون نے اس جلوس کو

*منقول از وقائع سیاحت ڈاکٹر برنیر۔

سطرح دیکھ لیا اور نہ حرم سرا کی سواریون کے اسقدر قریب رہنا بڑی
جان جوکھون کی بات تھی۔ اور ایک دفعہ فرانسیسی ڈاکٹر صاحب
کی بھی شامت ہی آگئی تھی اور تلوار ہاتھ مین لیکر بمشکل تمام خواجہ سرائون
سے لڑبھڑکر نکل سکے۔ نہ بیطرح مرمت ہونے کا سامان ہوگیا تھا۔

علاوہ شاہی خاندان کے بڑے بڑے ارکین اور اُنکے ہمراہیونکے بادشاہ
کے ساتھ سفر مین بھی بیشیار ملازمون اور تاجرون کا ہجوم رہتا تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ سب دہلی والے اپنے گاہکون کے ساتھ چل کھڑے
ہوتے تھے۔ کیونکہ دو صورتون کے سواے کوئی تیسری صورت
نہ تھی۔ یا تو اپنے مالکون کے جلوس کے ساتھ ساتھ جائین ورنہ گھر پہ
رہکر ویران شہر مین فاقے کرین۔ جو دوکاندار شہر مین دوکانین رکھتے
تھے وہ مجبور ہوتے تھے کہ جب دہلی اپنے ویران گلی کوچون کا ماتم
کرتی ہو تب میدانون مین دوکان لگائین۔

لشکر کی کل تعداد کا اندازہ تین چار لاکھ آدمیون کا کیا جاتا ہے
یہ لوگ سواے کھانے پینے کے سامان کے اور سب ضروریات کی
چیزین اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ کیونکہ جس ملک مین سے گزرین اُسمین

لوٹ مار کرتا بمنزلہ اسکے تھا کہ بادشاہ کے گھر مین ڈاکہ ڈالا جاے کہ بادشاہ ہی کم از کم اصولی طور پر سارے ملک کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ وہ تو بھلے کو ہندوستانی سپاہیون کی غذا مین سادگی بہت ہے اور حیوانی غذاؤن سے پرہیز کیا جاتا ہے ورنہ لشکر مین فاقون کی نوبت آجایا کرتی۔ پرانے شرقی طریقہ کے مطابق دوہرے دوہرے خیمے ساتھ رہتے تھے۔ ایک تو وہ جنمین رات کو آرام کرتے تھے اور دوسرے وہ جو پیش خیمہ کہلاتے تھے اور آگے روانہ کردیے جاتے تھے تاکہ شب آیندہ کے واسطے نصب کیے ہوے تیار ملین۔ دربار کے خیمے اور خرگاہ برابر ساتھ ہوتے تھے جنکے شامیانے مخمل اور اطلس کے بنے ہوے ہوتے تھے بادشاہ انمین اسیطرح دربار کرتا تھا جسطرح دہلی یا آگرہ مین۔ شاہی خیمے سرخ رنگ کے ہوتے تھے اور انمین ہاتھ کی چھاپی ہوئی چھینٹون کا استر ہوتا تھا اور سنہری اور رپہلی مقیش اور ریشم کی جھالر لگی ہوتی تھی۔ خیمون کی چوبین بھی رنگین اور سنہری ہوتی تھین۔ بادشاہ کے خیمہ کے قریب ہی بیگمات کے خیمے ہوتے تھے چارون طرف لکڑی کے پردے لگائے جاتے تھے پھاٹک کے

باہر پہرہ رہتا تھا اور وہین نقارخانہ ہوتا تھا اور بڑے بڑے افسران سلطنت بھی وہین رہتے تھے۔ چھوٹے درجہ کے لوگون کے خیمے کسیقدر فاصلہ پر ہوتے تھے اور پورے لشکر کا محیط تقریباً پانچ چھ میل کا ہوتا تھا۔ سب کے اوپر آکاس دیا روشن ہوتا تھا یہی شاہی روشنی سمجھی جاتی تھی۔ چالیس گز کا ایک ستول لیکر اُسمین ایک لالٹین لٹکا دی جاتی تھی۔ تاکہ رات کے بھولے بھٹکے اپنے خیمون تک پہونچ سکین۔ لشکر کے چارونطرف پہرہ والے آگ روشن رکھتے تھے اور سنتری چُپ چاپ ٹہلتے رہتے تھے۔

اورنگ زیب نے بہت دن کشمیر مین آرام کیا اور ۱۶۶۵ء کا بڑا حصہ وہین بسر کیا۔ اس سفر سے جب وہ واپس آیا تو سلطنت کے امن وامان کی وہی کیفیت پائی جو اُسکی روانگی کے وقت تھی۔ ۱۶۶۶ء کے شروع مین ایک کھٹکا اور بھی مٹ گیا یعنی اُسکے باپ شاہجہان نے آگرہ کے شاندار زندان مین قضا کی۔ اُسی سال شائستہ خان کی اراکان والی فتح کی بھی خبر آئی۔ اور اُسکے سب سے زیادہ تکلیف دینے والے دشمن سیواجی مرہٹہ نے بھی

اطاعت کرلی اور بذات خود دربار مین حاضر ہوگیا - اسکے کچھ ہی
عرصہ بعد ۱۶۶۷ء مین راجپوتون مین سب سے بڑا رفیق اور
زوروالا راجہ جے سنگھ مرگیا - راجہ مذکور بادشاہ کا بہت وفادار
اور جانباز رفیق تھا اور اُسکی تخت نشینی کے زمانے سے برابر
اُسکا ساتھ دیتا رہا تھا اور اپنے راجپوتون کو لیکر دکن مین کئی دفعہ
لڑ بھی تھا - دوسرا مشہور راجپوت جنرل جسونت سنگھ اپنی کابل
کی حکومت پر کالے کوسون پڑا ہوا تھا - اور اُسکا زمانہ بھی اب
خاتمہ کے قریب آگیا تھا - آخرکار بادشاہ کو یہ آزادی نصیب ہوگئی
تھی کہ ہندوستان کے دبانے کی حکمت عملی پر کاربند ہو کہ یہی ہر سچے
مسلمان کا کام ہے - ابتک ایذارسانی نہ کیجاتی تھی - مذہب کیوجہ
سے کوئی ناقابل نہ سمجھا جاتا تھا - مگر اسمین شک نہین کہ اورنگزیب
اپنے مذہبی جوش کو روکے ہوے تھا اور اس موقع کا منتظر تھا
کہ ایسی حالت ہو جاے کہ وہ بغیر کسی اندیشہ کے اُسکا اظہار
کفار کے مقابلہ مین کرسکے -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۶۹ء سے اس طوفان کا سامان

ہونا شروع ہو گیا۔* سنہ مذکور کے ماہ اپریل مین اورنگ زیب کو یہ خبر
پہونچی کہ بنارس اور نیز ہندوون کے اور بڑے شہرون کے برہمن
اپنے "دہرے علوم" اپنی ہی قوم والون کو نہین بلکہ مسلمانون کو بھی
سکھاتے ہین۔ بھلا اورنگ زیب سا غالی مسلمان کب اسکی تاب
لاسکتا تھا۔ مگر جو سختی کے کام اُسنے کیے اُنسے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسکے
لیے بہانہ ہی ڈھونڈھ رہا تھا کہ کسی طرح کوئی موقع ہاتھ آئے تو بدنصیب
کافرون پر بلا کی طرح ٹوٹ پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ "اس ہادی اسلام
نے سب صوبجات کے حاکمون کے نام فرمان جاری کردیے کہ پورے
طور سے مستعد ہو کر کافرون کے سب مدرسے اور مندر مسمار کرڈالین
اور سخت تاکید ہوئی کہ بت پرستی کے طریقہ کی تعلیم و تلقین بالکل
بند کردی جائے"۔ یہ ہرگز خیال کیا جائے کہ ان احکام کی لفظ بلفظ

---

* سب سے پہلی روایت مذہبی ایذارسانی کی مستعدخان کی کتاب مآثر عالمگیری مین
ملتی ہے اور اُسکی تاریخ ۱۷- ذیقعدہ ۱۰۷۹ھ (مطابق ۱۰- اپریل ۱۶۶۹ء) لکھی ہے
مگر جبسے کہ اورنگ زیب نے اپنی سلطنت کے گیارھوین سال مین سرکاری طور پر
وقائع سلطنت کے لکھے جانے کی ممانعت کردی تاریخون کا کچھ ٹھیک پتہ نہین لگتا۔

آخر عمر مین بادشاہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کو بہت چاہتا تھا کیونکہ اُسکی مان اُدے پوری بائی ہے ایک عورت ایسی تھی جسکے ساتھ بادشاہ کو کسیقدر تعشق کی بہی حالت رہی - اس کمسن شہزادہ کی طرف سے بھی یہ شبہہ پیدا ہوگیا کہ یہ شاہی عزت مرہٹون کے ہاتھ بیچا چاہتا ہے اور چند روز کے واسطے نظر بند کردیا گیا - مگر پھر باپ نے خطا بخشی کی اور شاید اس الزام سے بھی بری کردیا کیونکہ آخر زمانے کے رقعون سے بہت شفقت کا اظہار ہوتا ہے -

بادشاہ کو اپنے افسرون کی طرف سے بھی ایسی ہی بدگمانی اور بے اعتباری تھی جیسی کہ اپنے بڑے بیٹون کی طرف سے تھی - اُس کے

* اورنگ زیب کو اپنی زندگی مین بیبیون سے کچھ زیادہ سروکار نہین رہا - بقول منوکی کے بڑی ملکہ ایک راجپوت رانی تھی جسکے بطن سے شہزادہ محمد و شہزادہ معظم اور ایک شہزادی تولد ہوئی - ایک ایرانی محل سے شہزادہ اکبر و شہزادہ اعظم اور دو شہزادیان ہوئین - تیسری بیوی سے ایک شہزادی تھی - اُسکی قومیت کا حال نہین لکھا - کام بخش کی مان اُدے پوری جارجیا کی عیسائی عورت تھی جسکو دارا نے خرید کیا تھا اور دارا کے قتل ہونے پر وہ اورنگ زیب کے حرم مین داخل ہوگئی تھی -

رقعون کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا وہ اپنے سپہ سالارونکا خیال رکھتا تھا ویسا کم کوئی بادشاہ کرتا ہوگا۔" وہ اُنکے عزیزون کی وفات پر تعزیت کرتا ہے اور تشفی آمیز کلمات لکھتا ہے۔ بیماری مین مزاج کی خیریت دریافت کرتا ہے۔ خطاب دیتا ہے تو بڑی لنبی چوڑی تعریفون کے ساتھ تحفے عطا کرتا ہے تو اُنکے ساتھ بھی ایسی عنایت کا اظہار کرتا ہے کہ تحفہ کی قدر دوبالا ہو جاے اور اگر عتاب کا خط لکھتا تو اُسکے ساتھ بھی ایک آدھ جملہ استمالت کا لکھدیتا ہے"۔ مگر سب اختیار اپنے ہی ہاتھ مین رکھتا ہے اور حاکمون کو جا بجا تبدیل کرتا رہتا ہے کہ مبادا ایک جگہ رہتے رہتے زیادہ قابو یافتہ ہو جائین۔ اور اُنکے پیچھے بہت سے جاسوس بھی لگائے رکھتا ہے یہ سخت ناانصافی کی بات ہے کہ اُسکی عام نیکمزاجی کو بھی چالاکی اور باتدبیری سے تعبیر کیا جاے۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ سواے اُن معاملات کے جنمین تخت سلطنت یا مذہب کا واسطہ ہوا ورعام طور سے وہ بہت نرم دل تھا اور سخت سزاؤن سے نفرت کرتا تھا۔ اور یہ نرم دلی اور نفرت اس ملکی مصلحت پر مبنی تھین کہ بیفائدہ لوگون کو اپنا دشمن نہ بنا لے۔ اورنگ زیب قدرتی طور پر رحمدل انصاف پسند اور نیک مزاج تھا۔

مگر اُسکی ساری خوبیون پر اُسکے شکی مزاج ہونے نے پانی پھیر دیا تھا اور اعتماد اور محبت سے وہ بالکل بے بہرہ تھا۔ اُسکو کبھی کوئی دوست نہ ملا۔
اب اس اکیلی اور بغیر محبت کی زندگی کے خاتمہ کے دن قریب آ چلے تھے۔ آخر زمانہ کی ہر کوشش مین ناکامی صورت دکھاتی تھی۔ بادشاہ کے مدت تک غائب رہنے سے شمال مین بدنظمی ہو چلی تھی۔ راجپوت کھلم کھلا باغی ہو رہے تھے۔ آگرہ کے قریب جاٹون نے بغاوت کر رکھی تھی۔ ملتان مین سکھون کا زور شروع ہو چلا تھا۔ دکن کی حالت ایک جنگل کی سی تھی کہ اُسمین مرہٹون کے یہ نشانات ملتے تھے کہ کہین یہ شہر لٹا ہوا پڑا ہے کہین وہ کھیت اُجڑا ہوا نظر آتا ہے کہین گانؤن سے دھوان اُٹھ رہا ہے۔ مغلیہ فوج کی حالت بہت خراب وخستہ ہوگئی تھی "دو جھنڈی پیادے" کو دن کیطرح کاؤن کاؤن کرکے اپنی چڑھی ہوئی تنخواہون کے تقاضے کرتے رہتے تھے۔ آمدنی کے صیغون کی حالت بہت ہی خراب ہو رہی تھی اور اورنگ زیب اس زق زق بق بق کو سننا نہین چاہتا تھا۔ مرہٹے یہانتک دلیر ہوگئے تھے کہ شاہی فوج کے پاس آ آکر لوٹتے تھے اور کھلے خزانے

بادشاہ کو دھکیاں دے جاتے تھے اور کسی شخص کی یہ مجال نہ ہوتی تھی کہ بغیر بہت سے مسلح آدمیون کے ساتھ لیے ہوے مغلی لشکر سے باہر نکلے۔ یہانتک نوبت پہونچ گئی کہ ان گستاخ ٹیرون سے صلح کرلینے کا بھی چرچا ہونے لگا تھا۔

آخرکار جو فوج کسی زمانہ مین بڑی شاندار فوج تھی اسکے بچے کھچے خراب خستہ حصہ کو لیکر بادشاہ نے بہت پریشانی اور ہراس کی حالت مین احمدنگر کو مراجعت کی۔ راستہ مین مرہٹون سے جو خوشی کے مارے پہولے نہ سماتے تھے لڑتے بھڑتے احمدنگر پہونچے۔ یہ وہی احمدنگر ہے جہانسے بیس برس پہلے بادشاہ بڑی امیدین دل مین قائم کرکے بڑی شان اور طاقت کی فوج لیکر روانہ ہوا تھا۔ اتنے عرصہ کی تکلیفون سے آخرکار بادشاہ کی تندرستی نے جواب دیدیا اور جب وہ شہر مین داخل ہوا تو اُسنے خود ہی یہ کہا کہ بس اب میرے سفر کا خاتمہ ہوگیا۔ اسوقت بیرہ بھی کہ اُسکو یہ یقین ہوچکا تھا کہ میرا وقت پورا ہوچکا ہے اُسکے مزاج کا شک اُسکی قدرتی محبت پر غالب تھا۔ اُسنے اپنے بیٹون کو دور ہی رکھا کہ کہین ایسا نہ ہو کہ جو سلوک مین نے اپنے باپ کے ساتھ کیا تھا وہی

میرے ساتھ بھی کیا جاے۔ وہ اکیلا ہی جیا اور اکیلا ہی مرنے کے
واسطے تیار رہا۔ اُسکے دل مین ایک غالی مسلمان کی طرح گناہون
اور نالایقیون کا خوف بے طرح سما گیا تھا اور اُسکو اپنے مذہبی خیالات
کی وجہ سے موت سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اُسنے اپنے مضطرب دل کی
حالت کا اظہار اُن خطون مین کیا ہے جو اُسکے بیٹون کے نام ہین اور
جن سے اُس شفقت کا اظہار ہوتا ہے جسکو اُسکے مزاج کا خشک پن بھی اُسکے
دل سے نہین نکال سکا تھا۔

شہزادہ اعظم کو لکھتا ہے کہ: "سلام علیکم وعلی من لدیکم۔ پیری
رسید وضعف قوی شد۔ قوت از اعضا برفت۔ یگانہ آمدم و بیگانہ
میروم۔ خبر از خود ندارم کہ کیستم و چہ کارہ ام۔ نفسے کہ بے ریاضت
رفت افسوس آن باقی ماند۔ ملک داری و رعیت پروری ہیچ از
من نیامد۔ عمر عزیز مفت رفت۔ خدا وند در خانہ دارم و روشنائی آن
در چشم تاریک خود نے بینم۔ حیات پایدار نیست و از نفس رفتہ نشانے
پدیدار نے۔ و از استقبال توقع مفقود۔ تپ مفارقت کرد و جرم و پوست
تنہا گذشت ..... لشکریان ہمہ بیدست و پا و سراسیمہ ہمچو من مضطرب

که از خداوند خود تنهائی گزیده درحالت اضطراب است و چون سیماب
بیقرار — نمے فہمند که صاحب نعمتے داریم — ہیچ با خود دنیا وردم و ثمرۂ گناہان
ہمراہ میبرم — نمیدانم که درچه عقوبت گرفتار خواہم شد — ہرچند نظر بر الطاف
و رحمت امید قویست اما نظر بر اعمال و افعال تفکر نمیگزارد — چون از خود
گذشتیم دیگرے کجا ماند — ہرچه باد ابادما کشتی در آب انداختیم — . . . .
الوداع — الوداع — الوداع۔"

اپنے جگر بند کام بخش کو لکھتا ہے کہ "فرزند جگر بند من . . . . حالاکه
از ہمه بیگانه میروم برے بضاعتی شما ترحم دارم — اما چه فائدہ — عذاب و
گناہ ہرچه کردم ثمرۂ آن برخود مے برم — عجب قدرت است که آمدم تنہا و
میروم باین قافله — . . . . ہرچه نظر میکنم جز خدا بنظر نمے آید — . . . .
گناہ بسیار کردم — نمیدانم بچه عذاب گرفتار خواہم شد — . . . . نشود که
مسلمانان کشته شوند و وبال برگردن این ناکارہ باشد — شما را و فرزندان
شما را بخدا مے سپارم و خود رخصت میخواہم — حالت اضطراب است —
اودیپوری والدۂ شما در بیماری با من بودہ ارادۂ رفاقت دارد . . .
والسلام۔"

جمعہ کے دن چوتھی مارچ ۱۷۰۷ء کو پچاس برس سلطنت کرکے نواسی برس کی عمر مین نماز فجر پڑھکر کلمہ پڑھتے پڑھتے شہنشاہ اورنگ زیب نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔ اُسنے وصیت کی تھی کہ "اِس بندۂ خاک کو سب سے قریب کے گورستان مین لیجانا اور دفن کرکے کوئی فضول شاندار مقبرہ نہ بنانا"۔ چنانچہ اُسکی نعش کو بڑی سادگی سے کچھ مسلمان اولیا کے مزارون کے قریب دولت آباد مین دفن کردیگئی۔

ایک مسلمان مورخ جو اورنگ زیب کی "عبادت وزہد وعدل و ہمت واستقلال وصائب الراے ہونے کا" مداح ہے لکھتا ہے کہ "جو منصوبہ اُسنے قائم کیا اُس سے کچھ فائدہ نہوا جو تدبیر اُسنے کی اُسمین ناکامی ہوئی"۔ اسمین شک نہین کہ اورنگ زیب کی زندگی کو ایک بڑی ناکامی سمجھنا چاہیے۔ مگر اُسکی ناکامی مین بھی ایک آن نکلتی تھی۔ اُسنے دنیا کو چھوڑکر ایمان کو اختیار کیا تھا اب دنیا نے بازی جیت لی۔ اُسنے جو راستہ اداے فرض کا اپنے واسطے مقرر کرلیا تھا اُسپر برابر ثابت قدم رہا حالانکہ اس راستہ پر چلنا بڑی ٹیڑھی کھیر تھا۔ دنیادار آدمی جو اُسکی کوتاہ نظری کی حکمت عملی اور اُسکے فقرا ور اُسکے حق کو دیکھتا ہے تو

بے اختیار تبسم آتا ہے - اورنگ زیب اگر دنیا دار بنکر کام کرتا تو وہ اپنے
راستہ مین پھول بچھے ہوے پاتا اور بہت آسانی کے ساتھ چل سکتا -
اُسکے واسطے یہی فخر کی بات ہے کہ وہ اپنی روح پر جبر نہین کر سکا اور
اپنے عقیدہ مین تزلزل نہین آنے دیا - وہ ایک توقع موہوم کے
واسطے زندہ رہا اور اُسی توقع مین مر بھی گیا - پس اگر استقلال کا صلہ
کسی ناکام رہنے والیکو بھی ملا ہے تو اورنگ زیب ضرور اُسکا مستحق ہے -
یہ ہندوستان کا غالی مذہب مسلمان اُس قسم کے لوگون مین سے تھا جنکے
سرون پر شہید مذہب کا تاج رکھا گیا ہے -

اُسکی عزت اُسی کی ذات کے واسطے تھی - اُسکی عالی مزاجی سے
اسی کو فائدہ پہونچا - اُسکی سلطنت عظیم کے حق مین تو اُسکے جوش اور
استقلال نے زہر ہلاہل کا کام کیا - اپنے آخر زمانے کے رقعون
مین اسنے اپنے بیٹون سے التجا کی ہے کہ آپس مین ایک دوسرے
سے لڑائی نہ کرنا - وہ لکھتا ہے کہ "انچہ بنظر مے آید طرفہ ہنگامہ برپا
شدنیست - ایزد متقلب القلوب توفیق حفاظت خلق اللہ کہ ودائع
بدائع خالق اند چراغ راہ سالکان طریق ریاست و ملک داری کناد"

اسکو اپنی پیش بینی سے کچھ اندازہ آیندہ مشکلون کا ہو گیا تھا کہ عزیز
واقارب کا کشت وخون ہوگا اور رعایا پر مصیبت آئیگی - مگر جو کچھ
اسکے بعد پیش آیا اُسکا اندیشہ اُسکے وہم وگمان مین بھی نہ تھا - اُس کی
خوش نصیبی تھی کہ مرتے وقت اُسکی آنکھون پر پردہ پڑا رہا اور اُسنے
وہ شرمناک اور ذلیل حالت نہین دیکھی جو اُسکے تخت کو بدنام
کرنیوالے جانشینون کے عہد مین ہوئی - نہ اُسنے دکن کے وحشی
حملہ آورون کا زور شور دیکھا نہ شمال کی افغانی اور ایرانی فوجون
کا جوش وخروش دیکھا نہ آخرکار اُن اجنبی تاجرون کی فتحیابی دیکھی
جنکی مشرق اور مغرب کی ابتدائی حالت پر ایکدفعہ اُسکی نظر پڑ چکی تھی -
جب سنہ ۱۸۰۳ء مین لارڈ لیک دہلی مین آئے ہین تو اُنھون نے ایک
ضعیف اندھے آدمی کو ایک ذلیل شامیانے کے نیچے بیٹھا دیکھا -
یہ تھا شاہ عالم بادشاہ تھا کہ مرہٹون کا قیدی تھا اور نام کے
واسطے ہندوستان کا بادشاہ کہلاتا تھا - برٹش جنرل نے بہت سنجیدگی
کے ساتھ اس مغلِ اعظم کے سایہ کو سلام کیا - اللہ اللہ کیا انقلاب
ہوا ہے - اکبر کی سلطنت کا اورنگ زیب کے تعصب نے جو حال

ہونا شروع ہو گیا۔* سنہ مذکور کے ماہ اپریل مین اورنگ زیب کو یہ خبر پہونچی کہ بنارس اور نیز ہندوؤن کے اور بڑے شہرون کے برہمن اپنے "دو برے علوم" اپنی ہی قوم والون کو نہین بلکہ مسلمانون کو بھی سکھاتے ہین۔ بھلا اورنگ زیب سا غالی مسلمان کب اسکی تاب لاسکتا تھا۔ مگر جو سختی کے کام اسنے کیے اُنسے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسکے لیے بہانہ ہی ڈھونڈھ رہا تھا کہ کسی طرح کوئی موقع ہاتھ آئے تو بدنصیب کافرون پر بلا کی طرح ٹوٹ پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ "اس ہادی اسلام نے سب صوبجات کے حاکمون کے نام فرمان جاری کر دیے کہ پورے طور سے مستعد ہو کر کافرون کے سب مدرسے اور مندر مسمار کر ڈالین اور سخت تاکید ہوئی کہ بت پرستی کے طریقہ کی تعلیم و تلقین بالکل بند کر دی جاے"۔ یہ ہرگز خیال نکیا جاے کہ ان احکام کی لفظ بلفظ

* سب سے پہلی روایت مذہبی ایذا رسانی کی مستعدخان کی کتاب عالمگیر مین ملتی ہے اور اسکی تاریخ ۱۷- ذیقعدہ ۱۰۷۹ھ (مطابق ۱۰- اپریل ۱۶۶۹ع) لکھی ہے مگر جب کہ اورنگ زیب نے اپنی سلطنت کے گیارھوین سال مین سرکاری طور پر وقائع سلطنت کے لکھے جانے کی ممانعت کر دی تاریخون کا کچھ ٹھیک پتہ نہین لگتا۔

تعمیل ہوئی ہوگی- انگریزی گورنمنٹ کی بھی یہ جرأت نہین ہوسکتی کہ
ہندوستان مین ایسے خطرناک تجربہ کی آزمایش کرے- ہان اسقدر
ضرور ہوا کہ چند بڑی بڑی نظیرین قائم کردی گئین تاکہ برہمنونکو تنبیہ
ہوجاے اور مسلمانون کو اپنا شاگرد بنانے سے باز رہین- اسی غرض
سے بنارس کا وشنوجی کا مندر مسمار کیا گیا اور متھرا کا ایک نفیس
مندر زمین کے برابر کردیا گیا اور اُسکی جگہ ایک عالیشان مسجد تعمیر
ہوئی- ان مندرون مین جو بُت ملے وہ آگرہ پہونچا دیے گئے اور
وہان مسجد کی سیڑھیون کے نیچے دفن کردیے گئے تاکہ پکے مسلمان
اُنکو اپنے پانوُن کے نیچے پامال کرکے اپنا دل خوش کرین-

تین برس بعد ہندون کا مذہبی جوش اسطرح ظاہر ہوا کہ چار پانچ
ہزار آدمیونکا ایک فرقہ جو اپنے تئین ست نامی کے لقب سے مشہور کرتا تھا میوات
مین بغاوت پر اُٹھ کھڑا ہوا اور شاہی افسرون کو اس فرقہ کے زیر
کرنے مین بہت دقت پیش آئی- لڑائی شروع تو یون ہوئی تھی کہ ایک
سرکاری شحنہ نے کسی کو ایک طمانچہ ماردیا تھا- مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس
فرقہ کے دل مین رنج کی آگ عرصہ سے سلگ رہی تھی کہ اتنے سے

خفیف اشتعال پر اُسکا شعلہ بھڑک اُٹھا۔ ہزارون ستنامی جمع
ہو گئے اور اہلکارون سے انتقام لینے پر کمر باندھکر نارنول پر قبضہ
کر لیا اور محصول وصول کرنے لگے اور ضلع کا انتظام بھی اپنے ہاتھون
مین لے لیا۔ معمولی بیرونجات والی فوجون کو کئی دفعہ شکست دی۔
دہلی سے بھی کئی دفعہ فوج بھیجی گئی مگر باغیون نے مقابلہ کر کے انکو بھی
مار بھگایا۔ "کہا جاتا تھا کہ ان لوگون پر تلوار اور تیر اور بندوق کی گولی
کا مطلق اثر نہ ہوتا تھا اور جو تیر یا گولی وہ چلاتے تھے اس سے دو دو
تین تین آدمی گر پڑتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہو گیا کہ یہ لوگ سحر کے عامل ہین
اور انکے پاس جادو کے چوبی گھوڑے ہین جو مثل جاندار گھوڑون
کے کام دیتے ہین اور اُنپر انکی عورتین سوار ہو کر فوج کے ہراول حصہ
مین رہتی ہین*"۔ آس پاس کے راجپوتون اور ہندوون مین بھی بغاوت
کا جوش شروع ہو گیا اور باغیون کی جماعت روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔
اورنگ زیب نے دیکھا کہ اُسکی فوج غنیم کے جادو کے ڈر سے
بیدل ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ اُسنے ٹھان لی کہ تا پاک اسمائے اعظم سے

---

* منقول از تاریخ خفی خان۔

جادو کا توڑ کرے۔ اُسنے چند متبرک آیات لکھکر اپنے فوجی جھنڈون پر
سلوادین۔ اورنگ زیب کے دل مین توغالباً اس عبارت کی
کہ "ببرکت اسم اعظم مین ان لوگون کو تباہ کردونگا" اسیقدر وقعت
رہی ہوگی کہ اِس سے اُسکے جوش کا اظہار ہوتا ہے مگر سپاہیون
کا یہ اعتقاد ہوگا کہ یہ الفاظ قرآنی غنیم کے سحر کے رد کرنے مین ضرور
کارگر ہونگے۔ ایرانی سردار جو ہندوون سے لڑنے پر اُدھار
کھائے بیٹھے رہتے تھے سپہ سالار بنے اور شاہی فوج بلاے بیدمان
کی طرح باغیون پر ٹوٹ پڑی اور تھوڑی ہی دیر مین قتل عام
مچادیا۔ ست نامی جان بکف ہو کر تازیانہ جوش کے ساتھ لڑے
مگر انجام جو ہونا تھا وہی ہوا۔ ہزارون آدمی مارے گئے اور
بغاوت فرو ہوگئی۔

اورنگ زیب کو ہندوون کے ساتھ اپنی پہلی حکمت عملی پر
عود کرآنے کے میلان مین جو درجہ بدرجہ ترقی ہوئی اُسکے سبب
اور اثر کا پتہ لگنا بہت مشکل ہے۔ اپنی سلطنت کے گیارھوین سال
مین اُسنے یکایک یہ حکم دیدیا کہ وقائع نگاری کا دستور جو اکبر کے

وقت سے چلا آتا تھا اور شاہی مورخ بہت تفصیل کے ساتھ سب حالات قلمبند کرتے رہتے تھے وہ یکقلم موقوف کر دیا جائے۔ تاریخ لکھنے کی قطعاً ممانعت ہوگئی۔ جو تاریخین ہمارے ہاتھ لگی ہین وہ بھی خفیہ طور پر لکھی گئی تھین یا دلون مین محفوظ تھین۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب حالات کچھ عجب طرح کے ابتر اور غیر منتظم طریقے کی اتفاقی اور ناتمام یادداشتون کا رنگ دکھلاتے ہین۔ غالب ہے کہ اُس سلسلہ کے بھی چند واقعات نایاب ہوگئے ہین جو ۱۰۶۹ھ کے سنہ ومندرون کے پہلی خرابی سے شروع ہوکر چند سال بعد کافرون پر جزیہ لگانے پر ختم ہوا۔* ست نامیون کی بغاوت کا واقعہ منجملہ اُن چند واقعات کے ہے جو اُن خفیہ طور پر لکھنے والے مورخون نے محفوظ رکھے ہین

* ڈاکٹر فرائر صاحب نے ہنود کے اِس نئے محصول کا ذکر ۱۶۷۶ع مین لکھا ہے وہ لکھتے ہین کہ ہر برہمن کو ایک اشرفی ادا کرنی پڑتی تھی۔ منوچی نے لکھا ہے کہ اس محصول کے کئی درجے تھے۔ غربا کے واسطے ادنی درجہ کا محصول ساڑھے تین روپیہ تھا اور اعلی درجہ کا محصول جو تاجرون سے وصول کیا جاتا تھا اُس کی تعداد ساڑھے تیرہ روپیہ تک پہونچ جاتی تھی۔

جو قدرتی طور پر اس بات سے متنفر تھے کہ "ناپاک کافرون" کے
کارنامے لکھ لکھکر اپنے قلم کو روسیاہ کرین - ایک اور بھی واقعہ ہے
جو بادشاہ کے جسونت سنگھ کی اولاد کے معاملہ مین دخل دینے
سے متعلق ہے -

ایک طاقتور راجہ کے مرنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہندوون پر
اور زیادہ زیادتی ہو - اور اورنگ زیب کی یہ خواہش کہ وہ راجپوتون
کے خانگی معاملات مین دخل دے اس بات کی علامت ہے کہ
اب وہ اپنے تئین اس قابل سمجھنے لگا تھا کہ سارے ہندوستان مین
خالص اسلامی سلطنت قائم کردے - دہلی مین جزیہ کے پھر لگائے جانے
پر جو ناراضی کا اظہار ہوا تھا اُسکی وجہ سے وہ اپنے ارادہ مین ڈگمگایا
نہین - لوگون نے اُسکے محل کے پاس جمع ہوکر بہتیرا شور اور واویلا
مچایا مگر مطلق کارگر نہوا - اورنگ زیب نے اس زمانہ مین اوقات
معینہ پر جھروکہ مین بیٹھنا اور رعایا کے مجرے لینا بھی چھوڑ دیا تھا
کیونکہ اُسکے غالی مذہبی خیالات کے مطابق رعایا کا اُسکے سامنے
جھکنا بھی داخل بت پرستی تھا - مگر وہ چاہے جسقدر خلوت مین جا بیٹھا ہو

اور رعایا کے سامنے ہونے کی اُس عادت سے پرہیز کیا ہو جسنے
اُسکے باپ کو اسقدر ہر دل عزیز کر دیا تھا یہ نا ممکن ہے کہ اُسکو یہ معلوم
ہو گیا ہو کہ اس نئے قانون سے کسقدر برہمی ہو رہی ہے۔ جب
وہ مسجد کو جانے لگا تو بہت سے فریادی اور نیز بلوائی ہندوؤن
نے مجمع کر کے اُسکا راستہ روک لیا۔ اور اگرچہ اُسکے ہاتھی ان لوگونکو
کچلتے ہوے بڑھ گئے تاہم وہ اُس سخت نفرت کو زیر نہین کر سکا جو
تعصب مذہبی کے اس نئے طریقہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ راجپوت
کنورون کے ساتھ جو برتاؤ بادشاہ کی طرف سے ہوا اُس سے
یہ ناراضی کی چنگاریان اَور بھی بھڑک اُٹھین۔ بادشاہ نے یہ کوشش
کی کہ جسونت سنگھ کے دونون بیٹے تعلیم کے واسطے دہلی پہونچا دیے
جائین اور اُسکی نگرانی مین تعلیم پائین اور مسلمان ہو جائین۔
بھلا راجپوت کب اسکی تاب لا سکتے تھے۔ اُنکی جان نثاری اور
اُنکا غرور دونون اسکے مانع تھے کہ وہ اپنے موروثی سرداروں
کے واسطے یہ ذلت گوارا کرین۔ جب ان لوگون کو یہ خبر لگی کہ
متعصب بادشاہ نے پُرانے طریقۂ محمدی کو از سر نو زندہ کر کے

ہر شخص پر جو مذہب اسلام کا پیرو نہ ہو وہ محصول لگایا ہے جس سے
اکبر کو بڑی نفرت تھی اور جسکی طرف شاہجہان کا ذہن کبھی منتقل
نہین ہوا تو اُنکی ناراضی کی کوئی حد نہ رہی انھون نے ہیں
محصول کی مخالفت کی اور ایسا انتظام کیا کہ مارواڑ کے کنورون
کو ایسی جگہ پہونچا دین کہ بادشاہ کو اُنپر دسترس نہ رہنے پائے۔
اس سلطنت کی سب سے پہلی بڑی بغاوت یہی تھی۔ اور جو اس بغاوت
کا باعث تھا اُسکو یہ ہرگز معلوم نہ تھا کہ اُسکی تعصبانہ حکمت علی کے
کیا کیا نتیجے ہونگے۔ اُسنے فوراً راجپوتانہ پر چڑھائی کردی اور وہان
پہونچکر یہ حال کھلا کہ منجملہ تین بڑی بڑی ریاستون کے اودے پور
یعنی میواڑ اور جودھپور یعنی مارواڑ اُسکے خلاف متفق ہوگئی ہین
اور صرف راجہ رام سنگھ والی جے پور آمبر اب تک تخت شاہی کا
طرفدار ہے۔ راجپوتون نے پچیس ہزار سوار جنمین سے اکثر جودھپور
کے راٹھور تھے میدان مین رکھے۔ اور اگرچہ یہ لوگ اکثر اپنی
پہاڑیون مین بھگا بھگا دیے گئے تاہم کبھی پورے طور پر زیر نہین
ہوئے۔ کبھی کبھی یہ حالت بھی ہو جاتی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ ان لوگون کو پورا فیصلہ کر دینے والی فتح نصیب ہو جائیگی اور
بادشاہ کا رنگ پھیکا نظر آتا تھا۔ بادشاہ لڑائی کے احکام خود اجمیر سے
صادر کرتا تھا۔ اسنے اپنی فوج کے بڑے حصہ کا سردار اپنے چوتھے
بیٹے اکبر کو کیا تھا۔ اور معظم اور اعظم دونون بڑے بیٹون کو بھی دکن
اور بنگالہ کی حکومت سے مع ضروری فوج کے بلا لیا تھا۔ تینون
شہزادے راجپوتون کے ملک کو تاخت و تاراج کر رہے تھے اور
اورنگ زیب صرف ایکہزار جوان لیے ہوے اجمیر مین پڑا تھا کہ یہ
خبر آئی کہ راجپوت سردارون نے اپنی چالاکی سے شہزادۂ اکبر کو
بہکا کر اپنی طرف کر لیا اور وہ غنیم کی بڑی فوج مین جا ملا ہے اور
اپنے تئین بادشاہ ہندوستان مشہور کرتا ہے۔ اور یہی نہین بلکہ
ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہ اب ستر ہزار فوج لیکر اپنے باپ سے مقابلہ
کرنے کو آرہا ہے۔ شاہجہان کی حالت کی تصویر اورنگ زیب کی
آنکھون کے سامنے آگئی ہوگی۔ اور اُسنے سمجھ لیا ہوگا کہ اب میری باری
ہے کہ اپنے حوصلہ مند بیٹے کے واسطے جگہ خالی کردون۔ مگر اس نازک
وقت مین بھی استقلال نے اُسکا ساتھ نہ چھوڑا۔ اُسنے شہزادۂ معظم کو

طلب کیا کہ جسقدر فوج جمع ہو سکے اُسکو لیکر میری مدد کو آؤ اور تدبیر جنگ کی شطرنج مین حریف کو مات کر دینے والی چال چلا۔ اُسنے باغی شہزادے کے نام ایک شقہ لکھا اور اُسمین یہ مبارکباد دی کہ شاباش تمنے خوب راجپوتوں کو دہوکہ دیا اور اُنکو خوب دام مین لائے۔ اور تدبیر یہ کی کہ یہ قلعی کھول دینے والا شقہ راستے ہی مین کسی باغی راجہ کے ہاتھ لگجائے۔* اس تدبیر کا نتیجہ امید سے زیادہ ظہور مین آیا۔ مغلیہ فوج کے باغی پھر شاہی جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور اُنکا سپہ سالار تہور خان بھی خجل اور متاسف ہوکر واپس آیا اور فوراً تہ تیغ کر دیا گیا۔ راجپوتی فوج کا نام و نشان بھی نرہا اور شہزادہ اکبر پانچ سو ہمراہیون کے ساتھ دکن کو بھاگ گیا (جون سنہ ۱۶۸۱ع) اور راہڑی کے مرہٹہ سردار کا مہمان ہوا۔ اور آخرکار

* خفی خان کو اس قصہ کی صداقت مین کلام ہے۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ کسی تدبیر سے اورنگ زیب نے اپنی طرف کے باغیون کو پھر اپنی طرف ملا لینے کی کوشش ضرور کی۔ اور شقہ کا بھیجنا بھی اسیقدر قرین قیاس ہے جسقدر کوئی اور تدبیر ہو سکتی ہے۔

جہاز پر سوار ہوکر ایران چلا گیا اور پھر کبھی اُسکو اپنے آباو اجداد کے
ملک مین قدم رکھنا نصیب نہ ہوا۔
راجپوتی سانپ چٹیلا ضرور ہوگیا تھا مگر مرا ہرگز نہ تھا۔ اُن کے
سرداروں اور مذہب کی جو بے عزتی اور توہین ہوئی اور اُنکے
ملک مین جو اورنگ زیب نے لڑائی مین بڑی سفاکی اور غیر ضروری
سختی سے کام لیا تو اُنکے دلون مین ایسے زخم ہوگئے جو کبھی مندمل
نہ ہوسکے۔ وہ قوم جو آغاز سلطنت مین دولت مغلیہ کا داہنا بازو
سمجھی جاتی تھی اب ایسی دشمن ہوگئی کہ ملاپ کی توقع ہی اُٹھ گئی۔
اور پھر اس قوم نے کبھی بغیر بے اعتمادی کے تخت کا ساتھ نہ دیا سلسلہ لڑائی
جاری رہی۔ مغلون نے اُدے پور کے زرخیز خطون کو تباہ کر ڈالا
اور راجپوتون نے مسجدون کو مسمار کرکے اور مسلمانون کو ذلیل
کرکے اپنے دلون کا بخار نکالا۔ شہر البتہ اورنگ زیب کے ہاتھ مین
تھے مگر پہاڑی دَرّون مین بہت سے غصہ مین بھرے ہوئے دشمن
جمع تھے اور جب موقع پاتے تھے ضرور اپنے دشمنون کو نقصان پہونچا
جاتے تھے۔ آخرکار رانا اُدے پور نے جسکا راجپوتی فرقون مین

سب سے زیادہ نقصان ہوا تھا اورنگ زیب سے عزت و آبرو
کے ساتھ صلح کرلی - اورنگ زیب نے بھی اسکو غنیمت سمجھا کیونکہ
وہ بھی لڑائی سے تھک گیا تھا اور اپنی پوری توجہ معاملات دکن
کی طرف مبذول کرنی چاہتا تھا - صلحنامہ مین منحوس جزیہ کا ذکر ہی
نہین کیا گیا - رانا نے تھوڑا سا ملک اُس نقصان کے بدلے مین
لیا جو شہزادہ اکبر کی طرفداری کرنے سے اُسکو پہونچا تھا -
جسونت سنگھ کا بیٹا یعنی جودھپور کا خُرد سال راجہ اپنے باپ
کے راج کا وارث تسلیم کرلیا گیا - لیکن اگرچہ اس صلح کی بدولت
اورنگ زیب کو آبرو کے ساتھ واپس آجانے کا موقع مل گیا مگر
مغربی راجپوتون کے دل ٹھنڈے نہ ہوے - حتیٰ کہ خود رانا سے
اُدیپور تھوڑے ہی دنون بعد صلحنامہ کے خلاف اپنے ہاتھی پر
سوار ہوکر مستعد بجنگ ہوگیا اور سلطنت کے آخر زمانہ تک سواے
جیپور اور مشرقی حصۂ ملک کے سارا راجپوتانہ باغی رہا - یہ نتیجہ ہے
تعصب مذہبی کا - اگر اورنگ زیب شرک پر محصول نہ لگاتا اور
راجپوتون کی عزت و آبرو کے پیدایشی خیالات مین دخل نہ دیتا

تو اب بھی یہ راجپوت برابر اُسکا ساتھ دیتے اور دکن مین جو لڑائیان
اُسکو لڑنی تھین انمین بڑے بڑے کام کرتے۔ مگر اُسنے تو ہمیشہ کے
واسطے اُنسے بگاڑ کر لیا۔ جیسا کہ جے سنگھ کے زمانہ مین ثابت ہوگیا اب
کوئی راجپوت راجا ایسا نہ رہگیا تھا جو پھر اپنے جانباز پہاڑیون کو لیکر
سلطنت مغلیہ کے تخت کی حمایت مین لڑنے جاتا۔ جب تک یہ غالی
متعصب بادشاہ تخت اکبری پر رہا کسی راجپوت نے نام کو بھی اسے
مددی۔ اور اورنگزیب کو اپنے جنوبی دشمنون سے بغیر اپنے
داہنے بازو کے لڑنا پڑا۔

نوان باب

دکن

دکن کی ایک پُرانی مثل چلی آتی ہے کہ "ہنوز دلی دور است"
اور بہت سے ہندوستانی بادشاہون کو لینے اس جنوبی صوبہ کی ناقابل
اصلاح سرکشی سے عہدہ برا ہونے مین اس مثل کی تصدیق ہو چکی
ہے۔ دکن کا صوبہ قدرتی طور پر اس قابل نہین واقع ہوا ہے کہ اُسکا
کوئی تعلق ہندوستان سے رہے۔ وندھیا اور ست پُڑا کے پہاڑ اور
نربدا دریا تین قدرتی سدین بیچ مین حائل ہین اور وسطی ہندستان
کی مُسطح سرزمین کو دریاے گنگ اور اُسکی شاخون سے سیراب ہونیوالے
میدانون سے جُدا کرتی ہین۔ اِسی سے دہلی کے بادشاہون کو یہ سبق
لے لینا چاہیے تھا کہ عقل کی بات یہی ہے کہ اپنے ہی ملک پر قابض رہین۔
مگر دکن کی سرزمین زرخیز تھی۔ وہان کی دولت اور زر و الماس کے
افسانے مشہور تھے۔ اور شمالی سرزمین کے سب بڑے بڑے فرمانروا

اِس پہاڑی سرحد کی طرف دیکھتے تھے اور اُنکا جی للچاتا تھا کہ اسکے آگے جو زرخیز خطہ ہے اُسمین داخل ہون۔ مگر اسمین داخل ہونے مین خطرہ بھی بہت تھا۔ دکن کے فتح کرنے کے معنی یہ تھے کہ بیٹھے بٹھائے ہندوستان کے ہاتھ سے کھو دینے کا کھٹکا مول لین۔ کیونکہ جو شخص اُن دکھنی لوگون پر چڑھائی کرے جو مشرقی اور مغربی گھاٹون کے بیچ مین رہتے تھے اُسکے واسطے یہ بھی تو اندیشہ تھا کہ وہ دکن والونکو اُتر کا راستہ تبلائے دیتا ہے۔

پہلا مسلمان بادشاہ جسنے سارے دکن کو تخت دہلی سے وابستہ کیا محمد بن تغلق تھا جو چودھوین صدی مین فرمانروا تھا۔ اسکی تیزی طبع اور جھک دونون اس بات سے ظاہر ہوتی ہین کہ اُس نے ایک نیا دارالسلطنت قائم کیا اور عجیب طرح سے بنی بنائی آبادی سے اسکو آباد کیا۔ اُسنے یہ بات تو دانشمندی کی کی کہ وسط مین واقع ہونے کے خیال سے دیوگڑھ کو انتخاب کیا۔ کیونکہ کم از کم اُس زمانہ مین کہ نہ ریل تھی نہ تار برقی دکن کے فرمانروا کا وہین رہنا مناسب تھا۔ اور بیدانشی کی حرکت یہ کی کہ اِس نئے دارالسلطنت کا نام دولت آباد

رکھکر دہلی کی ساری آبادی وہان بسنے کے واسطے روانہ کر دی -
اسکی وفات کے ساتھ شمال کے جنوب پر تسلط رکھنے کا زمانہ بھی ختم
ہوگیا اور ایک بڑے افغانی خاندان والے بہمنی بادشاہون نے
دکن پر قبضہ کرلیا - پندرھوین صدی کے خاتمہ کے قریب ان لوگون
کی بڑی مملکت مین پانچ سلطنتین علٰحدہ علٰحدہ قائم ہوگئین - ان
سلطنتون مین سب سے بڑی یہ تین سلطنتین تھین - قطب شاہی
گولکنڈہ مین - عادل شاہی بیجاپور مین - نظام شاہی احمدنگر مین -
ان سلطنتون پر مغل بادشاہون کی للچائی ہوئی نظرین اکثر پڑتی
رہین - مگر یہ بات اورنگ زیب ہی کیواسطے مقدر تھی کہ وہ سب سے
پہلا مغل بادشاہ ہو جو ان شہرون کو زیر کرکے انمین داخل ہو -

اکبر بڑا دوراندیش تھا اُسنے دکن کے معاملات مین زیادہ
دخل نہین دیا - اُسے بس اسیقدر مقصود تھا کہ وہ خود دکن کے حملہ
سے محفوظ رہے - چنانچہ اسی خیال سے اُسنے خاندیش کی ویران سرحدی
مملکت کو اپنی سلطنت مین شامل کرلیا تھا اور آسیر گڑھ کے پہاڑی
قلعہ پر قبضہ کرلیا تھا تاکہ ان مقامات سے اپنی جنوبی سرحد کی قرار واقعی

حفاظت کر سکے - برار بھی اُسی نے فتح کیا تھا اور احمد نگر کا قلعہ بھی
لے لیا تھا - جب تک اُسکی سلطنت رہی اس آگے بڑھجانے کی
حکمت عملی سے کوئی نقصان نہیں پہونچا - بیجاپور اور گولکنڈہ کے
بادشاہون پر اُسکی دلیری کا سکہ بیٹھ گیا اور انھون نے اپنی نیک نیتی
کا یقین دلانے کے واسطے سفیر بھیجے اور خراج دینے پر راضی ہوگئے -
اسمین البتہ کچھ کلام ہے کہ آیا یہ بات زیادہ قرین عقل نہ ہوتی کہ وہ
اپنے ملک کی سرحد دریاے نربدا پر قائم کرتا - اُسنے نظیر ایسی قائم
کی تھی جس سے اُسکے جانشینون کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوا - اور
ایک صدی سے زیادہ ہی زیادہ عرصہ تک یہ حالت رہی کہ صوبۂ
دکن کا حاکم جو برہانپور اور اُسکے آس پاس کے ملک پر حکمران ہوتا
تھا برابر اس کوشش مین لگا رہتا تھا کہ اپنی حکمرانی کی حدود کو
وسعت دے اور نظام شاہی عادل شاہی یا قطب شاہی زمین
دبائے - جسکا نتیجہ یہ تھا کہ سرحد پر رہنے والون کو کبھی امن سے رہنا
نصیب نہ ہوا - جہانگیر کے زمانہ مین بھی یہ کوشش جاری رہی مگر
مغلون کا فائدہ نہوا - احمد نگر ایک دفعہ نکل گیا مگر پھر ملگیا - جب

شاہجہان تخت طاؤس پر بیٹھا تو تینون جنوبی خاندان والے اپنے اپنے ملک کے بیشتر حصون پر قابض تھے اور مغلی صوبہ مین خاندیش اور برار۔ اور احمدنگر کے قلعہ کے سوا بہت ہی تھوڑا سا ملک رہ گیا تھا۔ نئے بادشاہ نے جو اپنے عنفوان شباب کے زمانہ مین اِسی صوبۂ دکن مین اپنی سپہ سالاری کے جوہر دکھلا چکا تھا اس لڑائی کو پھر تازہ کیا۔ نظام شاہی نسل کا چراغ گل کردیا اور گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہون کو مجبور کیا کہ سالانہ خراج (جو عموماً غیر معین اوقات پر ادا ہوتا تھا) ادا کرین اور اُسکی اطاعت کرین۔

جب یہ قابل یادگار کامیابیان تکمیل کو پہونچی ہین اُس زمانہ مین شہزادہ اورنگ زیب دکن کا نائب السلطنت تھا۔ جیسا کہ اِس سے پہلے ذکر آچکا ہے شہزادۂ مذکور کی یہ پہلی سرکاری خدمت تھی اور ۱۰ مئی ۱۶۳۶ء کو وہ اسپر مامور ہوا تھا۔ اور اُسوقت اٹھارھوین برس مین تھا۔ اُسکے موقع پر پہونچنے سے پہلے ہی لڑائی کا خاتمہ ہوچکا تھا اور اُسکو محض اسیقدر کرنا باقی تھا کہ نظام شاہی خاندان کے آخری وارث کو اپنے اور رشتہ دارون سے ملنے کے واسطے گوالیار کے

قلعہ مین پہونچا دے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ مین دکن مین چونسٹھ قلعے تھے جنمین سے ترپن پہاڑیون مین تھے۔ چار صوبے تھے۔ دولت آباد جسمین اُسکا پُرانا دارالحکومت احمدنگر بھی شامل تھا۔ تلنگانہ۔ خاندیش۔ اور برار جسکا دارالحکومت ایلچپور تھا۔ پورے دکن کی مالگزاری پانچ کرور شمار کیجاتی تھی۔ یا یون سمجھیے کہ پچپن لاکھ پونڈ کے اوپر ہی اوپر تھی۔ اورنگ زیب کی پہلی حکمرانی کے زمانہ مین صرف اسیقدر اضافہ ہوا کہ ۳۸-۱۶۳۷ء کے موسم سرما مین بگلانہ کی مملکت جو خاندیش اور مغربی گھاٹ کے درمیان مین واقع تھی باجگزار ریاست ہوگئی۔ جون ۱۶۴۴ء مین نائب السلطنت نے پیشۂ فقیری اختیار کیا اور اپنے عہدہ سے معزول کردیا گیا۔

بارہ برس کے بعد اورنگ زیب پھر دکن مین آیا۔ افغانستانی لڑائیون سے اُسکی توجہ دوسری طرف ہوگئی تھی۔ اس عرصہ مین دکن مین امن وامان رہا۔ شاہجہانی افسر صوبجات دکن کی پیمایش مین مصروف تھے اور بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہ اسمین خوش تھے کہ نہ ہم مغلون کو چھیڑین نہ مغل ہمکو چھیڑین۔ دونون برابر خراج

دیے جاتے تھے اور اسکے صلہ مین صرف اسقدر خواہشمند تھے کہ امن
وعافیت سے رہنے پائین - مگر یہ نائب السلطنت کب اس خواہش
کو پورا کرنیوالا تھا - وہ اپنے فقیری خیال کے خواب سے بیدار ہوچکا
تھا اور افغانستان کی لڑائی کے تجربہ سے اُسکا پیدائشی شوق
ملک گیری کا تازہ ہو گیا تھا - اس بات نے کہ دکن کے بادشاہ
شیعون کے ملحد فرقہ کے تھے اور حضرت علیؑ کو مانتے تھے اُسکے دلی
ارادون کو جہاد کے جوش کی صورت مین بدل دیا - اس زمانہ سے
اپنے مرنے کے زمانہ تک وہ ایک لمحہ کے واسطے بھی اس خواہش
کو نہین بھولا کہ جو سلطنت کسی زمانہ مین محمد بن تغلق کے پاس رہچکی
ہے اُسپر قبضہ کرلے - آخرکار اُسکا حوصلہ بڑھتا ہی چلا گیا - یہانتک
کہ پورے چھبیس ۲۶ برس تک اُسنے ہندوستان مین قدم ہی نہ رکھا
اور بالآخر اُسکی امیدین بھی اُسکی نعش کے ساتھ اسی سرزمین مین
دفن ہوگئین جسپر اُسکی سی فولادی طبیعت بھی تسلط نہ بٹھا سکی تھی -
اپنے حوصلہ کی اس منزل کی طرف جسپر پہونچنا اُسکے نصیب ہی
مین نہ تھا اورنگزیب نے پہلا قدم یون اُٹھایا کہ خواہ مخواہ کو

عبداللہ والی گولکنڈہ پر حملہ کر بیٹھا۔ حیلہ یہ تھا کہ کچھ اندرونی جھگڑا
پڑا ہوا تھا حالانکہ اُس جھگڑے سے مغلون کو کوئی تعلق نہ تھا مگر یہان
تو مطلب کام نکالنے سے تھا۔ میر جملہ وزیر گولکنڈہ ایرانی نسل سے
تھا اور الماس فروشی کا پیشہ کرتا تھا اور اپنی بیحد قابلیت اور بیشمار
دولت کے باعث اس مرتبہ کو پہونچا تھا۔ اُسکی عادت یہ تھی کہ اپنی
ہیرے کی کانون کی آمدنی بورون مین بھروا بھروا کر بورے شمار
کرلیا کرتا تھا اور اسی دولت کی چربی کے استعمال سے کامیابی کی
گاڑی کے پہیے نہیز تیز چلتے تھے۔ علاوہ اسکے وہ اعلیٰ درجہ کا سپہسالار
بھی تھا اور کرناٹک مین جو لڑائیان ہوئین اُنسے علاوہ ناموری کے
بہت سا خزانہ بھی اسکے ہاتھ لگا تھا۔ ان دونون چیزون کی خواہش
مین اُسنے اپنے تئین بُت پرستی کا دشمن قرار دیا تھا اور سارے جزیرہ نما
کے ویران مندر اور ٹوٹے ہوئے بُت اُسکے کبھی نہ ختم ہونیوالے جوش
کی گواہی دیتے تھے۔ ایسے شخص سے اورنگ زیب کو ہمدردی کرنیکی
بہت سی وجوہ تھین۔ اور جب میر جملہ اپنے بادشاہ سے بگڑکر مغلون
سے حمایت کا طالب ہوا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے کہ اُسکی

بہت آؤبھگت ہوئی اور وہ منصب پنجہزاری پر ممتاز کیا گیا۔
اس قابل قدر رفیق کے ملجانے سے اورنگ زیب کو اپنے کام مین
اور بھی جوش بڑھگیا اور جو جو نقصان اس رفیق کو پہونچے تھے اُنکی
تلافی کی طرف متوجہ ہوا۔ اُسنے اپنے فرزند اکبر "نونہال باغ کامرانی"
شہزادہ محمد کو بھیجا کہ میر جملہ کی طرف سے اُسکے پہلے بادشاہ سے داد
کا طالب ہو (جنوری ۱۶۵۶ع) اور اپنے ارادون کو اسقدر کوشش
بلیغ کے ساتھ مخفی رکھا کہ حیرت زدہ بادشاہ کو مشکل سے اسقدر وقت
مل سکا کہ غنیم کے اپنے شہر مین پہونچ جانے سے پہلے اپنی دارالحکومت
بھاگ نگر سے (جو بعد مین حیدرآباد کے نام سے موسوم ہوا) بھاگ کر
گولکنڈہ کے پاس والے قلعہ مین پناہ گزین ہوا۔*

پھر اورنگ زیب بذات خاص آگے بڑھا اور گولکنڈہ کا محاصرہ
کر لیا۔ جب شاہ دکن نے پہلا حملہ کیا تو وہ اپنے لڑائی والے ہاتھی پر
سوار ہوکر مغل سوارون کو اسطرح بڑھالایا کہ غنیم کو پسپا کردیا۔ عبداللہ نے

* یہ حال برنیر کا لکھا ہے۔ خفی خان نے اس دغابازی کا کوئی ذکر نہین کیا۔ بخلاف
اسکے کاٹرو نے اسکو اپنے معمولی طریقہ کے مطابق بہت زیادہ دور دیکر لکھا ہے۔

جواہرات کی کشتیاں اور زیورات سے لدے ہوے گھوڑے اور ہاتھی
نذر بھیجے کہ کسیطرح محاصرہ کرنیوالے کا مزاج رو براہ ہو جاے۔ مگر کوئی
تدبیر کارگر نہوئی۔ اورنگ زیب صلح کے پیغام سنتا ہی نہ تھا۔ شاہ دکن نے
آخری تدبیر سمجھکر یہ التجا کی کہ اجازت ہو جاے کہ میری والدہ حضور مین
حاضر ہو کر سفارش کرین مگر اورنگ زیب نے ملاقات سے انکار کیا۔
ہر طرف سے مایوس ہو کر شاہ دکن بھی خوب لڑا۔ تاہم محاصرہ اور زیادہ
تنگ کیا گیا۔ اور جب شایستہ خان سرداران مالوہ کو لیکر شہزادہ کی
کمک کے واسطے آن پہونچا تو عبداللہ نے اپنے فاتح کی ذلیل کرنیوالی
شرائط کو مان کر اطاعت کر لی۔ وہ راضی ہو گیا کہ بطور اظہار باجگزاری
شاہجہان کا نام اُسکے سکّہ پر کندہ کیا جاے۔ اپنی بیٹی کی شادی
اورنگ زیب کے بڑے بیٹے سے کردے اور ایک قلعہ جہیز مین دے
اور ایک کرور روپیہ سالانہ خراج بادشاہ کو ادا کیا کرے۔ اگر اورنگ زیب
اپنی مرضی کے مطابق کاربند ہو سکتا تو ان شرائط کی کبھی نوبت نہ آنے
پاتی۔ مگر شاہجہان کو اپنے بیٹے کی کامیابی پر رشک ہو چلا تھا اور
اُسکو اپنے بیٹے کے دکن مین بہت زیادہ ذی اختیار ہو جانے سے

اندیشہ تھا۔ اُدھر دارا ہمیشہ سے اپنے بھائی کی ناموری سے خار کھاتا
تھا اور اُسکی حوصلہ مند طبیعت کا زور توڑنے کی فکر مین رہتا تھا۔
اُسنے بھی اپنا سارا زور اسمین صرف کیا کہ اپنے معمر باپ کو جو اُور بیٹون سے
بہت جلد بدگمان ہوجاتا تھا اورنگ زیب کے خلاف برانگیختہ کردے۔
اورنگ زیب کے نام تاکیدی فرمان پہونچے کہ فوراً گولکنڈہ سے چلے آؤ۔
شہزادہ اِسکی فیہ توجّو بی سمجھ گیا۔ مگر اُسنے ابھی سے انحراف کرنا مناسب
نہین خیال کیا۔ اگر یہ مزاحمت نہ ہوئی ہوتی تو تیس برس پہلے ۱۶۵۶ء
ہی مین گولکنڈہ سلطنت مغلیہ مین شامل ہوگیا ہوتا۔ اور بعد مین
جو خونریزی اور بدامنی ہوئی وہ کچھ بھی نہوتی۔ بہرحال اس صورت
مین سوا اسکے چارہ ہی کیا تھا۔ اورنگ زیب نے عین اُسوقت
کہ جب جیتنے کا یقین ہوچکا تھا شاہ دکن سے صلح کرلی اور اورنگ آباد
چلا آیا کہ جسے اُسنے اپنے صوبہ کا دارالحکومت بنایا تھا۔ اور یہان
بیٹھکر دارا کی رنجش کو اپنے دلمین پکایا کیا اور میرجملہ کے ساتھ ملک گیری
کے منصوبے سوچتا رہا۔

اس سوچ بچار کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرجملہ نے جو اب معظم خان کے

خطاب سے سرافراز ہوچکا تھا خود آگرہ کا سفر کیا اور بذات خاص
شاہجہان سے دکن کی سلطنت مین ملا لینے کی گفتگو کی۔ اُسنے
مغل اعظم کو دکن کے خزانون اور دولت کے افسانے سُنائے۔
وہان کی سلطنتون کی کمزور حالت دکھلائی اور عرض کیا کہ پرتگالی
کافر جو ساحل ملیبار پر آباد ہو گئے ہین اُنکو نیست ونابود کر کے
جہان پناہ بہت نام روشن کرینگے۔ یہ بھی کہا کہ دولت مغلیہ کو
تو اُسوقت تک قرار سے بیٹھنا ہی نہ چاہیے جب تک کہ ہمالیہ
سے لیکر راس کماری تک اُسی کا تسلط نہ ہو جاے۔ اس چالاک
ایرانی نے اپنی لسانی ہی پر بھروسہ نہین کیا بلکہ ایک بے بہا ہیرا
بھی نذر مین پیشکش کیا۔ یہ ہیرا دریاے کرشنا کے کنارے کی کان
کالور سے نکلا تھا اور یہی کوہ نور کے نام سے مشہور تھا پہلے اسنے
تاج مغلیہ کی زینت بڑھائی۔ پھر نادر شاہ کے ذریعہ سے ایران
پہونچا۔ وہان سے احمد شاہ دُرّانی افغانستان مین لایا۔ وہانسے
رنجیت سنگھ کے ہاتھ آیا۔ اور جب ۱۸۴۹ء مین پنجاب کی ضبطی عمل
مین آئی تو تاج انگلستان مین لگا دیا گیا۔ اس بیش بہا تحفہ کی مدد سے

میر جملہ کی تقریر کارگر ہوئی اور شاہجہان نے دکن کی فوج کے اضافہ کا بھی حکم دیدیا تاکہ غیر سلطنت سے پورے طور سے مقابلہ ہوسکے۔ دارا اخیر تک اپنے بھائی کی طاقت کے بڑھا دینے کی مخالفت کرتا رہا مگر اسکو محض اسیقدر کامیابی ہوئی کہ بجاے اورنگ زیب کے یہ نئی فوج میر جملہ کے تحت مین رہے اور سالار مذکور اپنے خاندان والون کو بطور کفیل آگرے مین چھوڑ جاے۔ اس سپہ سالاری کے تبادلہ سے کوئی فرق نہین ہوا۔ میر جملہ نے فوراً اپنی فوج اورنگ زیب کی فوج سے ملادی اور دونون کو ایک کردیا۔ اور یہ متفقہ فوج اس غرض سے روانہ ہوئی کہ عادل شاہ والی بیجاپور سے بدر کامل چھین لے۔ کلیانی اور گلبرگہ فتح ہوگئے اور بیجاپور کے فتح کرلینے کا بھی سامان ہوگیا تھا کہ شاہجہان کی سخت علالت کے باعث اورنگ زیب کو اور بڑے بڑے معاملات کی طرف متوجہ ہونیکے واسطے وہانسے چلا آنا پڑا۔

شمالی ملک کی شکاون اور تخت نشینی کی لڑائی اور سلطنت کے جانے کی کوشش مین نئے بادشاہ کو سات برس لگ گئے

اور مطلق فرصت اسکی نہوئی کہ وہ معاملات دکن کی طرف متوجہ ہو۔ اس عرصہ مین دکن مین ایک اور قوم عروج کو پہونچ گئی۔ اس قوم کی ابتدا ایسی مبتذل اور محتاجی کی حالت سے ہوئی تھی کہ کوئی شخص یہ پیشین گوئی نہ کرسکتا تھا کہ آگے چلکر یہی قوم ایسی طاقت ور ہوجائیگی۔ خلاصہ یہہ ہے کہ اب مرہٹے یہ ظاہر کرنے لگے تھے کہ ہم بھی کوئی چیز ہین۔

یہ مشہور ہندو قوم اُس حصۂ ملک مین آباد تھی جو بحر ہند اور دریاے واردا کے درمیان مین واقع ہے۔ انکی شمالی سرحد پر کوہستان پڑا کا سلسلہ حائل تھا۔ اور مغربی ساحل پر یہ لوگ گوا کے جنوب تک آباد تھے۔ انکی طاقت کا دارومدار اُن ناممکن التسخیر قلعون پر تھا جو اُس مغربی گھاٹ مین بنے ہوے تھے جو اُس سرزمین سے اونچا ہوتا گیا ہے جو دکن کے بیچون بیچ مین ہوکر خلیج بنگالہ تک چلی گئی ہے۔

وہ سارے گھاٹ مین اور آس پاس کے پہاڑون کے اوپر جاکر اکثر ایک صاف چٹان کی دیوار ملتی ہے۔ اور اسکے اونچے اونچے

مقامات اور پہاڑیون کے اندر گھسے ہوئے حصّون کے بلجانے سے
قدرتی قلعے بنجاتے ہین۔ محنت صرف اسی قدر کرنی پڑتی ہے کہ کیطرح
اُس ہموار جگہ تک پہونچ جائین جو عام طور سے چوٹی ہی پر واقع ہوتی
ہے۔ بہت سے والیان ملک نے مختلف مواقع پر ان مقامات سے
فائدہ اُٹھایا ہے۔ ان لوگون نے چٹانون مین سیڑھیان بنالی ہین
یا چکر کی سڑکین کاٹ لی ہین اور اندر داخل ہونے کے مقام پر کئی کئی
پھاٹک لگا دیے ہین جسطرف سے چڑھ آنے کا اندیشہ ہوا اُس طرف
مینارین بنا دی ہین اور پھر گھاٹون اور اُنکی شاخونکے قریب کے سارے
ملک مین قلعے قائم کر دیے ہین اور یہ قلعے ایسے ہین کہ اگر انسے برابر
کام نہ لیا جاے تو حصن غیر مدخل ہی سمجھے جائین*۔"

گھاٹون اور سمندر کے بیچ مین وہ حصّہ ملک کا واقع ہے جو کانکن
کے نام سے مشہور ہے۔ اسمین بڑی گہری گہری گھاٹیان اور آبشخور ہین۔
انکے ذریعہ سے پہاڑی سلسلہ کی چٹانون اور جنگلون سے نکل کر سمندر
کے قریب کی اُس شاداب سرزمین مین پہونچ جانا ممکن ہے جہان چشمے

* دیکھو ایلفنسٹن صاحب کی ہسٹری آف انڈیا (مطبوعہ ۱۸۶۶ء) صفحہ ۶۱۵۔

ریت سے دیکھے ہوے خلیج مین جا کر گرتے ہین۔
سمندر کے کنارے کی ٹوٹی ہوئی اور پیچدار زمین کے شاندار کرارے اور انکی عظیم الشان چوٹیان ایسی کیفیت پیدا کرتی ہین کہ انکی شان اور خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان بلندیون پر بڑے شاندار جنگل لگے ہوے ہین اور دور تک نیچے کے ویران ملک مین چلے گئے ہین اور میلون تک ان درختون کا گھنے بڑھنے والا سایہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے پہاڑون مین سے تیز تیز چشمے نکلتے ہین اور بڑے زور کے ساتھ سمندر کی طرف بہتے چلے جاتے ہین اور ساحل کی ناہموار زمین کو کاٹتے جاتے ہین۔ گرمیون کے موسم کے سوکھے ہوے نالے بھی مینھ پڑ جانے پر تھوڑی ہی سی دیر مین گہرے اور ناممکن العبور چشمون کی طرح ہو جاتے ہین۔ ان ملکون کے طوفان بھی غضب کے ہوتے ہین۔ بارش اس قدر کثیر اور موسلا دھار ہوتی ہے کہ ہندوستان کے اور سب مقامات سے کہین زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ملک کے بیشتر حصہ مین سڑکین کہین نہین ہین۔
جنگلی درختون کی کثرت اور یہان کی زمین کی خاصیت دونون

سڑکین بنانے کی مانع ہین*

گھاٹ اور کانکن دونون وحشی جانورون اور وحشی مزاج مرہٹون کے محفوظ جاے پناہ تھے۔

اورنگ زیب کی سلطنت سے پہلے کبھی ان لوگون کا تذکرہ تاریخ مین لکھنے کے قابل نہین ہوا۔ یہ لوگ مثل نیچے درجہ کے بہت سے ہندوون کے صلح جو اور غریب کسان تھے اور اپنے حاکمون سے اب تک کوئی سرکشی نہ کی تھی۔ انکے سردار یعنی گانون کے مکھیا سودر ہوتے تھے کہ وہ چارون قومون مین سب سے نیچے درجہ کی قوم ہے۔ اور عام رعایا بھی تھی تو سودر ہی مگر اپنے آپ کو راجپوت نسل مین شمار کرتے تھے اور شریف قوم چھتری ہونے کے دعویدار تھے امن و امان کے زمانہ مین مرہٹے اُس قوم کی سی خوشحالی کا لطف

* ترجمہ از انڈیا آن دی ایو آف دی برٹش کانکویسٹ (۱۸۷۰ء) مصنفہ سڈنی اوین صاحب۔ ڈاکٹر فرائر نے اپنی کتاب نیو ایکاونٹ آف انڈیا (۱۶۹۸ عیسوی) مین اپنے گھاٹون پر چڑھنے کا بہت دلچسپ حال لکھا ہے۔

اُٹھاتے تھے جسکی کوئی تاریخ نہین ہوتی - لڑائی ہوئی تو اُن کے سوتے ہوے جوہر چونک پڑے اور تھوڑے ہی عرصہ مین اُنھون نے اپنے چہرون سے اپنا نام تاریخ ہندوستان کے صفحون پر بہت گہرا کندہ کردیا۔

ایلفنسٹن صاحب لکھتے ہین کہ "یہ لوگ چھوٹے قد کے مضبوط آدمی ہوتے ہین - جسم اچھے ہوتے ہین مگر خوبصورت نہین ہوتے - سب کے سب بہت ہوشیار محنتی جفاکش اور مستقل مزاج ہوتے ہین اگر ان لوگون مین راجپوتی غرور اور عزت نہین ہے تو ساتھ ہی اسکے یہ بھی ہے کہ یہ راجپوتون کی طرح سست اور دنیاوی عقل سے بے بہرہ بھی نہین ہین - راجپوت سورما جب تک قوم کی بے عزتی کی بات نہ آن پڑے اُس لڑائی کے نتیجہ سے بالکل بے پروا ہوتا ہے جسمین وہ لڑ رہا ہے - مرہٹہ کو سوائے نتیجہ کے اور کسی بات کا خیال نہین ہوتا - اور اگر اُسکی غرض حاصل ہوجائے تو اُسکو اس سے کچھ بحث نہین ہوتی کہ کس ذریعہ سے وہ غرض حاصل ہوئی - اپنی غرض پوری کرنے کے لیے وہ اپنی عقل سے

کام لیگا راحت وآرام چھوڑ دیگا اور اپنے جسم کو خطرہ مین ڈالدیگا مگر اُسے اپنی جان کے قربان کر دینے کا خیال نہین آتا اور نہ عزت کے خیال سے اپنے مقصد سے دست بردار ہونا چاہتا ہے۔ ان خیالات کے فرق سے دونون قومون کی ظاہری صورت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ معمولی سے معمولی راجپوت کی صورت پر بھی ایک طرح کا وقار برستا ہے اور بڑے سے بڑے مرہٹہ کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام لوگونمین سے ہے"

مگر انہی عامیانہ صورت مرہٹون نے فرمانروایان ہندوستان کو عام اس سے کہ وہ مغل ہون یا انگریز مغرور رخاندانکے راجپوتون سے کہین زیادہ پریشان کیا۔ بادشاہ بیجاپور پر یہ الزام رہیگا کہ وہی اس مصیبت کی حکمت عملی کا بانی مبانی ہوا اور اس جفاکش قوم کو آیندہ کے کشت وخون کے واسطے تعلیم دیکر تیار کیا۔ اُسکی رعایا مین زیادہ حصہ مرہٹون کا تھا اور اُنکی زبان جو سنسکرت کی ایک شاخ ہے اُسکی سلطنت کے محکمۂ مال کے دفتر کی زبان ہوگئی۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ اُسکی فوج مین نوکر ہوے۔ پہلے قلعونمین

رہے - پھر رسالون مین بھرتی ہوے - اور سوارون کا کام بہت خوبی کے ساتھ انجام دینے لگے - انہین سے بعض بعض بیجاپور اور گولکنڈہ مین بڑے بڑے عہدون پر پہونچ گئے - اِن عہدہ دارون مین ایک شخص سب سے زیادہ سربرآوردہ ہوا - یہ شاہ جی بھوسلا حاکم پونا وبنگلور تھا - یہی شاہ جی بھوسلا اُس سیواجی کا باپ تھا جو مرہٹہ طاقت کا بانی مبانی تھا -

دسوان باب

سیواجی مرہٹہ

سیواجی ماہ مئی سنہ ۱۶۲۷ء مین پیدا ہوا تھا اور اپنے بڑے دشمن اورنگ زیب سے آٹھ برس چھوٹا تھا۔ اُسنے پونا مین اپنے باپ کی جاگیر پر پرورش پائی تھی اور وہین سے اُسکی بہادری اور ہوشیاری کا شہرہ ہو چلا تھا۔ اور چالاکی اور عیاری مین تو وہ شیطان کا بیٹا اور دغا کا باپ سمجھا جاتا تھا۔ وہ پاس کے گھاٹون کے وحشی پہاڑیون سے ملتا رہتا تھا اور اُنسے اپنے ملک کے گیت اور بہادریون کے قصّے سُن سُن کر خود بھی اس آزاد اور بیباک طرز زندگی کا عاشق ہو گیا تھا۔ اگر وہ اُنکے ساتھ قزاقی کے کامون مین شریک نہین ہوا تو کم از کم اُنکے ملک مین ہر طرف پھرتا ضرور رہا اور گھاٹون کے سب رستون اور موڑون سے واقف ہو گیا۔ اُسنے دیکھا کہ سرکار بیجاپور پہاڑی قلعون سے یا تو بالکل ہی غافل ہے یا اُنہین بہت ہی تھوڑے سے

نگہبان رکھ چھوڑے ہین - چنانچہ اُسنے ٹھان لی کہ انپر قبضہ کرلے
اور بہادرانہ طرز سے ڈاکہ زنی کرکے ڈاکوون کا نام بھی تاریخ مین
لکھواوے - اُسنے سب سے پہلے ٹورنا کا قلعہ جو پونا سے بیس میل
پر واقع ہے یکایک لے لیا - اور پھر قلعہ پر قلعہ بڑھاتا گیا اور سلطنت
بیجاپور والے مطلق خبر نہ ہوسے ۱۶۴۸ء مین اُسنے یہانتک
دست درازی کی کہ شاہی خزانہ کے راہبان فوج سے خزانہ رکھوالیا
اور سارے شمالی کانکن مین اپنا تسلط جمالیا - چند سال بعد
اُسنے گھاٹون کے اور زیادہ جنوب کے ملک کے حاکم کو قتل کراڈالا
اور سارا ملک لیکر جو قلعے موجود تھے اُنپر قبضہ کرلیا اور نئے قلعے
تعمیر کرائے - مثل ابوالقرق کے وہ مسلمانون کے مقابلے مین
ہندوون کا حامی بنکر اُٹھ کھڑا ہوا کہ مسلمانون سے جسکو فی الواقع
بہت سخت نفرت تھی - اور اُسکی حکمت عملی اور اُسکی حد سے بڑھی
ہوئی مذہبی پاسداری نے عوام کی نظرون مین اُسکو بہت عزیز بنادیا
اور باوجود اسکے کہ وہ رشوت بہت لیتا تھا سب کے سب اُسکا ساتھ
دینے پر آمادہ ہوگئے -

اب تک سیواجی نے اپنی لوٹ مار والی بیجاپور ہی کی عملداری تک محدود رکھی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا برابر ادب کیا جاتا تھا۔ اور ۱۶۴۹ء مین اس مرہٹہ نے اپنی پولیٹکل دانائی یون ثابت کی کہ عادل شاہ کو اسطرح انتقام لینے سے باز رکھا کہ شاہجہان کے پاس کہلا بھیجا کہ مین آپ کی خدمت کے واسطے جان و دل سے حاضر ہون اور اسکے صلہ مین پنجہزاری منصب پر سرافراز ہو گیا۔ ۱۶۵۷ء مین شاہان دکن اور اورنگ زیب سے جو لڑائیان ہوئین تو اس لٹیرے کے جی مین بھی گدگدی پیدا ہوئی اور دونون فریقون کو ایک دوسرے سے لڑنے مین مشغول پا کر اُسنے موقع غنیمت سمجھا اور جونیر پر چڑھ دوڑا۔ مگر اورنگ زیب کی کامیابیون کو دیکھکر اُسکی بھی آنکھین کھل گئین اور سمجھ گیا کہ مین یہ چال غلط چلا ہون۔ اور جلدی سے اپنی تقصیر کی معذرت کی۔ اور قصور معاف کرا لیا۔ اورنگ زیب تاج سلطنت کی فکر مین شمال کی طرف کوچ کر نیوالا تھا۔ اُسے اتنی مہلت ہی کہان تھی کہ یہان کٹھرے اوراس ذلیل اور حقیر لٹیرے کو سزا کو پہونچاتا۔

ملکی لڑائی مین جو کئی برس لگے اور ہندوستان کا نظم و نسق
بد لتا رہا تو سیواجی کو بڑے بڑے موقعے ملے اور اُسنے کسی موقع کو
ہاتھ سے نہ دیا۔ خورد سال بادشاہ سکندر نے جو تھوڑا ہی عرصہ ہوا
تخت بیجاپور پر بیٹھا تھا اس گستاخ باغی کو ٹھنڈا کر دینے کی بہتیری
کوشش کی مگر سب بے سود ہوئی۔ سنہ ۱۶۵۹ء مین جو فوج اُسپر یلغار
کرکے گئی اُسکی قسمت مین شکست فاش لکھی ہوئی تھی۔ اُس کا
سپہ سالار بڑی دغابازی کے ساتھ مارا گیا۔ سیواجی خوب جانتا تھا
کہ طاقتور غنیم سے میدان مین مقابل ہونے کا میرا منھ نہین ہے۔ وہ
خوب سمجھتا تھا کہ کس موقع پر ہمت کے بجاے چالاکی کو کام مین لانا
چاہیے۔ اور جب مسلمان دشمن سے مقابلہ ہو تو اُسکو عزت اور
ایمانداری کا بھی خیال نہین ہوتا تھا۔ جب افضل خان نے
فوج کثیر لیکر گھاٹون کے قلعون اور جنگلون پر چڑھائی کی تو اِس
مرہٹے نے بڑی عاجزی اور انکسار سے کام لیا اور بہت بہت
معذرت چاہی۔ اور اپنی ارادتمندی کے اظہار کی غرض سے
تخلیہ کی ملاقات کا طالب ہوا۔ اور کہلا بھیجا کہ سپہ سالار صاحب

بھی اکیلے آئین مین بھی اکیلا حاضر ہونگا۔ یہ قصہ اُس طریقہ کا مُشتے
نمونہ از خروارے ہے جسپر عمل کرکے مرہٹے برسرعروج ہوے تھے۔
افضل خان بہت کچھ سیواجی کی عاجزی سے متاثر ہوا اور کسیقدر
اُسکے تحائف کی وجہ سے بھی پسیجا۔ غرض یہ کہ ملاقات پر راضی ہوگیا۔
اُسکو تو اپنے دشمن کی ایمانداری پر بھروسہ تھا مرہٹون کے قلعہ کے
نیچے جو مقام ملاقات کا تجویز ہوا تھا وہان نہتّا پہونچا۔ اور اپنے
ساتھیون کو ایک تیر کے فاصلہ پر پیچھے چھوڑکر اس عذرخواہ سے ملنے
اکیلا گیا۔ سیواجی قلعہ سے اکیلا اُترا۔ مگر عاجزی کے مارے جھکا جاتا
تھا اور خوف کے مارے لرز رہا تھا۔ تھوڑی دور چلتا تھا اور ٹھہر جاتا
تھا اور اپنے آقا یعنی بادشاہ کے خلاف جو جو نمکحرامیان کی تھین اُنکا
اقرار کرکے اپنے آپ کو نفرین کرتا تھا۔ وہ خوف کے مارے اُسوقت
تک قریب نہین آیا کہ افضل خان نے اپنی پالکی کے کہارون کو کچھ
فاصلہ پر نہین ہٹا دیا اور اُس جنگل مین بالکل اکیلا نہین ہوگیا۔ اس
سپاہی کے دل کو بھلا اس کانپتے ہانپتے شخص سے کیا دہشت ہوتی
جو روتا ہوا آکر اُسکے پاؤن پر گر پڑا۔ اُسنے اُسے پکڑکر اُٹھایا اور چاہتا تھا

کہ مشرقی طریقہ کے مطابق بغلگیر ہوکہ یکایک فولاد کے چنگلون مین
پھنس گیا۔ مرہٹہ ہاتھون مین شیر پنجہ لیے ہوے تھا۔ اسکے پنجے استرہ
کی طرح تیز ہوتے ہین۔ اُسکا معانقہ کیا تھا بلاے بے درمان تھی۔
افضل کے مُنھ سے آواز بھی نہ نکلی۔ وہین کا وہین ٹھنڈا ہوگیا۔
تب اس مرہٹہ نے حملہ کا بگل بجایا اور مسلح ڈاکو ہر درخت اور چٹان
سے نکلکر بیجاپوریون پر ٹوٹ پڑے کہ وہ بیچارے بیخبری کی حالت
مین بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے سپہ سالار کی واپسی کا انتظار
کر رہے تھے۔ لڑنے کا خیال ہی فضول تھا۔ سنگ آمد و سخت آمد
کا مضمون تھا۔ مگر خیر ان لوگون کو یہی غنیمت معلوم ہوا کہ غنیم نے اُنکے
ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔ سیواجی کا مطلب تو حاصل ہو ہی گیا تھا۔
اور بیفائدہ خونریزی کرنا کبھی اُسکا شیوہ نہ تھا۔ اُسنے سبکو پناہ دی
اور مغلوب سپاہی سب اُسکے جھنڈے کے نیچے ہوگئے۔ اُسکے واسطے
یہی کافی تھا کہ اُسنے سب اسباب پایا جنس پائی خزانہ پایا گھوڑے
پائے ہاتھی پائے۔ اور پھر بیسود خونریزی نہین ہونے پائی۔
بیجاپور سے اُسکی سرکوبی کے واسطے پھر فوج آئی اور پھر شکست

خاش کھاکر واپس گئی۔ اسکے بعد والی دکن نے اسکو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور یہ نئی فوج بھرتی کرنے لگا نئے قلعے بنانے شروع کر دیے اور جسطرف مزاج مین آیا لوٹ مار کرتا رہا۔ اسکی غارتگری درجہ بدرجہ ترقی کرتی گئی مگر سخت قواعد کی پابندی برابر ملحوظ رہی۔ وہ قافلون اور کاروانون کو گرفتار کرکے مال و دولت لے لیا کرتا تھا مگر مسجدون کی بیحرمتی اور عورتون کی بیعزتی کسیطرح روا نرکھتا تھا۔ اگر قرآن لوٹ مین آتا تھا تو اُسے بہت ادب کے ساتھ کسی مسلمان کی نذر کر دیتا تھا۔ اگر عورتین گرفتار ہوتی تھین تو جب تک زرفدیہ ادا کرکے کوئی اُنکو چھڑا نہ لے وہ برابر اُنکی حفاظت کرتا تھا سیواجی تام کو بھی شہوت پرست یا وحشی مزاج نہ تھا۔ مگر غنیمت کی تقسیم مین اُسکی ہوس بہت بڑھی ہوئی تھی۔ معمولی چیزونکا تو پانیوالا ہی مالک ہوتا تھا مگر نقدی سونا چاندی جواہرات اور اطلس و زربفت برابر سرکار مین داخل ہو جاتے تھے*۔

اب سیواجی کی شمالی عملداری ساحل بحری پر ڈھائی سو میل

---

* منقول از تاریخ خفی خان۔

سے اوپر پہونچ گئی تھی اور کلیانی سے لیکر پرتگالی عملداری گوا کے
قریب تک اُسی کا دوردورہ تھا۔ گھاٹون کے مشرقی جانب
پونا سے لیکر دریاے کرشنا کے کنارے مرچ تک سب اُسی کا تھا۔
اور بعض بعض مقامات پر اس مشرقی عملداری کا عرض بھی تاسویل
کا تھا۔ عملداری تو کچھ بہت بڑی نہ تھی مگر اسی عملداری مین فوج کی
تعداد پچاس ہزار جوانون سے اوپر تھی اور یہ فوج بڑے استقلال
وہمت کے ساتھ جمع کیگئی تھی۔ اپنے پہاڑی جنگلون کے شیر کیطرح
سیواجی گھات مین بیٹھا رہتا تھا اور جب موقع ہوتا تھا تو جست
کرکے شکار پر آ ٹوٹتا تھا۔ اُسکی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہا
درجہ کا چالاک تھا اور یہ بھی تھی کہ وہ حملہ کرنیمین بہت دلیر تھا۔

اسکو اپنے مشرقی پڑوسی والی بیجاپور سے تو کوئی کھٹکا رونہین
گیا تھا اور خوب جی بھر کے اُسکی عملداری مین لوٹ مار کرچکا تھا۔
اب اُسکا جی چاہتا تھا کہ غارتگری کے واسطے نئے نئے مقامات ملین ۔
ہندو لوگ اُسکے دوست بنگئے تھے اور لوٹ مار کا موقع بہت کم
دیتے تھے۔ چنانچہ وہ اب شمال کی طرف عملداری مغلیہ پر متوجہ

ہوا۔ اب تک اُسنے یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ اپنے آقا کو ناراض
نہ کرے مگر اب اُسنے اپنے آپ مین لڑائی کا بوتا دیکھ لیا۔ اس کی
لوٹ مار کی کبھی نہ بجھنے والی پیاس مغلی اضلاع مین خوب سیراب
ہوئی۔ اور اگرچہ وہ دار الحکومت پر حملہ کرنے سے اس خیال سے
باز رہا کہ مبادا بادشاہ اُسکو نیست و نابود کر دینے کے واسطے لڑائی
پر اٹھ کھڑا ہو تاہم اُسکے حملے پایۂ تخت اورنگ آباد کے دروازون
تک پہونچ گئے کہ یہ اورنگ آباد اس زمانہ مین سلطنت مغلیہ کا
دکن کا دار الحکومت تھا۔ اورنگ زیب کا ماموں شایستہ خان
دکن مین فرمانروا تھا۔ اُسکو حکم ہوا کہ ان ہنگامون کو فرو کرے۔
چنانچہ سنہ ۱۶۶۰ء مین وہ مرہٹون کا ملک لینے کے واسطے روانہ ہوا۔
اُسے معلوم ہو گیا کہ باوجود اسکے کہ ہندوستان کی اچھی سے اچھی
فوج اُسکے ساتھ تھی ان لٹیرون کا تباہ کر دینا جیسا آسان معلوم ہوتا
تھا ویسا نہین ہے۔ ہر قلعہ کے لینے کے واسطے محاصرہ رکھنا پڑتا
تھا اور بہت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا۔ مشتے نمونہ از
خروارے وہ حالات ذیل مین نقل کیے جاتے ہین جو خفی خان نے

سیواجی کے خاص قلعۂ چاکنا کی تسخیر کے لکھے ہین۔ •

"پھر فوج شاہی قلعۂ چاکنا کی طرف بڑھی اور اُسکی دیوارون اور برجون کی دیکھ بھال کے بعد خندقین کھود کر مورچہ باندھ لیا اور اپنی حفاظت کا سامان پورا کر کے قلعہ کے نیچے سرنگ ڈلانی شروع کر دی۔ اسطرح کے بندوبست کیے کہ کوئی دقیقہ تسخیر کی کوشش مین باقی نہ چھوڑا۔ اس ملک مین برسات پانچ مہینے کی ہوتی ہے اور بارش اس کثرت سے ہوتی ہے کہ کوئی گھر سے باہر نہین نکلتا۔ ایسی ایسی گھنگھور گھٹائین اُٹھتی ہین کہ دن کو رات ہو جاتی ہے اور اکثر چراغ جلانیکی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بغیر چراغ کی روشنی کے ہاتھ کو ہاتھ نہین سوجھائی دیتا۔ اگرچہ بندوقین بیکار ہو گئی تھین باروت خراب ہو گئی تھی کمانون کے چلّے اُتر گئے تھے تاہم محاصرہ بڑی سرگرمی سے قائم رکھا گیا اور توپون سے گولہ باری کر کے قلعہ کی دیوارین توڑ ڈالی گئین۔ محافظان قلعہ بہت تنگ اور پریشان ہو گئے۔ مگر پھر بھی اندھیری راتون کو نکل نکل کر مورچون مین آ جاتے تھے اور بڑی حیرت خیز دلیری سے لڑتے تھے۔ کبھی کبھی

قزاق کی باہر والی فوجین اندر والی فوج سے ملکر دن دہاڑے حملہ کرتی تھین۔ اور مورچون کی حالت بہت خطرہ کی ہو جاتی تھی۔ پچاس ساٹھ دن کے محاصرے کے بعد ایک برج جسکے نیچے سرنگ تیار ہو گئی تھی اُڑایا گیا۔ پتھر اور اینٹین اور آدمی کبوترون کی طرح اُڑتے نظر آئے۔ اسلام کے بہادر سپاہیون نے خدا پر بھروسہ کر کے دُعائین اپنے سامنے کین اور بڑے زور شور سے حملہ کیا اور بڑے استقلال سے لڑے۔ مگر کافرون نے قلعہ کے اندر ایک مٹی کی دیوار بنا رکھی تھی اور جا بجا مورچے قائم کر لیے تھے۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی اور بہت سے حملہ کرنے والے مارے گئے۔ مگر بہادر جوانون نے میدان سے ہٹنا پسند نہ کیا اور بغیر کچھ کھائے یا آرام کیے ساری رات اُسی خونی میدان مین کاٹ دی۔ آفتاب کے نکلتے ہی پھر حملے شروع کر دیے اور بہت سے محافظان قلعہ کو تہ تیغ کر کے بڑی ہمت اور استقلال سے اس قلعہ کو زیر کیا۔ محافظان قلعہ مین جو لوگ زندہ بچے وہ بالا حصار مین چلے گئے۔ اس حملہ مین شاہی فوج کے تین سو آدمی کام آئے۔ علاوہ اُن کاریگرون اور معمارون

وغیرہ کے جو محاصرہ کے کام پر تعینات تھے چھ سو سات سو سوار اور
پیادے پتھرون اور گولیون اور تیرون اور تلوارونسے زخمی ہوئے"
آخر کار بالاحصار والون نے اطاعت کرلی اور چاکن کا نام بدلکر
اسلام آباد رکھا گیا۔ مگر اسطرح کے محاصرون اور حملون سے جو فتح کا
فائدہ ہوتا تھا اُس سے نقصان کہین بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ عین اس زمانہ
مین جبکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ مغلون نے مرہٹون کے ملک کے
شمالی حصہ مین پورا تسلط جما لیا ہے اور سیواجی بھی پہاڑیون مین چھپکر
بیٹھ گیا ہے ایک ایسا اندھیر ہو گیا کہ سب کی آنکھین کھل گئین۔
شایستہ خان رات کے وقت پونا مین اپنے جاڑے کے گرم کمرون
مین سو رہا تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا دن بھر کے روزہ دار رات کا
کھانا کھا رہے تھے کہ یکایک قتل اور خونریزی کی آوازین آنے لگین
مرہٹے شایستہ خان کے ملازمون کے گلے کاٹ رہے تھے۔ یہ
لوگ پہرہ والے مکان مین گھس آئے اور جو لوگ سر کے نیچے تکیے
رکھے سو رہے تھے اُنکو یہ کہکر کہ "اسیطرح پہرہ دیا جاتا ہے" ختم
کر دیا۔ پھر مغلون کے نقارے لیکر اس زور شور سے بجانے شروع

کیے کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی - شایستہ کا بیٹا تو اسی
ہنگامہ مین مارا گیا - چند وفادار کنیزون نے سپہ سالار کو کسی طرح
گھسیٹ گھساٹ کر بہزار خرابی کھڑکی کے راستے نکالدیا -

یہ ذکر ہے سنہ ۱۶۶۳ع کا کہ جب فوج مغلیہ کو ان قزاقون کے زیر کرنیکی
کوشش کرتے ہوے پورے تین برس ہو چکے تھے - آیندہ کیحالت
اچھی نظر نہ آتی تھی - اور اور زیادہ خرابی اس سے پیدا ہو گئی کہ
مغل سپہ سالار نے اپنے ہمعصر جسونت سنگھ پر یہ الزام لگایا کہ یہ شبخون
اسی کی دغا بازی کے سبب سے ہوا - یہ راجہ پہلے بھی دغا دے چکا
تھا - بنگالہ کی سب سے بڑی لڑائی مین لڑائی سے ایک دن پہلے
اسنے شجاع کی طرف جا ملنے کی کوشش کی تھی - اسنے دارا سے
عہد و پیمان کیے تھے اور پھر اس بد نصیب شہزادے کو چھوڑ کر
اورنگ زیب کی طرف ہو گیا تھا - اور اسپر یہ بھی شبہہ تھا کہ روپیہ
کی طمع اسپر غالب ہے - مگر پونا کے معاملہ مین اسکے خلاف کوئی بات ثابت
نہین ہوئی - اور اورنگ زیب نے بھی یہ سمجھا کہ اس شخص کے
فن جنگ کی قابلیت اور اسکے راجپوت ہمراہیون کی بہت قدر

کرنی چاہیے اور خفیف سی بات پر اس سے بگاڑ لینا مناسب نہین ہے۔ چنانچہ شایستہ خان کو واپس بلا لیا اور بنگالہ تبدیل کر دیا* اور شہزادہ معظم بادشاہ کا دوسرا بیٹا دکن کو بھیجا گیا کہ راجہ جسونت سنگھ کے ساتھ رہ کر دکن مین حکمرانی کرے۔ سیواجی نے اس تقرر کی خوشی اسطرح پر منائی کہ چالیس دن تک (حسب بیان فرایر) سورت کو لوٹتا رہا (جنوری و فروری ۱۶۶۴ء)۔ سر جارج آکسنڈن نے البتہ بہت ناموری کے ساتھ اسکو انگریزی کارخانہ سے مار بھگایا مگر شہر سے بہت غنیمت اُسکے ہاتھ آئی۔ سچے مسلمان کے واسطے اس سے زیادہ غصہ دلانے والی اور کوئی بات نہین ہوسکتی تھی کیونکہ سورت باب الحج سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہ بدعت بھی سیواجی کی اس حرکت کے مقابلہ مین ہیچ ہوگئی کہ اُسنے ساحل پر جو قلعے بنا رکھے تھے اُن سے ایک بیڑہ جہازونکا اس غرض سے تیار کیا کہ اُن مغلی جہازون کو راستہ مین تباہ کرے

* شایستہ خان نے ۱۶۹۴ء مین ۹۳ برس کی عمر کو پہونچکر بنگالہ مین انتقال کیا۔

جنمین سے اکثر اُن حاجیون سے بھرے ہوے تھے جو مکہ معظمہ سے
حج کرکے واپس آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُس نو دولت
قزاق کی گستاخی کی کوئی حد ہی نہین رہی۔ اور اب چونکہ اُسکا باپ
مرچکا تھا اسلیے اُسنے راجہ کا خطاب بھی اختیار کر لیا تھا اور باوجودیکہ
ذلیل ہی طبقہ کا مرہٹہ تھا سکّون پر بھی اپنا ہی نام کندہ کرانے لگا تھا۔
سپہ سالار پھر بدلے گئے۔ جسونت سنگھ کے پُرانے حالات سے
اس شبہہ کو تقویت ہوئی کہ اُسنے غارتگران سورت کی طرف سے
باعث ہندو ہونے کے اپنی آنکھین بند کر رکھی ہین وہ وہانسے ہٹایا
گیا اور اُسکی جگہ راجہ جے سنگھ اور دلیر خان مشترکًا حاکم دکن مقرر
ہوے۔ اورنگ زیب کو کسی پر اسقدر بھروسہ نہ تھا کہ اُسکو اکیلا
چھوڑ دے۔ ایک شریک ضرور ساتھ کر دیتا تھا تاکہ ایک کو دوسرے
سے اندیشہ رہے۔ اور ایسی منقسم حکومت کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کام
بے اعتباری اور بیدلی سے ہوتا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسصورت
خاص مین جے سنگھ اور اُسکے رفیق نے بڑی مستعدی دکھلائی۔ پانچ
مہینے تک برابر یہ لوگ قلعون کے تسخیر کرنے اور ملک کو تاخت تاراج

کرنے مین مصروف رہے۔آخرکار سیواجی نے عاجز آکر جے سنگھ سے
مصالحت کی گفتگو شروع کردی اور اس بات سے بہت غیر معمولی حیرت
پیدا ہوئی۔مرہٹہ سردار محض اسی بات پر راضی نہین ہوگیا کہ اپنے
قلعون کے بیشتر حصہ سے دست بردار ہوجاے اور پھر بادشاہ کا تابع
فرمان ہوجاے بلکہ اُسنے یہانتک کیا کہ دہلی گیا اور بذات خاص
مغل اعظم کے دربار مین اس غرض سے حاضر ہوا کہ اپنے آقا کے حضور
مین حاضر ہوکر سر تسلیم جھکائے اور اُسکے صلہ مین حکومت دکن کا طالب
ہو کیس قدر دلچسپ تماشہ اُسوقت نظر آیا ہوگا کہ جب پرانز جاہ وحشم
دربار شاہی مین یہ دہقانی چھوٹے قد کا ''پہاڑی چوہا''
حاضر ہوا ہوگا۔

مگر اس ترکیب مین کامیابی نہوئی۔ یہ بات صاف ظاہر ہے
کہ اورنگ زیب نہین سمجھا کہ مجکو کیسے آدمی سے سابقہ ہے اور اُسنے
اس مرہٹہ کی مدارات مین جو پولٹیکل مصلحت بینی کے خلاف طریقہ
اختیار کیا وہ بہت عجیب ہے۔سارے ہندوستان بھر مین کوئی
والی ملک اور کوئی سپہ سالار دکن کی سلطنتون پر چڑھائی کرنیمین

بادشاہ کو اسقدر مدد نہین دیسکتا تھا جسقدر یہ وحشی پہاڑی دیتا جو آخرکار اُسکے پاس اظہار ارادتمندی کیواسطے حاضر ہوا تھا۔ ایسے شخص کو رفیق بنا لینے کے لیے جو جو مراعات کی جاتین تھوڑی تھین۔ مگر اورنگ زیب متعصب تھا اور بعض باتون کی اُسے جھک بھی ہو جاتی تھی۔ وہ اس بات کو کب دل سے بھلا سکتا تھا کہ سیواجی سخت متعصب ہندو ہے اور پھر اُسپر طرہ یہ کہ ایک ادنی درجہ کا قزاق ہے۔ اُسنے اس بات کی کوشش کی کہ اس مرہٹہ کو یہ دکھلا دے کہ اُسکی حقیقت کیا ہے۔ حاکم دکن مانا جانا تو درکنار دیوان عام مین تخت کے سامنے جو مجرائی حاضر ہوتے تھے اُنمین یہ بھی تیسرے درجہ کے افسرون کی صف مین کس مپرسی کے عالم مین کھڑا رہا*۔ اسطرح سخت ذلیل ہو کر یہ پستہ قد مرہٹہ شرم اور غصہ

* اس ملاقات مین کوئی بھید ضرور ہے۔ خفی خان نے لکھا ہے کہ کیا عجب کہ یہ بات ہو کہ اورنگ زیب کو اِس بات کا علم نہ ہو کہ جے سنگھ نے میری طرف سے بڑے بڑے وعدے سیواجی سے کر لیے ہین۔ برنیر اور منوچی اورنگ زیب کی سرد مہری کی تاویل یون کرتے ہین کہ جب یہ مرہٹہ حاضر ہوا تو شل شائستہ خان

سے پیچ و تاب کھاتا ہوا بغیر رخصت ہوے وہان سے چل دیا۔ بجاے اسکے کہ ایسے بڑے رفیق کو ملا لیتا اورنگ زیب نے اپنا جانی دشمن پیدا کر لیا۔

۳ کی بیوی کے اور بہت سی عورتون نے جنکے لڑکے مرہٹون کے ہاتھ سے مارے گئے تھے بڑا شور و واویلا مچایا۔ یہ تو بہت قرین قیاس ہے کہ سیواجی اس خوف سے دہلی سے بھاگا ہو کہ مبادا میرے مقتولون کے عزیز و اقارب مجھے قتل کر ڈالین مگر یہ سمجھ مین نہین آتا کہ عورتون کی فریاد سے اورنگ زیب نے یہ طرز مدارات کیون اختیار کیا۔ وہ ایسا شخص نتھا کہ کسی عورت کی خواہش پوری کرنے کو اپنے ارادہ مین نام کو بھی ڈگمگا جاتا۔ یہ افواہ کہ اُسنے چشم پوشی کر کے سیواجی کو بھاگ جانیکا موقع دیا تاکہ (جیسا کہ فرایر صاحب لکھتے ہین) اسطرح اُسکی جان بچا کر اُسکو دوست بنالے بالکل لغو اور بے اصل ہے۔ یقیناً اورنگ زیب کو یہ معلوم تھا کہ سیواجی کی دوستی سے زیادہ فائدہ سیواجی کی موت سے ہوگا۔ اور اُسکی دوستی کو وہ نظر حقارت سے دیکھتا تھا۔ اور بعد مین جو واقعات پیش آئے اُنسے بھی ظاہر ہے کہ سیواجی نے کبھی یہ نہین سمجھا کہ بادشاہ کی وجہ سے مین اپنی جان سلامت لیکر نکل آیا۔

اورنگ زیب کو بھی اپنی غلطی بہت جلد معلوم ہوگئی۔ سیواجی
باوجود اسکے کہ اُسکے مکان پر پہرہ تعینات تھا ایک ڈولی مین چھپکر نکل گیا
اور دربار کی نامبارک حاضری کے نوہی مہینے بعد ۱۶۶۶ء کے آخر
مین گھاٹون مین پھروہی پُرانا رنگ جما دیا۔ اُسنے دیکھا کہ مغلون
نے گھاٹون کے قلعون کو قریب قریب بالکل خالی چھوڑ رکھا ہے
اور بیجاپور کے بے سود محاصرے مین مصروف ہین۔ اسنے موقع
غنیمت سمجھا اور اپنے پُرانے قلعون کو پھر دبا بیٹھا۔ اِس زیادتی
کی سزا بھی اُسے نہین ملی کیونکہ ہندوون کا دوست اور رشوت
سے ہاتھ گرم کرنے والا جسونت سنگھ پھر دکن مین برسر حکومت تھا۔
اُسکی سفارش کا یہ اثر ہوا کہ ایک نیا صلحنامہ تیار ہوا اور اُسکی رو
سے سیواجی راجہ مان لیا گیا اور برار کی نئی جاگیر کے علاوہ اور
بہت سا ملک اُسکو مل گیا۔ والیان بیجاپور و گولکنڈہ نے بھی
مغلون کی اس ترکیب کی تقلید کی اور سالانہ خراج دینے کا وعدہ
کرکے مرھٹون کی طرف سے بیخوف ہو گئے۔ لڑائی اور لوٹ مار
بند ہو گئی تو سیواجی نے رایگڑھ کی بلند پہاڑی پر اپنا دارالحکومت

بنایا جو بعد مین راے گڑھ کے نام سے مشہور ہوا - یہ مقام جنجرہ
کے ٹھیک پورب مین واقع ہے - اور یہان بیٹھے بیٹھے مرھٹہ
سردار اپنی سلطنت کے استحکام کی فکرین کرتا رہا - اُسکی فوج
بہت عمدہ طور سے مرتب تھی اور افسر بہت اچھے تھے سپاہیونکو
تنخواہین معقول ملتی تھین - جاگیردار تنخواہین نہین دیتے
تھے - سرکار سے تنخواہ ملتی تھی - اور لوٹ مار مین جو خزانہ ملتا تھا
وہ سرکار کا ہوتا تھا - اُسکے مالی اہلکار تعلیم یافتہ برہمن تھے کیونکہ
مرھٹے بالکل ناخواندہ تھے - فوج اور حکومت مین کفایت اور
انتظام مین انصاف اور دیانت داری یہ باتین ایسی تھین جنکی
وجہ سے اِس نامور مرھٹہ کی حکومت بہت ممتاز رہی -

اورنگ زیب نے شاید پہلے تو کسیقدر کوشش مصالحت
کی کی مگر تھوڑے دنون مین رنگ بدل گیا اور کھلم کھلا لڑائی
ٹھن گئی - شاید اُسنے جسونت سنگھ کو اسی امید پر مامور کیا تھا
کہ یہ سیواجی کو پھر پھسلا لیگا - بہرحال یہ منصوبہ چلا نہین - اب
اورنگ زیب کو معلوم ہوگیا کہ مین نے دہلی مین خلاف مصلحت

بہت زیادہ شان کی لیکر اپنا بڑا دشمن جانی بنا لیا ہے۔ ادھر اس
مرہٹہ کو اپنی پرانی غارتگری کی زندگی پر عود کر آنے مین کوئی تامل
نہین ہوا۔ اُسنے اپنے بہت سے پُرانے قلعے پھر لیے اور ۱۶۷۰ء مین
پھر سورت پر حملہ کیا اور اپنے چالاک سواروں کو خاندیش مین ڈاکہ
ڈالنے کو بھیجدیا اور یہان تک کیا کہ ایک مغلیہ فوج کو سرمیدان شکست
دی اور سارے جنوبی کانکن پر (باستثناءِ اُن بندرگاہون اور ضلعون
کے جو انگریزون و پرتگالیون وحبش والون کے قبضہ مین تھے)
اپنا تسلط جما لیا اور وہ رشوت لینی شروع کردی جو مرہٹون کے چوتھ
کے نام سے مشہور ہے۔ یہ رقم مالگزاری کے ایک چوتھائی حصہ کے
برابر ہوتی تھی اور اسکے ادا کرنیوالے ڈاکوؤن سے محفوظ رہتے تھے۔
اسنے شمال مین بھی بروچ تک دھاوے کرنے شروع کردیے۔ اور
مرہٹون نے بہت منحوس نظیر یہ قائم کی کہ نربدا کو عبور کیا (۱۶۷۰ء)
پھر سیواجی جنوب مین اپنے باپ کی پرانی جاگیر کی طرف متوجہ ہوا۔
یہ جاگیر تنجور تک چلی گئی تھی اور اب والی بیجاپور کی طرف سے سیواجی
کے چھوٹے بھائی کے قبضہ مین تھی۔ سیواجی نے شاہ گولکنڈہ سے

اتفاق کرلیا کہ شاہ مذکور کو بیجاپور کی برتری کا بڑا حسد تھا۔ اور تیس
ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل کے ساتھ اس سے ملک جنوب کیطرف
روانہ ہوا تاکہ غنیم کے بیرونجات کے حصون پر قبضہ کرے اور اپنے
بھائی کے دل مین جوش برادرانہ پیدا کردے۔ ۱۶۷۷ع مین وہ
مدراس کے قریب ہوکر گزرا۔ جنجی (جو کانکن سے ۶۰۰ میل ہے) اور
ویلور اور آرنی فتح کرکے اپنے باپ کے سارے علاقہ پر قابض ہوگیا
اگرچہ بعد مین مالگزاری مین سے اپنے بھائی کو بھی حصہ دیتا رہا جب
وہ اٹھارہ مہینے باہر رہکر گھاٹون مین واپس آیا تو مغلون کو بیجاپور
کا محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کیا اور اُسکے صلہ مین دولت محصورہ سے
بڑی بڑی تفویضات اپنے حق مین کرالین۔ ابھی وہ اپنی عملداری کے
اور زیادہ بڑھانے کی فکر ہی مین تھا کہ دفعتاً ایسا بیمار پڑا کہ اُسکی
غیر معمولی ترقیون کی زندگی کا خاتمہ ۱۶۸۰ء ہی مین ہوگیا کہ ابھی وہ پورے
ترپن برس کا بھی نہوا تھا۔ اُسکی وفات کی تاریخ ہوئی "کافر بجہنم رفت"*

---

* غنی خان کو اس مادۂ تاریخ کے نکالنے پر بڑا ناز ہے۔ بحساب ابجد اسکے
اعداد ۱۰۹۱ ہوتے ہین۔ اور ۱۰۹۱ھ مطابق ہے ۱۶۸۰ء کے۔

"اگرچہ سیواجی ایک بڑے سردار کا بیٹا تھا مگر اُسنے اپنی زندگی کی ابتدا بحیثیت ایک جری اور چالاک ڈاکوون کے سردار کے کی تھی۔ اور بڑھتے بڑھتے بڑا ہوشیار سپہ سالار اور لائق مدبر بنگیا تھا۔ اُسنے اپنی ایسی نظیر چھوڑی ہے کہ آج تک اُسکے ملک والون مین سے کوئی بھی برابر ہونا تو درکنار اُسکے لگ بھگ بھی نہ پہونچ سکا۔ اُس پاس کے ملک کی حالت ایسی ابتر ہورہی تھی کہ ایک چھوٹے سے سرگروہ کو بھی بڑے بڑے کارنمایان کرجانے کا موقع تھا۔ مگر اورنگ زیب کی غلطیون سے فائدہ اُٹھانا اور مذہبی حمیت کو مشتعل کرکے مرھٹون مین قومی جوش پیدا کرنا سیواجی ہی سے شخص کا کام تھا۔ یہی جوش اور یہی حمیت تھی کہ جسکی بدولت اُسکی سلطنت باوجود اُسکے جانشینون کی کمزوری کے اور بہت سی اندرونی بدنظمیون کے اُسوقت تک قائم رہی کہ مرھٹونکو ہندوستان کے بڑے حصہ پر برتری حاصل ہوگئی۔ اگرچہ جس طرح کی غارتگری کی لڑائی وہ لڑتا تھا اُس سے بیحد نقصان پہونچنا اور مصیبت کا آنا لازمی تھا تاہم اُس کے دشمن بھی اس کے مقر ہین کہ اُسکو اِس بات کا بڑا اہتمام تھا کہ رحمدلی کے قاعدون سے اس

نقصان کی تلافی کرے اور ان قاعدون کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کیجاتی تھی۔ آخر زمانہ مین اُسکی مذہبی سختی اور اوہام باطل کا زور بہت بڑھ گیا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن باتون کی وجہ سے اُسکی دانشمندی مین فتور نہین پڑنے پایا اور نہ کبھی اُسکا مزاج بگڑا۔"*

ایک مسلمان مورّخ لکھتا ہے کہ "سیواجی کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنی عملداری مین رعایا کی عزت قائم رکھے۔ وہ بغاوتین کرتا تھا۔ قافلون کو لوٹتا تھا۔ بنی نوع انسان کو تکلیف دیتا تھا۔ مگر کمینہ پن کی خطاؤن سے بالکل مبرّا تھا۔ اور جب مسلمانون کے بچے اور عورتین اُس کے ہاتھ مین پڑ جاتی تھین تو اُنکے ناموس کا بہت خیال کرتا تھا۔" اورنگ زیب کو خود اقرار تھا کہ میرا دشمن بہت بڑا سردار ہے" اور یہ بھی کہتا تھا کہ "میری فوج اُنیس برس تک اُسکے درپے رہی تاہم اُسکی سلطنت برابر بڑھتی ہی گئی۔"

---

* ماخوذ از ہسٹری آف انڈیا مصنفۂ الفنسٹن صاحب طبع پنجم (۱۸۶۶ع) صفحہ ۶۴۷۔

گیارھوان باب

تسخیر گولکندہ

دکن مین اورنگ زیب کے سرداروں کی کارگزاری بہت خراب رہی مگر قصور اورنگ زیب ہی کا تھا۔ اُسکی بے اعتباری کی وجہ سے ان لوگون کی کوششین بیکار ہوگئی تھین فوج کی سالاری ایک دوسرے سے جلنے والے رقیبون منقسم تھی۔ اور جو فوج اُنکو دی گئی تھی وہ اس کام کے واسطے کافی نہ تھی کہ سیواجی کا کام تمام کر سکے یا جنوبی شاہون کو زیر کر سکے اور سپہ سالارون کے جلد جلد بدلتے رہنے سے الگ کوشش نہین ہونے پاتی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ بادشاہ کو خود بھی یہی مقصود رہا ہو کہ اُسکی فوج دکن مین بہت مجہول طریقہ سے ترقی کرے۔ شاید اُسکا منشا یہ ہو کہ جنوب کی طاقتون کو جو ایک دوسرے کی دشمن ہو رہی ہین اس بات کا موقع دے کہ وہ آپس ہی مین کٹ مرین

اور پھر لڑائی سے عاجز آئے ہوے خراب وخستہ دشمن پر آسانی سے قبضہ ہو جائے۔ جہان تک بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتون سے واسطہ تھا اُسکی یہ پیش بینی بالکل ٹھیک اُتری۔ اُنکی فوجین رفتہ رفتہ بہت تھوڑی رہگئین اور یہ نوبت پہونچ گئی کہ مرہٹون کو چوتھ دیجانے لگی۔ گو گلکنڈہ تو مغلون کے ہاتھون خوار ہو ہی چکا تھا۔ بیجاپور بھی ۱۶۸۶ء ہی مین مغلون کا ہو گیا مگر سیواجی کی مزاحمت کی بدولت بچ گیا۔ مگر دکن کی قدیم سلطنتون کے کمزور کر دینے کا یہ پھل ملا کہ مرہٹون کا زور بڑھگیا۔ جو جنوبی علداری سیواجی کے باپ نے شاہ بیجاپور کو فتح کر دی تھی وہ سیواجی نے لے لی تھی مغربی گھاٹون اور کانکن مین سیواجی کا پورا تسلط تھا اور اُسکے قلعون مین سے برابر یلغارین جاتی رہتی تھین اور جہان سے چوتھ عاجزی کے ساتھ نہین ادا ہوتی تھی وہین تاخت وتاراج کرتی تھین۔ "بڑا سردار" تو ضرور مر گیا تھا مگر جو قوم اُسنے بنائی تھی اُسین اُسکے جوہر باقی رہ گئے تھے۔ اورنگزیب ان لٹیرون کی طاقت کا اندازہ نہین کر سکا۔ وہ منتظم سلطنتون اور باقاعدہ فوج کی وقعت خوب جانتا تھا مگر مرہٹون کی بیقاعدہ طاقت کا ٹھیک اندازہ

اُسکو کبھی نہین ہوا۔ حتی کہ برسون کی بے سود لڑائی نے اُسکی آنکھین کھولدین اور اسکی شہادت اُسنے اپنی آنکھون سے اسطرح دیکھ لی کہ سارے جزیرہ نما کے عرض وطول مین اُسکی بڑی فوج کے ذبح کیے ہوے اور فاقون کے مارے ہوے سپاہیون کے لاشے پڑے ہوے تھے۔

اورنگ زیب نے چاہے اُس حالت کی نزاکت کی طرف بہت کم توجہ کی ہو جو اُسکی بے پروائی کی بدولت دکن مین ہو رہی تھی مگر اُسنے یہ ضرور سمجھ لیا کہ اب فیصلہ کرلینے ہی کا وقت آگیا ہے۔ اس عرصہ مین اُسنے اُدے پور کے راجپوتون سے مصالحت کرلی تھی اور افغانستان کی کبھی نہ زیر ہونیوالی قومون کے مسخر کرنے کی فضول کوشش سے دست بردار ہوچکا تھا۔ اور اگرچہ ان دونون صوبون مین جو تدبیرین اُسکو مصلحت وقت کے لحاظ سے کرنی پڑین اُنکو وہ بالطبع پسند نہ کرتا تھا تاہم اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ راجپوتون اور افغانونکا خیال فی الحال دل سے نکال ڈالے اور دکن کا گورکھ دھندا اپنے ہاتھ مین لے۔ ۱۶۸۱ء کے آخر مین اورنگ زیب برہانپور پہونچا اور فوج کی سالاری خود سنبھالی۔ اُسکو کیا معلوم تھا کہ اب دہلی دیکھنی

نصیب نہ ہوگی اور چھبیس برس کی سخت لڑائی کے بعد وہ اپنی امیدون کی لاشون کے ساتھ اُسی ملک مین دفن ہوگا جہان اُسکی سب سے پہلی حکمرانی شروع ہوئی تھی - پینتالیس برس پہلے ۱۶۳۶ء مین وہ سترہ برس کا گبھرو جوگی بنا ہوا خاندیش مین آیا تھا عنفوان شباب کے زمانہ مین وہ اِن دلپسند سلطنتون کو قریب قریب فتح کر چکا تھا (۱۶۵۶ء) - اب ترسیٹھ برس کی عمر مین اُسنے اپنا پُرانا کام اُسی مستعدی کے ساتھ شروع کیا - وہ اسقدر پیش بین نہ تھا کہ یہ معلوم کرلیتا کہ چوتھائی صدی اور گزرنے پر وہ پیر نود سالہ ہو جائیگا مگر پھر بھی وہین ڈٹا رہے گا اُسی دشمن سے لڑ رہا ہوگا اور اُسی مستقل طبیعت کے ساتھ تکلیفون کو برداشت کرتا ہوگا تا آنکہ اُسکا قالب بالکل گھس جائے گا اور جواب دیدیگا اور عنقاے روح قفس عنصری سے آزاد ہو کر پرواز کر جائیگا -

بادشاہ نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اپنے بیٹون شہزادہ معظم و اعظم کو فوج لیکر اس ملک مین بھیجا تاکہ مرہٹون پر رعب چھا جاے - مرہٹون نے مقابلہ نہین کیا اور اپنے سنگستانی ملک کو چھوڑ کر چلے گئے کہ یہ

ملک ہی حملہ آورون کو اس حملہ کی سزا دیدیگا۔ شہزادہ معظم نے کاکن کی
پوری وسعت طے کی اور اُسے بالکل ویران کردیا اور جب آخر کے
سرے پر پہونچا تو معلوم ہوا کہ ایک گھوڑا بھی اس قابل نہین ہے کہ
وہ اُسپر سوار ہوکر واپس جاے اور اُسکے ساتھ والے فاقون سے عاجز
آکر پیدل بھاگے چلے جاتے ہین۔ دشمن نے گھاس کاٹ ڈالی تھی اور
چارہ بالکل نہین ملتا تھا۔ مغل سوارون کو سواے ناریل
اور کودون کے اور کوئی غذا نہین ملتی تھی اور یہ غذا اُنکے حق مین زہر
کا کام کرتی تھی۔ بہت سے سپاہی اور گھوڑے مر گئے۔ جو مرنے
سے بچ گئے تھے وہ نیمجان چلے جاتے تھے اور اسطرح کراہتے اور روتے
تھے کہ گویا جو سانس آتا ہے وہی دم واپسین ہے۔ کوئی سردار ایسا
نہ تھا جسکے اصطبل مین ایک بھی گھوڑا کام دینے کے قابل رہ گیا ہو*"
جب ان لوگون نے سمندر کے ذریعہ سے رسد منگانے کی کوشش
کی تو دشمن نے غلہ کے جہاز روک دیے۔ گھاٹ کے ملک کی چٹانین
اور جنگل بھی رسالہ کے حق مین ایسے ہی مہلک ہوے جیسے کہ مرہٹونکے

* منقول از تاریخ خفی خان۔

بچے ہوسکتے تھے - تیر چٹھون اور اونچے اونچے کرارون سے ٹکرین
کھانا اور بری آب دہوا اور ناداری غذہ کی تکلیف برداشت کرنے
مین سواے نقصان کے فائدہ کیا ہونا تھا - آخر شہزادون کو حکم پہونچا
کہ بیجاپور کو مراجعت کرین اور اورنگ زیب خود احمد نگر کیطرف بڑھا -
غنیم کا پیٹھ موڑنا تھا کہ سیواجی کا بیٹا سمبھاجی فوراً اپنے تیس
سوارون کو لیکر اُنکے پیچھے چلا اور خاندیش تک آکر برہانپور کو جلا کر
خاک سیاہ کردیا اور اسطرف کے سارے ملک مین آگ لگادی - اور
جب تک مغل انکے پاس پہونچین پہونچین پھر گھاٹون مین اپنے
پہاڑی قلعون مین جابیٹھے - یہ نمونہ ہے اس طریقہ کا جسکے مطابق مرہٹے
لڑا کرتے تھے - جب تک انکو اپنی فوج کی کثرت کی وجہ سے جیتنے کا
پورا یقین نہ ہوتا میدان مین کبھی نہ لڑتے تھے - جب مغلی رسالہ کے
بھاری بھاری گھوڑے انپر حملہ کرتے تو یہ جفاکش چھوٹے قد کے
جوان اپنی ہی طرح کے جفاکش گھوڑون پر سوار جسطرف جی چاہتا
نکل جاتے کیونکہ گھوڑے سدھے ہوے تھے اور خوب کام دیتے
تھے - اور پھر غنیم کو کسی قریب کی پہاڑی یا جنگل سے دیکھتے رہتے تھے

اور اکیلے دُکیلے سوار ملجاتے تھے تو اُنکا کام تمام کر دیتے تھے یا گھات
مین بیٹھے رہتے تھے اور تھوڑی سی جماعت ملجاتی تھی تو اُسپر ٹوٹ
پڑتے تھے - اور پھر اگر پیچھا کرنے والے تعاقب کو فضول سمجھکر واپس
ہونے لگتے تو ذرا ہی سی دیر مین مرہٹے پیچھے سے اُنپر ٹوٹ پڑتے
اور جو اکیلے دُکیلے اِدھر اُدھر رہ گئے ہوتے اُنکا فیصلہ کر دیتے اور
بے ترتیب غول پر قریب سے بندوقین فیر کرتے - ایسے آدمیونسے
لڑنا بمنزلہ ہوا سے لڑنے یا پانی پر ضربین لگانے کے تھا کہ جب ضربین
پڑتین تو یہ لوگ مثل ہوا یا لہرون کے پھیل جاتے اور جھک جاتے
اور پھر جیسے ہی وہ دباؤ انکے اوپر سے ہٹتا ویسے ہی پھر آن کر جمع
ہو جاتے - یہ لوگ اپنے پہاڑی ملجاؤن سے جھپٹ کر نکلتے اور خزانہ
والے قافلون کو لوٹ لیتے اور اس سے پہلے کہ مغل اُنکے پاس
تک پہونچ سکین پھر اپنے پہاڑی قلعون مین ہو رہتے تھے - اگر انکے
غار تک انکا پیچھا بھی کیا گیا اور یون سمجھیے کہ دھونی دے کر
اُنکو نکالا بھی گیا تو کیا - وہ وہان سے نکلکر کسی اور محفوظ مقام پر
ہو رہتے تھے کہ وہان بھی پہونچنا ناممکن ہوتا تھا اور پھر وہین سے اپنا

معمولی پیشہ لوٹ مار کا کرتے رہتے تھے کہ جسمین انکو بہت مزہ آتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اب ان لوگون مین سیواجی کی سی قابلیت کا کوئی سردار نہین رہا تھا کیونکہ اُسکا بیٹا کاہل اور بدکار اور شرابی تھا اور کبھی جانبازی کے ساتھ لوٹ مار کر بھی جاتا تھا تو مہینون کاہل وجود بنا پڑا رہتا تھا۔ مگر اب وہ زمانہ ختم ہو چکا تھا جسمین کسی سردار کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ سیواجی نے ایک سیدھے سادے کسانون کی قوم کو قزاقون کی قوم بنا دیا تھا اور اُنکے دلونمین لُوٹ مار کی رغبت اور مسلمانون سے نفرت یہ دو باتین عام طور سے بڑے زور شور کے ساتھ پیدا کر دی تھین۔ مرہٹون کی فوج اب ویسی باقاعدہ نہین رہی تھی جیسی سیواجی کے زمانہ مین تھی۔ ان لوگون کے خود مختار خیل الگ الگ قائم ہو گئے تھے۔ اور ہر خیل اپنے ہی لیے کارروائی کرتا اور جو کچھ ملتا تھا وہ ہضم کر جاتا تھا۔ مگر نتیجہ اسکا بھی وہی ہوتا تھا جو ایک سردار کے تحت مین ایک فوج کے ہونے سے ہوتا۔ ہر شخص ایک ہی غرض مشترک کے حصول کے واسطے لڑتا اور لوٹ مار کرتا تھا یعنی یہ کہ یہ لڑائی قومی لڑائی تھی اور مسلمانون ہی کے خلاف تھی۔ اور

فرداً فرداً جو کام یہ لوگ کرتے تھے اُنکا نتیجہ مجتمعاً بہت خطرناک ہوجاتا
تھا۔ مگر مثل اور قزاقون کے یہ لوگ اپنے دوستون کے ساتھ
بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ جو لوگ انکی مشروط چوتھ ادا کرتے
تھے انکو انکے لوٹ مار کرنے والے غولون سے کوئی اندیشہ باقی نہین
رہتا تھا۔ اسیوجہ سے یہ لوگ دیہات والون مین بہت ہردلعزیز
تھے کہ یہ لوگ انکو قومی بہادر سمجھتے تھے اور بے دینون کے
مقابلہ مین اپنا حامی تصور کرتے تھے اور جب انکو معرض خطر مین
سمجھتے تھے تو برابر دشمن کی حرکات کی خبرین انکو پہونچاتے رہتے
تھے۔ یہ کہنا شاید مبالغہ نہوگا کہ باستثناے بڑے بڑے شہرونکے
اور اُن مقامات کے جہان مغلی فوجین رہتی تھین سارا دکن علی طور
پر ان غارتگر قزاقون کے ہاتھ مین تھا۔

اورنگ زیب سے تیز نظر بادشاہ نے یہ حال اُسیوقت سمجھ لیا
ہوگا جب اُسکو بذات خاص مرہٹون سے سابقہ ہوا۔ مگر وہ اپنے
ارادون سے باز آنے والا نہ تھا۔ دشمن کے مذہبی جوش نے اُسکے
تعصب کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اور اُسنے یہ ناعاقبت اندیشی کی کہ اُسی جزیہ

سختی کے ساتھ وصول کرنے کا فرمان جاری کیا جسکی وجہ سے رعیت
اسقدر رہر دلعزیز ہو گئے تھے اور پھر یہ کیا بھی تو ایسے ملک مین جہان
سخت ضرورت اِس بات کی تھی کہ سارے مسلمانی تعصبات کو بالکل
دور کردیا جاے۔ اُسنے دکن مین پہونچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ منحوس
جزیہ کے وصول کے واسطے بڑے تاکیدی احکام جاری کیے۔
گانؤن والون اور اُنکے مکھیا لوگون نے مزاحمت بھی کی بلوے بھی
کیے مگر سب بے سود ہوے۔ ایک آزمودہ کار افسر پیدل اور سوارن
کی فوج دیکر اس کام پر متعین کردیا گیا تھا کہ بالجبر جزیہ وصول کرے
اور نافرمانون کو سزا کو پہونچاوے۔ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ تین ہی
مہینے مین اس ہوشیار افسر نے یہ رپورٹ کی کہ مین پچھلے سال کا
برہانپور کا جزیہ (چھبیس ہزار روپیہ) وصول کرچکا ہون اور اب
التماس ہے کہ کوئی اور شخص اس ناپسندیدہ کام پر مامور فرمایا جاے*۔
آگے چلکر یہ فرمان بھی جاری ہوا کہ بغیر خاص اجازت کے کوئی ہندو
پالکی پر یا عربی گھوڑے پر نہ سوار ہو۔ ان خلاف مصلحت احکام کا لازمی

* منقول از خفی خان۔

نتیجہ یہی تھا کہ سب بند و اپنے دوستون یعنی مرہٹون سے ملجائین کہ
وہ چوتھ تو ضرور لیتے تھے مگر کھلا کھیل رکھتے تھے اور اپنے محصول مین
قوم و مذہب کا امتیاز نہین کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلے تو
بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتون کو غارت کرکے مرہٹون کی آمدنی کا
ذریعہ بند کردے کہ یہی سلطنتین ان قزاقون کو خراج دیتی تھین اور
پھران پہاڑی چوہون کو انکے بلون مین سے نکال نکال کر تباہ کرے
اور یہ تو صاف ظاہر ہے کہ اُسکا خیال یہ تھا کہ ان ہی دو سلطنتون
پر حملہ کیا جاسے اور انکی تسخیر کے بعد مرہٹون سے نُجگت لینا آسان ہوگا۔
اورنگ زیب اپنے آدمیونکو جانتا نہین تھا۔

اس منصوبے کے پہلے حصہ کی تکمیل کچھ زیادہ دشوار نتھی۔ دکن
کی قدیم سلطنتون کی حالت ایسی نہین رہ گئی تھی کہ اورنگ زیب کی
فوج عظیم کا مقابلہ کرسکین۔ اگر اورنگ زیب کے سپہ سالار ہمقدر خودغرض
اور کاہل نہوتے تو کبھی کی تسخیر بھی ہوچکی ہوتین۔ واقعی بات یہ ہے کہ بقول برنیر*

* ۱۶۶۷ء مین برنیر گولکنڈہ ہی مین تھا۔ اُسنے دکن کی سلطنتونکی پولیٹکل

کے یہ سپہ سالار جو شاہی نگرانی سے دور دراز مقامات پر بڑی بڑی فوجون کے سردار ہوکر قریب قریب بادشاہی عروج پر پہونچ جاتے تھے تو اسقدر شان اور امارت کی لینے لگتے تھے کہ اپنی جگہ پر قائم رہنے کا خیال اُنکے واسطے کافی ہوتا تھا اور اس بات کی بہت کم کوشش کرتے تھے کہ غنیم کو عاجز کردین۔ "یہ لوگ ہر کام بہت سستی کے ساتھ کرتے ہین اور لڑائی کے طول کھینچنے کیواسطے بہانے ڈھونڈھتے رہتے ہین - کیونکہ یہی ذریعہ انکی آمدنی اور عزت کا ہے۔ اب یہانتک نوبت آگئی ہے کہ یہ ضرب المثل زبان زد خلائق ہے کہ دکن ہی سے ہندوستان کے سپاہیونکی روٹی چلتی ہے"۔

دونون سلطنتون مین گولکنڈہ زیادہ کمزور تھا - وہ ہمیشہ یہ ترکیب کرتا تھا کہ مغلی حملون کا زور کم کردینے کے واسطے اپنے پڑوسی بیجاپور کو سامنے کردیتا تھا - خفیہ خفیہ اپنے پروسی کو روپیہ بھی پہونچاتا تھا کہ مغلون سے مقابلہ کی تاب لاسکے اور بالا بالا بادشاہی افسرونکو

---

۲ حالت اور اُنکے مغلون کے ساتھ کے تعلقات کا ذکر بہت خوبی کے ساتھ اپنے سفرنامہ کے صفحہ ۱۹۰ لغایت ۱۹۸ مین لکھا ہے۔

رشوت بھی دیتا تھا تاکہ بیجاپور ہی پر حملہ کرین اور اُسکی طرف متوجہ نہون - مگر باوجود ان چالاکیون کے سنہ ۱۶۵۶ء ہی مین گولکنڈہ اورنگ زیب کے حضور مین زانوے نیاز تہ کر چکا تھا اور اُس زمانہ سے جو یہ چوتھائی صدی کا عرصہ گزرا تھا اسمین اُسکی حالت اور بھی خوار ہوگئی تھی - سچ پوچھیے تو وہ بھی مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ ہوچکا تھا - وہان کا والی شاہ ابوالحسن اپنی اُس ابتدائی عاجزی کے بعد پھر کبھی پنپنے نہ پایا - وہ باجگزار رئیس کے طور پر رہ گیا تھا اور اپنی سلطنت کی حکمرانی سے بھی کچھ واسطہ نہ رکھتا تھا - نہ کبھی دربار کرتا نہ کسی کی فریاد سنتا نہ داد دیتا - سنہ ۱۶۶۲ء مین تو وہ بالکل ہی قلعہ گولکنڈہ مین بند ہو بیٹھا اور عیاشی مین پڑ گیا - اسی زمانہ مین اُسکے دارالحکومت یعنی حیدرآباد مین بدعملی اور بدانتظامی پھیلی - چونکہ بادشاہ کا خوف و لحاظ مطلق نہین رہگیا تھا اسلیے اُمرا رعایا پر جو جی چاہتا ظلم کرتے تھے - اور نیچے طبقہ والے اورنگ زیب کی منصفانہ حکومت کو اسپر کہین زیادہ ترجیح دیتے تھے کہ اُنکو بہت سے مالکون کے ظلم سہنے پڑتے تھے - سچ پوچھیے تو مغلون کی حکومت حیدرآباد مین

اسی تاریخ سے قائم ہو چکی تھی جب ۱۶۵۶ء والا عہد نامہ ہوا۔ کیونکہ
اورنگ زیب کا رزیڈنٹ جو وہان رہتا تھا وہ "برابر احکام جاری
کرتا تھا راہداری کے پروانے دیتا تھا رعایا کو دھمکاتا تھا ستاتا تھا۔
مختصر یہ کہ بلا روک ٹوک کے پورے طور سے شاہانہ اختیارات کو
کام مین لاتا تھا" میر جملہ کا بیٹا محمد امین خان موسلی پٹن کے خاص
بندرگاہ مین عملی طور سے شاہی اختیارات نافذ کر رہا تھا اور مغلون
اور ڈچ اور پرتگالیون کو دعوی کرتے دیر نہین ہوتی تھی کہ اس بات
کی تصدیق ہو جاتی تھی کہ "جو مانگے سو پائے"۔

جو آپ ہی مر رہا ہو اُسکو کیا مارنا۔ اس خیال سے اس گری
ہوئی سلطنت کو اور زیادہ زیر کرنے کی کوئی ضرورت نہین تھی۔ مگر جو
بدعملی وہان پھیل رہی تھی اُسکے لحاظ سے ضروری تھا کہ جبر سے کام
لیکر اُسکی اصلاح کیجائے۔ جب اورنگ زیب نے یہ سُنا کہ ہندو
حیدرآباد مین بہت قابو یافتہ ہو گئے ہین اور مسلمانون کے دربے
آزار ہو رہے ہین تو اُسنے سمجھا کہ یہی وقت دخل دینے کا ہے۔ اُسکی
سرحد پر ایسی غیر منتظم سلطنت کا واقع ہونا بہت بُرا تھا۔ اور پھر

یہ غضب کہ وہ سلطنت باجگزار ہوا اور پھر انہین ایمان والے اپنی ایمانداری کے باعث آزار پائین۔ چنانچہ ۱۰۹۶ھ ۱۶۸۵ع مین شہزادہ معظم خان جہان بہادر کوکلتاش کی معیت مین گولکنڈہ کی سرکار کی اصلاح کی غرض سے روانہ کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہزادہ اور سپہ سالار بھی اُسی مرض کاہلی مین مبتلا ہو گئے جو دکن کے مغل حکمرانون کے واسطے عام ہو رہا تھا۔ معظم بہت مطیع اور سعادتمند بیٹا تھا اور اسکی اطاعت ہی سے اُسکے خلاف اکثر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ اسکا رنگ منافقانہ ہے۔ اُسکے باپ نے اسکی طرف سے اُن حوصلہ مندیون کے شبہہ اپنے دل مین بھر رکھے تھے جو اُس بچارے کے وہم و گمان مین بھی نہ تھے۔ اور بہت کم شہزادے ایسے ہونگے جنکی طرف سے ایسی شیطنت کے خیالات پیدا ہوے ہون جیسے اس بیچارے کی نیکیون نے اسکے واسطے فراہم کر دیے تھے۔ اورنگ زیب کو یہ بات بھولی نہین تھی کہ جب وہ نوجوانی کے زمانہ مین بہت سعادتمند معلوم ہوتا تھا تب ہی سے اُسکے دل مین بڑے بڑے حوصلے جوش زن تھے اور اُسکے دوسرے بیٹے شہزادۂ اعظم نے بھی تھوڑے ہی عرصہ مین اسکی نظیر

دکھلائی دی تھی کہ شہزادہ معظم کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ "وہ اسقدر نیک تھا کہ وفاداری اس سے بعید تھی"۔ وہ بہت منصف مزاج اور رحمدل تھا اور اُسکو بیرحمی کے ساتھ لڑنے کے واسطے بھیجنا فضول تھا۔ بجاے اسکے کہ وہ حیدرآباد اور گولکنڈہ پر اُس مستعدی کے ساتھ حملہ کرتا جسکی اُسکے باپ کو امید تھی اُسنے ہر طرح سے لڑائی سے بچنے کی کوشش کی اور پھر تھوڑے دنون تک معمولی چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد وہ چار پانچ مہینے تک بالکل بحس و حرکت بیٹھا رہا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ اورنگزیب نے سخت عتاب کیا جو بقصور شہزادہ کو سخت ناگوار ہوا۔ مگر آخر کار وہ لڑائی کیطرف مائل ہوا۔ وہ غنیم پر فتحیاب ہوچکا تھا اور آنکے لشکر تک انکا تعاقب بھی کرچکا تھا۔ مگر اس موقع پر بھی اُسنے لڑائی بند کرکے یہ اجازت دیدی کہ وہ لوگ اپنی عورتونکو بحفاظت وہان سے نکال لیجائین۔ اور اسکا صلہ اُسکو یہ ملا کہ پھر وہی لوگ اُس سے لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ تب اُسنے یہ کمزور تجویز پیش کی کہ دونون طرف کے دو دو تین تین بہادر لڑین اور دہلی اور گولکنڈہ کے رستم و اسفندیار کے لڑنے سے فیصلہ ہوجاے۔ مگر غنیمت ہے ایسا ہوا نہین

اور آخر کار شہزادہ اُس حیدر آباد کے قریب پہونچگیا جہان چھ مہینے
پہلے اُسکو پہونچ جانا چاہیے تھا۔

اُسکے اسقدر سُستی کے ساتھ بڑھنے پر شہر مین بہت ہراس اور
ابتری پیدا ہو گئی ہندوون نے مسلمانون پر اپنے ملک والونکو دغا
دینے کا الزام لگایا اور مسلمان سپہ سالار مغلون کی طرف جاملا۔
بادشاہ گولکنڈہ کے قلعہ مین بھاگ گیا اور شہر دونون فریق کے
بلوائیون کے واسطے چھوڑ دیا گیا کہ اُنھون نے خوب جی بھر کر لوٹ
مار کی اور عورتون کو خراب کیا۔ گولکنڈہ پہونچنے کے واسطے بھاگ نکلگئی
ہزارون بھلے آدمی جو اپنے مال و متاع کو نہ بچا سکتے تھے اور جنکو
سواریان نہین ملتی تھین اپنے بیوی بچون کے ہاتھ پکڑ کر اُٹھ کھڑے
ہوے اور جسطرح بے نقاب اور ادھورے کپڑے پہنے ہوے چلتے بنا اُسیطرح
قلعہ مین جا کر پناہ گیر ہوے۔

"قبل طلوع آفتاب شاہی فوجون نے شہر پر حملہ کیا وہ بڑی لوٹ
مار اور تباہی کا موقع تھا۔ ہر جگہ ہر سڑک پر ہر بازار مین لاکھون روپیہ
اور کپڑون کے تھان اور قالین اور گھوڑے اور ہاتھی جو ابوالحسن

اور اُسکے سرداروں کی ملک تھے بھرے پڑے تھے۔ خدا جانے کتنے
مرد و بچہ ہندوون اور مسلمانون کے قیدی بنا لیے گئے اور کتنی عورتین
اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کی بیعزت ہوگئین۔ بڑے بڑے قیمتی قالین جو بہت
وزنی تھے خنجرون اور تلوارون سے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے
کردیے گئے اور ہر ہر ٹکڑے پر خوب لڑائی ہوئی۔ شہزادے
نے لوٹ بند کرنے کے واسطے افسر مقرر کیے اور اُنھون نے کوشش
بھی بہتیری کی مگر سب بیسود ہوئی"۔*

اِن سب مظلومون کے بعد شہزادہ معظم نے جو اب شاہ عالم کے خطاب
سے سرفراز ہو چکا تھا اِس شرط پہ صلح کر لی (۱۶۸۵ع) کہ شاہ دکن
سوا لاکھ روپیہ ہرجانہ ادا کرے اور کچھ اضلاع نذر کرے اور دونون
ہندو وزیرون کو قید کردے۔ (یہ ہندو وزیر اسی عرصہ مین حرم سرا کے
غلامون کے ہاتھون قتل بھی ہو چکے تھے) اورنگ زیب نے جب سُنا ہوگا
کہ میرے بیٹے نے اپنی فتح کو اتنے سستے دامون بیچ ڈالا تو بہت دانت
پیسے ہونگے۔ مگر بظاہر اُسنے شرائط صلح کی نسبت پسندیدگی ظاہر کی اور

* منقول از خفی خان۔

خفیہ طور پر شاہ عالم کو بھی سمجھا دیا کہ مین تمھاری اس حرکت سے بہت
ناخوش ہوا ہون - غرض یہ کہ شہزادہ واپس بلا لیا گیا -
مگر شاید اورنگ زیب کو گولکنڈہ کو اسطرح کچھ عرصہ کے لیے اپنے
حال پر چھوڑ دینے کا ملال نہین ہوا کیونکہ اب وہ ہمہ تن بیجاپور پر حملہ
کرنے کی فکر مین مصروف تھا - یہ سلطنت اگرچہ بڑی تھی اور اس قدر
آسانی سے تسخیر ہو جانیوالی نہ تھی کیونکہ اسمین پہاڑی درے اور قلعجات
بھی تھے اور رسد اور پانی کیاب تھا تاہم یہ بھی مقابلہ کے واسطے قریب
قریب ویسی ہی کمزور تھی جیسی کہ اسکے پروس کی سلطنت تھی - اس کے
بیرونجات کے شہر تو مغلون نے تسخیر کر ہی لیے تھے - رہگیے مغربی اضلاع
وہ مرہٹون کے لائچی ہاتھون مین تھے اور سچ پوچھیے تو انھین کی بدولت یہ سلطنت اب تک
شاہی حملون سے زیر ہو جانے سے بچ رہی تھی - اب سیواجی کے مرجانے
سے یہ ذریعہ حفاظت کا مفقود ہو گیا اور شاہزادہ اعظم اس مہم پر مامور
کیا گیا جو عرصہ سے معرض التوا مین تھی - بیجاپوریون نے معمولی چالاکیون
سے کام لیا - دار الحکومت کے قرب وجوار کا سارا ملک ویران کر دیا -
مغلی فوج مین فاقونکے مارے آدھی جان رہ گئی - تب پیچھے سے اکر یہ لوگ

اسطح سے ٹوٹے کہ آگے بڑھنا مشکل کردیا اور ایسی مستعدی دکھلائی
جو بالکل سیواجی کے طرز کے مطابق تھی۔ لیکن اگست ۱۶۸۵ع مین
اورنگ زیب بذات خاص اِس معرکہ مین شریک ہوا۔ اُسکی جستجو کرنیوالی
نظرون کے سامنے چھ سیل کی سرنگ بہت دل لگا کر کھودی گئی۔ مورچے
قریب کردیے گئے۔ آخرکار سال بھر سے کچھ زیادہ کی محنت مین محصور
لوگ بھوکون مرنے لگے اور نومبر ۱۶۸۶ع مین بیجاپور کی کنجیان بادشاہ
کے حوالہ کردی گئین۔ عادل شاہیون کے پرانے دارالحکومت مین
جسمین بڑے بڑے عالیشان محل کھڑے ہوے تھے اُلّو بولنے لگے اور
گیدڑ رہنے لگے۔ اب تک اُسکے کھنڈر شہر خموشان کا عالم دکھلاتے
ہین۔ اُسکی خوشنما مسجدون کے مینارین اب تک پتھر کی دیوارونسے
بلند نظر آتی ہین اور اب بھی ایسی شان دار ہین کہ یکایک دیکھنے والیکو یہ خیال ہی
نہین آتا کہ جو شہر مین دیکھ رہا ہون وہ زندہ شہر نہین ہے۔ مگر اندر جاکر
دیکھیے تو بالکل ویرانہ ہی ویرانہ ہے بیجاپور جسنے اپنی دولت اور شان
سے بہت سے سیاحون کو حیرت مین ڈالا تھا اس متعصب بادشاہ کے
پانوُن کے نیچے ایسا پامال ہوا کہ اُس زوال کے بعد پھر کبھی اُسکو

عروج نہونے پایا۔

گولکنڈہ پربھی اپنی حفاظت کرنیوالی پڑوسی سلطنت کے زوال کا اثر بہت جلد پڑا۔ باوجود اسکے کہ ۱۶۸۵ء مین عہدنامہ ہوچکا تھا اورنگ زیب نے ٹھان لی کہ قطب شاہی خاندان کو جڑ بنیاد سے مٹادینا ہی مناسب ہے۔ بہانہ یہ ہاتھ آیا کہ شاہ گولکنڈہ خراج مشروط کے ادا کرنے سے قاصر رہا تھا۔ مگر بجاے اسکے کہ اسکی شکایت صاف صاف طور پر کیجاتی اورنگ زیب نے ایسی مکاری سے کام لیا جو علاوہ اُسکے خلاف شان ہونے کے بالکل غیرضروری تھی۔ وہ خانقاہ مبارک کی زیارت کے بہانہ سے گلبرگہ آیا کہ یہ مقام گولکنڈہ سے آدھے راستہ پر واقع ہے۔ اسی عرصہ مین حیدرآباد مین اپنے گماشتہ کو ہدایت کردی کہ شاہ گولکنڈہ سے خراج بجبر وصول کرلو۔ ابوالحسن کو جسقدر جواہرات مل سکے وہ اُسنے کشتیون مین لگا کر مغل سفیر کے پاس بطور ضمانت بھیجدیے۔ تب خبر آئی کہ بادشاہ گلبرگہ سے روانہ ہوچکا اور دارالحکومت کو آرہا ہے۔ یہ تو ظاہر ہی تھا کہ اُسکی نیت فاسد ہے۔ شاہ دکن کو قدرتی طور پر

اس دغابازی پر غصہ آیا اور اُسنے اپنے جواہرات واپس مانگے اور مغلی رزیڈنٹ کو قید کرلیا۔ مگر جب اُسنے سمجھایا کہ اورنگ زیب کے قائم مقام کو ستانے کا انتقام بیڈھب لیا جائیگا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ مین اپنے آقا سے تمھاری شفارش کرونگا تو ابوالحسن نے اُسکو پھر آزاد کردیا۔

مغلیہ فوج اُسکے دروازے پر پہونچ گئی اور مظلوم بادشاہ نے سمجھ لیا کہ اب میرا آخری وقت ہے۔ اُسنے اطاعت کے پیام اورنگ زیب کی خدمت مین بھیجے اور ہر طرح سے خوشامد اور عاجزی کی مگر کچھ کام نہ نکلا۔ اورنگ زیب نے بالکل صاف جواب دیدیا کہ:۔

"اس خبیث شخص کی بد کرداریان حد تحریر سے باہر ہین مگر یکے از صد ہا وقدرے از کثیر لکھی جاتی ہے کہ اُس سے کسی قدر اندازہ اُسکی خباثت کا ہوسکتا ہے۔ اُسنے عنان سلطنت ظالم کافرون کے ہاتھ مین دے رکھی ہے۔ اسلام کے باایمان معتقدون پر ظلم روا رکھا ہے اور خود کھلے خزانے عیش وعشرت اور بدکاری مین مصروف ہے۔ رات دن شرابخواری اور شہوت پرستی کے سوائے کوئی

کام نہین - کفر و اسلام ظلم و عدل انحراف و اطاعت مین اُسنے
کچھ امتیاز نہین رکھا ہے - وہ کافرون کی طرف سے لڑا ہے: و
احکام خدا کی خلاف ورزی کی ہے کہ احکام مذکور مین دشمنان
اسلام کی مدد کرنا ممنوع ہے - اور اس خلاف ورزی کے باعث
اسنے قرآن مقدس کی توہین خدا اور خدا کے بندون کی نظرون
کے سامنے کی ہے - بارہا اُسکو تنبیہ اور صلاح کے خطوط دانشمند
ایلچیون کے ذریعہ سے بھیجے گئے مگر اُسنے مطلق پروا نکی - ابھی
حال کی بات ہے کہ اُسنے ایک لاکھ روپیہ اُس نابکار سیمبھاجی کو
بھیجا ہے - اس گستاخی اور بدکاری اور خباثت کے بعد بھی وہ اپنے
تاکردنی افعال پر نادم نہین ہے اور اُسکی دنیاوی یا اخروی اصلاح
کی کوئی امید نہین ہوسکتی ہے"

جب بادشاہ گولکنڈہ نے دیکھ لیا کہ اب رحم کی کوئی امید
نہین تو اُسنے مردانہ وار جان دینے پر کمر باندھ لی - وہ عیش و
عشرت کو لات مارکر اُٹھ کھڑا ہوا اور فوج کو حکم احکام دینے اور
قلعہ کا محاصرہ کرنے کے واسطے تیار کرنے مین مصروف ہوا -

جنوری ۱۶۸۷ء مین غنیم نے ایک گولی کے ٹپہ پر اپنے مورچے جمائے اور لڑائی ٹھن گئی - روز بروز اور ہفتہ بہفتہ غازی الدین فیروز جنگ کے تحت مین فوج آگے بڑھتی جاتی تھی - ابوالحسن کے چالیس پچاس ہزار سوار قلعہ کے باہر تھے وہ انجنیرون کا ناک مین دم کیے رہتے تھے اور قلعہ والے بھی مورچون پر ایسے گولے برساتے تھے اور ہوائیان چھوڑتے تھے کہ سخت نقصان پہونچتا تھا - غرض مقابلہ بڑی جانبازی کے ساتھ ہو رہا تھا - محصورین اکثر نکل نکل کر چھاپے مارتے تھے اور سخت نقصان پہونچا جاتے تھے - قلعہ مین سامان حرب اور رسد بہت وافر تھی پھاٹکون اور مینارون اور برجون پر سے دن رات گولہ باری ہوتی تھی - کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ مغلیہ فوج کا نقصان نہو - آخر کار مورچے بڑھتے بڑھتے خندق تک پہونچگئے اور اورنگ زیب نے اپنے ہاتھ سے پہلا بورہ سیا اور اُسمین مٹی بھروا کر خندق مین پھنکوایا - مٹی کے دمدمے بنا کر بھاری بھاری توپین اُنپر چڑھائی گئین تاکہ قلعہ والے نکلنے نہ پائین اور رات کو دیوار شہر سے چڑھ جانے کا بند و بست

کیا گیا۔ کچھ محاصرہ کرنیوالے فصیل تک پہونچ ہی گئے تھے کہ ایک کُتّا بھونک اُٹھا اور کھٹکا ہونے پر قلعہ والون نے پہونچکر چڑھنے والون کا کام تمام کر دیا اور کمندین کاٹ دین۔ کُتّے کو یہ انعام ملا کہ اُسکے گلے مین سونے کا پٹہ ڈالا گیا۔

اس عرصہ مین مغلیہ فوج کا رسد نہ ملنے سے بُرا حال ہو چلا تھا۔ گولکنڈہ کے بھی خواہون نے اور خصوصاً اُس ”ڈُسک جینمی“ یعنی سمبھاجی کے مرہٹون نے ملک بالکل ویران کر دیا تھا۔ برسات ہوئی نہ تھی۔ غلہ اور چارہ بہت کمیاب تھا۔ لشکر مین وبا پھیلی۔ اور بہت سے سپاہی بھوک اور مصیبت سے عاجز آکر دشمن کیطرف جا ملے۔ یا تو مینھ برستا نہ تھا یا برسا تو اس شدت سے کہ تین دن موسلا دھار پانی پڑتا رہا۔ بہت سے مورچے بہ گئے۔ قلعہ والون نے موقع غنیمت سمجھا۔ باہر نکل کر دھاوا کیا اور بہت سے مغلون کو تہ تیغ کیا اور بہتیرون کو قیدی بنا لیا۔ یہ سمجھا گیا کہ صلح کا مذکور چھیڑنے کے واسطے یہ موقع اچھا ہے۔ ابوالحسن نے اپنے قیدیونکو قلعہ کے غلہ اور نقدی کے انبار دکھلائے اور ہرجہ جنگ دینے کا

وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر محاصرہ اُٹھا لیا جاے تو ہم محاصرہ کرنیوالی
فوج کو رسد پہونچائین گے۔ اورنگ زیب کا جواب اُسی پرانے
مستقل ارادہ والے انداز کا تھا کہ "وہ ابو الحسن کو چاہیے کہ دست بستہ
میرے سامنے حاضر ہو ورنہ دست و پابستہ حاضر ہونا پڑیگا۔ جب
وہ حاضر ہوگا تب مین غور کرونگا کہ مین کہان تک اُسکے حق مین رحم
کرسکتا ہون"۔ اور یہ جواب دینے کے ساتھ ہی اُسنے خندق کے پاٹنے
کیواسطے پچاس ہزار بورے برار سے منگوانے کا حکم دیا۔

جون کے مہینہ مین سُرنگین تیار ہوگئین۔ جھوٹ موٹ ایک
حملہ کیا گیا تاکہ قلعہ والے سُرنگ سے بیخبر رہین اور فلیتہ دکھلا دیا گیا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ اُلٹی مغلون کی شامت آئی۔ قلعہ والون نے بڑی
ہوشیاری سے سُرنگون کا انتظام کرلیا تھا۔ ایک سرنگ کی باروت
نکال لی تھی اور باقی سب مین پانی بھر دیا تھا۔ وہی حصہ سرنگ کا
اُڑا جو محاصرین کے قریب تھا اور پتھرون کے چھٹنے سے وہی لوگ
زخمی ہوے اور دبے۔ اور ابھی اس صدمہ سے دم بھی نہ لینے پائے
تھے کہ قلعہ والے مورچون پر ٹوٹ پڑے اور جو لوگ وہان ملے انکو

قتل کر ڈالا۔ فوج مین بہت شور و واویلا مچا۔ اور جیسے جیسے
محاصرین کی ہمت گھٹتی گئی قلعہ پر سے اور بھی شدت کے ساتھ
گولہ باری ہوتی گئی۔ اورنگ زیب کو قلعہ والونکے اِس سختی کے
ساتھ مقابلہ کرنے پر بہت غصہ آیا اور اُسنے اپنی آنکھون کے سامنے
حملہ کا حکم دیا۔

دو بار ہمت کے جوہر دکھلائے گئے۔ مگر مینھ برسنے لگا اور آندھی
آگئی اور حملہ کرنیوالے آگے بڑھنے سے قاصر رہے۔ اور مجبوراً
بھگتے ہوے واپس آئے۔ قلعہ والون نے پھر دھاوا کیا۔ مورچے
لے لیے۔ بھاری بھاری توپون کے مُنھ بند کر دیے اور جو کچھ
لیجا سکے وہ سب اُٹھا لیگئے۔ خندق مین سے بڑے بڑے لکڑی
کے کُندے اور ہزارہا بورے نکال لے گئے اور سرنگون سے جو
شگاف پیدا ہو گئے تھے اُنکی مرمت کے کام مین لائے۔٭"

جہان ہمت اور استقلال نے کچھ کام نہ دیا وہان نمک حرامی کام
کر گئی۔ گولکنڈہ کے بچانے والون کے مقابلہ مین سرنگین اور حملے

٭ منقول از خفی خان۔

سبب بیکار ثابت ہو چکے تھے۔ آخرکار روپیہ اور وعدون نے میدان جیت لیا۔ گولکنڈہ کے بہت سے سردار وقتاً فوقتاً غنیم سے جا ملے تھے اور آخرکار صرف دو سردار عبد الرزاق اور عبد اللہ خان اپنے بادشاہ کے ساتھ وفاداری کرنے کو باقی رہ گئے تھے۔ دونون کے واسطے اورنگ زیب کی طرف سے بہت بہت روپیہ کے پیام آتے تھے۔ عبد الرزاق نے جسکو اسکے دوست مورخ نے "سنگدل وفادار" کے لقب سے یاد کیا ہے "اپنی جان اور فائدہ کے متعلق پرواہ نہ کی" اور بادشاہ کا شقہ اپنے برج والے سپاہیون کو دکھلا کر اُن ہی کے سامنے پُرزے پُرزے کر ڈالا۔ اور جو جاسوس شقہ لایا تھا اُس سے کہدیا کہ جا کر میری طرف سے یہ جواب دیدے کہ جبتک دم مین دم ہے لڑے جاؤنگا اور آخر اُن لوگون کی طرح شہید ہو جاؤنگا جنھون نے کربلا مین امام حسینؓ کا ساتھ دیا تھا۔ مگر اُسکا ساتھی عبد اللہ خان رشوت کی طمع مین آگیا۔ پیچھے کی طرف کا ایک پھاٹک اسکے تحت مین تھا۔ اسنے غنیم کو داخل کر لیا۔ مغل قلعہ مین گھس پڑے اور نعرۂ فتح بلند کیا۔ عبد الرزاق نے یہ نعرہ سُنا اور گھوڑے پر

ننگی پیٹھ سوار ہوکر دو جن بھر ہمراہیون کے ساتھ اُس پھاٹک کیطرف سرپٹ اُڑا جسمین سے دشمن داخل ہو رہے تھے۔ اکیلا ان لوگون کے بیچ مین کود پڑا اور چلاکر کہا کہ مین ابوالحسن کے واسطے اپنی جان دیدونگا۔ وہ خون مین سرشار اپنے چارجامہ پر ڈگمگاتا ہوا لڑ بھڑکر نکل گیا اور دوسرے دن ایک تاڑ کے درخت کے نیچے ستر زخم کھائے ہوئے بیہوش پڑا ہوا ملا۔

اس عرصہ مین شاہ گولکنڈہ نے بھی نعرے اور چیخونکی آوازین سُن لی تھین اور سمجھ گیا تھا کہ بس اب میرا وقت آگیا۔ وہ حرم سرا مین گیا اور مستورات کو سمجھایا اور اپنے قصور کو معاف کرا کے اُنسے رخصت ہوا اور دربار کے کمرے مین آکر اپنے ناخواندہ مہانون کے انتظار مین بیٹھگیا۔ اُسنے ایسی معمولی بات کے واسطے کہ مغلون کو فتح ہوئی تھی اپنے کھانے کا وقت ناغہ نہین ہونے دیا جب اورنگزیب کے افسر سامنے آئے تو اُسنے شاہانہ انداز سے اُنکو سلام کیا اور اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور بہت فصیح فارسی زبان مین گفتگو کرتا رہا۔ پھر اُسنے اپنا گھوڑا منگوایا اور سوار ہوکر شہزادہ اعظم کے پاس آیا اور

اُسنے اُسے اورنگ زیب کے حضور مین پیش کیا۔ مغل اعظم متانت
اور مُغلق دونون کو سنبھالے ہوئے اسطرح ملا جیسے بادشاہ بادشاہون
سے ملتے ہین کیونکہ جو کچھ عشرت پرستی اُسنے زمانۂ گذشتہ مین
کی تھی اُسکی تلافی اس حمایت گولکنڈہ کی کوشش سے ہوگئی تھی
پھر وہ دولت آباد کے قلعہ مین قید ہوا کہ وہین والی بیجاپور پہلے
سے موجود تھا۔ اسکے بعد ان دونون کے خاندانون کا نام تاریخ
کے صفحون سے مفقود ہے۔ اورنگ زیب کو گولکنڈہ کی شاہی
املاک سے تقریباً سات کرور روپیہ وصول ہوے۔

اس محاصرہ کا نامور جوانمرد عبدالرزاق تھا۔ اورنگ زیب کہتا
تھا کہ اگر ابو الحسن کے پاس ایک بھی ایسا جان نثار ملازم اور ہوتا
تو محاصرہ بہت عرصہ تک جاری رہتا۔ اُسنے ایک یوروپین اور
ایک ہندو جرّاح اس زخمی کے علاج کے واسطے بھیجے اور سولہ
دن کے بعد یہ سُنکر بہت خوش ہوا کہ اُسنے آنکھین کھولی ہین ۔
اُسنے اس جوانمرد کے لڑکون کو عنایات خسروانہ سے مالا مال کردیا
مگر باپ کی وفاداری کو کوئی تدبیر جنبش نہ دے سکی۔ وہ اپنے

بستر علالت پر پڑا ہوا برابر یہی کہتا تھا کہ "جسنے ابو الحسن کا نمک کھایا ہے وہ کبھی اورنگ زیب کی خدمت نہین قبول کرسکتا" مغلیہ دربار مین عام طور سے خود غرضی کا زور تھا۔ وہان ایسی وفاداری کا ہیکو دیکھنے مین آتی تھی۔ اور سب سے زیادہ اورنگ زیب کے دل مین اسکی عظمت تھی کہ اُسنے خود بھی کبھی اپنے فرض منصبی کے ساتھ بیوفائی نہ کی تھی۔

بارھوان باب

زوالِ اورنگ زیب

گولکنڈہ اور بیجاپور فتح کرکے اورنگ زیب اپنے تئین سارے
دکن کا مالک سمجھنے لگا۔ مگر یہی دو طاقتین تھین جو اس جزیرہ نما مین
ایک طرح کا انتظام قائم کیے ہوئے تھین۔ انکے برباد ہو جانے کا نتیجہ
یہ ہوا کہ مرہٹے اور زور پکڑ گئے۔ اِن دونون سلطنتون کا دباؤ ان لٹیرون پر
کمزور اور برائے نام ہی سہی مگر کچھ تو ضرور دبے رہتے تھے۔ اب اس
دباؤ کا اُٹھنا اور دونون سرکارون کے نظام سلطنت کا بگڑنا تھا کہ
سارے مین بدعملی پھیل گئی۔ مغلوب فوجون کے بیشتر سپاہی قدرتی
طور پر مرہٹون سے جا ملے اور غارتگری کا پیشہ کرنے لگے۔ مقامی
اہلکار چھوٹے چھوٹے بادشاہ بن بیٹھے اور مرہٹون کو مدد دینے لگے
کیونکہ ان ہی کی بدولت لوٹ مار کا بازار گرم ہوتا نظر آتا تھا۔
اسطرح ان دو تباہ کی ہوئی سلطنتون کی آبادی سے سمبھاجی اور

اُسکے پہاڑیون کا گروہ بے انتہا بڑھ گیا اور دکن کے معاملات کی
بس بدنظمی کے دردناک نتائج ایک صدی سے اوپر ہی اوپر ظاہر
ہوتے رہے۔ جس بدعملی نے دکن کو ویران کیا وہی اُس اندھیر
کا پیش خیمہ تھی جو مرہٹون نے دِلّی مین شاہ عالم اور دلزلی کے
وقت مین مچار کھا تھا۔

ان فتوحات کے خراب نتائج فوراً ظاہر نہین ہوے۔ اورنگ زیب
کی فوجون نے جو سامنے آیا اسکو تسخیر کرلیا۔ اور سلطنتہاے مفتوحہ
کی پوری عملداری یہان تک کہ جنوب کی شاہ جی والی قدیم جاگیر
میسور پر بہت جلدی سے قبضہ ہوگیا۔ سیواجی کا بھائی تنجور مین
گھرا پڑا رہا اور مرہٹے ہر طرف اپنے پہاڑی قلعون کو بھگا دیے
گئے۔ ان فتومات کی سرتاج یہ کامیابی ہوئی کہ کچھ منچلے مغلون نے
سمبھاجی کو ایسے وقت مین کہ وہ بیخبری کے ساتھ عیش وعشرت مین
مصروف تھا گرفتار کرلیا۔ جب اورنگ زیب کے سامنے حاضر کیا گیا تو
اس حقیر وحشی نے ایسی زبان درازی اور کفر گوئی کے جوہر دکھلائے
کہ غیر معمولی بیرحمی کے ساتھ قتل کرڈالا گیا (۱۶۸۹ء) اسکا بھائی

راجہ رام کرناٹک مین جنجی کو بھاگا اور مغلون کے صدر مقام سے بہت دور دراز فاصلہ پر چلا گیا۔ اُسوقت تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ اب مرہٹون کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ لٹیرون پر کچھ عرصہ کے واسطے مغل اعظم کی فوج کی کثیر تعداد اور بے پناہ طاقت کا رعب چھاگیا۔ اگر ایسے دشمن سے شرائط کرلینی ممکن ہوتین یا کسی حد تک اُن کی پابندی کی امید ہوتی تو اورنگ زیب کے واسطے یہی مناسب ہوتا کہ وہ کسی طرح کا خراج قبول کرا کے اس لڑائی کو پورے طور سے سر کرکے دہلی کو مراجعت کر جاتا۔

مگر بادشاہ اس مزاج کا آدمی نہ تھا کہ کسی کام کو شروع کرکے پھر پیچھے کی طرف مڑکر دیکھتا۔ اُسنے نہ صرف دکن پر بلکہ سارے جزیرہ نما پر جنگی قبضہ حاصل کرلیا تھا اور صرف انتہاے جنوبی مقام ترچناپلی اور پرتگالیون اور دیگر اقوام غیر کے کنارہ والے مقبوضات باقی رہ گئے تھے۔ مگر جنگی قبضہ کافی نہ تھا۔ اورنگ زیب چاہتا تھا کہ جنوبی صوبجات کو اپنی مستقل سلطنت کا جزو بنالے اور بالکل اسطور سے تسلط بٹھالے جیسے بنگالہ یا پنجاب مین تھا۔ اسی ارادہ سے وہ برابر

وہین ٹھہرا ہوا تھا کہ جو امید اور خواہش جیتے جی پوری نہو سکی اُسکو
موت نے سمجھا دیا۔ سمبھاجی کے قتل اور اُسکے خاص قلعہ کی تسخیر کے
بعد سترہ برس تک لڑائی بھڑائی ہوتی رہی مگر کامیابی ہنوز اتنی ہی
دُور تھی جتنی دکن مین آنے سے پہلے تھی۔ مگر خدا کی مرضی یہی تھی کہ
اس مفسد خاندان کی جڑ دکن سے نہ اُکھڑنے پائے اور شہنشاہ
اورنگ زیب اپنی بقیہ عمر اُسکے استیصال کی کوشش مین تمام
کر دے ؀

اس ناکامی کی وجہ حملہ کرنیوالون اور حفاظت کرنیوالون کی
طرز زندگی کا مقابلہ کرنے سے کسیقدر صاف ہو جاتی ہے۔ اگر مغل
لوگ ویسے ہی جوانمرد جنگ آزما ہوتے جیسے بابر کے ساتھ وادی
ہندوکش سے آئے تھے یا راجپوت ویسے ہی وفادار ہوتے جیسے پہلے
بادشاہون کے وقت مین تھے کہ اپنی جان تک اُنکی خدمت سے
دریغ نہ کرتے تھے تو مرہٹون کو تھوڑے ہی دن عروج رہتا۔ مگر
اورنگ زیب تو راجپوتون سے ہمیشہ کے واسطے بگاڑ کر چکا تھا
اور اب اُنپر یہ اعتماد نہین ہو سکتا تھا کہ ایک ہندو قوم کو غارت

کرنے مین چاہے وہ ذات مین کتنی ہی ہیٹی کیون نہو اپنی جان کو
خطرہ مین ڈالین گے۔ مغلون کا یہ حال تھا کہ تین چار پشتون کی
دربار کی زندگی نے اُنکی پرانی جوانمردی کو بالکل خاک مین ملا دیا تھا
باہر کو تو ایسے افسرون کی فوج رکھتے ہوے شرم آتی جیسے کہ
اورنگ زیب کے پاس بیرسپور والے شاندار لشکر مین جمع تھے۔
بجاے جفاکش شمشیرزن ہونے کے یہ لوگ رنگیلے چھبیلے بنے ہوے
تھے۔ اپنے بھاری زرہ بکتر ہی کے بوجھ سے دبے جاتے تھے اور
بجاے سیدھا سادہ سپاہیانہ رنگ رکھنے کے مخملی چارجامون پر سوار
ہوتے تھے اور گھوڑون کی گردنون مین گھنٹیان لٹکاتے تھے اور
زیور پہناتے تھے۔ بجاے اسکے کہ یہ معلوم ہو کہ لڑائی پر جاتے ہین یہ
معلوم ہوتا تھا کہ جلوس مین نکلے ہین۔ لشکر مین وہی چہل پہل اور
سامان عشرت ہوتے تھے کہ گویا اپنے حساب دہلی کے محل مین بیٹھے
مین۔ غضب خدا کا معمولی سپاہی بھی اگر اپنے خیمہ کو ایسا آراستہ
نہین پاتے تھے جیسے کہ آگرہ کے مکانات تھے تو ناک بھون سکیڑنے
لگتے تھے۔ ان ہی کی ضروریات کی وجہ سے لشکر کے ساتھ ساتھ

ایک جمِ غفیر ہوتا تھا اور فوج کی تعداد سے بیس گنی تعداد ان لشکریون کی ہوتی تھی۔ ایک چشم دید گواہ نے ۱۶۹۵ء مین بادشاہ کے گلگالہ کے لشکر کا حال لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ بڑا ہی شاندار لشکر تھا تین میل کے محیط مین تو محض شاہی خیمے استادہ تھے اور اُنکے چارون طرف خندقین کھدی ہوئی تھین اور باڑے بندھے ہوے تھے۔

وہ لکھتا ہے کہ "کہا جاتا ہے کہ اس لشکر کی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل ہے اور اُنکے سامان کیواسطے پچاس ہزار اونٹ اور تین ہزار ہاتھی ہین اور سائیسون اور سوداگرون اور کاریگرون کا تو کوئی شمار ہی نہین۔ یون سمجھیے کہ لشکر کاہے کو تھا اچھا خاصا پچاس لاکھ مردم شماری کا سفری شہر تھا جسمین صرف کھانے پینے ہی کی چیزین نہین ملتی تھین بلکہ دنیا کی ہمہ نعمت موجود تھی۔ ڈھائی سو بازار تھے۔ ہر امیر یا سپہ سالار کے آدمیون کے واسطے ایک ایک بازار الگ لگا ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ سارا لشکر تیس میل کے محیط مین آباد تھا"*۔

* منقول از واقعات باوقائع دی ورلڈ مصنفہ ڈاکٹر جے ایف جیملی کریری — م

اتنا بڑا لشکر جہان پہونچتا تھا گویا ٹڈی دل ٹوٹ پڑتا تھا۔ جو پایا وہ چٹ کر گیا۔ ایک وقت ایسا ہوتا تھا کہ سامان رسد بہت افراط سے ہوتا تھا اور ایک وقت ایسا بھی آجاتا تھا کہ مرہٹے شمال سے رسد پہونچنے کا سامان درہم برہم کر دیتے تھے تو بس فاقون پر نوبت پہونچ جاتی تھی۔

•

سپہ سالارون کی سست کارروائیون سے مغل سپاہیونکا زنانہ پن آور زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ ذوالفقار جو اورنگ زیب کا سب سے اچھا افسر تھا اُسنے بھی تو یہ نمکحرامی کی کہ غنیم سے بات چیت لگائے رکھی اور دیدہ و دانستہ محاصرہ کرنے مین اس امید پر دیر کی کہ خدا جانے ضعیف العمر بادشاہ کس وقت مرجاے تو سب فوج میرے ہی تحت مین ہو۔ ایسے سپہ سالار اور ایسے سپاہی اُن مضبوط مردون سے کیا لڑتے جنین ہر شخص کے دل مین اس خواہش کی آگ سلگ رہی تھی کہ مسلمانون کا نام و نشان مٹا دو اور جو کچھ اُنکے پاس ہو وہ

ء ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ کل فوج کی تعداد تین لاکھ سوار اور چار لاکھ پیدل تھی بلاشک دشمن نے بھی یہ سہوی غلطی کی ہے کہ لشکریون کو پیدل فوج مین شمار کیا ہے۔

سب لوٹ لو۔مغلون کے پاس تعداد زیادہ تھی۔وزن زیادہ تھا۔
جب میدان مین جم کر لڑائی ہوتی تھی تو ہمیشہ فتح ان ہی کی ہوتی
تھی۔اور محاصرے ہوشیاری سے جاری رہتے تھے تو ضرور قلعہ تسخیر
ہو جاتا تھا۔مگر قلعون کی بھی تو کوئی گنتی نہین تھی۔اور پھر ایک ایک قلعہ
کئی کئی مہینہ کی محنت میں کہین جا کر زیر ہوتا تھا۔اسکے علاوہ ہندستان
کی آب وہوا مین یہ بڑی خرابی ہے کہ متواتر کئی مہینہ تک محاصرہ
کا کام جاری رکھین تو بڑی بڑی سختیان جھیلنی پڑتی ہین۔بہت سی
منزلین اسطرح طے کرنی پڑی ہین کہ سخت بارش ہو رہی ہے اور
جہان پناہ آگے آگے بخندہ پیشانی سوار ہین اور انکے پیچھے بہت سے
سردار کیچڑ مین لتھڑتے چلے جاتے ہین۔صرف ایک لڑائی کیواسطے
چار ہزار میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا اور ہاتھیون گھوڑون اور
اونٹون کا بہت نقصان ہوا تھا۔نازک مزاج سپاہی ان سختیون
سے جی چراتے تھے۔برابر مصری گوشت کے پیالون کی فرمایش
ہوتی تھی اور یہ اسکا رونا تھا کہ خیمون مین پورا آرام نہین ملتا اور بر ہمپور
کی چھاؤنی کے سے پکانے کے برتن نہین ملتے۔

بخلاف اسکے مرہٹون کو سامان آسایش کی مطلق پرواہ نہ تھی ۔ انکی عادت تھی کہ کڑی محنت کرتے تھے اور کڑا کھانا کھاتے تھے جوار کی ایک روٹی ایک وقت کے کھانیکو کافی تھی۔ بہت کیا تو ایک گانٹھ پیاز کی بھی لے لی۔ انہی سے ایک قلعہ کو آخر وقت تک سنبھالتے تھے پھر دوسرا قلعہ سنبھالنے لگتے تھے۔ وہ یہان سے وہان کھدیرے جاتے تھے اور وہان سے یہان مگر ہمت نہ ہارتے تھے۔ محاصرونمین جو وقفے پڑجاتے تھے انمین مغلون کی فوج کو تباہ کرتے تھے۔ کبھی رسد کے قافلے روک دیتے تھے۔ کبھی دشمن کا راستہ بالکل ویران کردیتے تھے۔ ان سے فیصلہ کرنیوالی لڑائی بھلا کیا ہوسکتی تھی۔ یون سمجھیے کہ چھوٹی چھوٹی فتوحات کا ایک سلسلہ تھا کہ چلا جاتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ بڑے بڑے نقصان بھی ہوتے جاتے تھے۔

یہ جنگ ہیمونی بیس برس تک جاری رہی یعنی تسخیر گولکنڈہ سے وفات اورنگ زیب تک برابر یہی ہوتا رہا۔ اسکے واقعات کا لکھنا گویا پہاڑی محاصرون اور حملون کی ایک فہرست مرتب کرنا ہوگا جتنی محنت شاقہ برداشت کیجاتی تھی اسکے لحاظ سے کچھ بھی نفع نہوتا تھا

مغل فوج کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی اور مرہٹون سے خوف
پیدا ہوتا جاتا تھا۔ ملک مین عرصہ تک لڑائی رہنے اور غیر قوم کی
عشرت پسند سپاہ کے قیام کرنے سے بہت خرابیان پیدا ہو گئی تھین اور
وہان کی رعایا ان لٹیرون کی طرفدار ہوتی جاتی تھی اور انکو اپنے
ساتھیون مین سمجھنے لگی تھی۔ مسلمان مورخ خفی خان کی تاریخ سے
کچھ عبارت یہان نقل کیجاتی ہے۔ ہرچند کہ مورخ مذکور نے اپنے
بادشاہ کی فوج کی خرابی کے لکھنے سے احتراز کیا ہے تاہم اس عبارت
سے سنہ ۱۷۰۰ء کی لڑائی کی حالت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس
زمانہ مین رام راجہ کی بیوہ تارا بائی مرہٹون کی رانی تھی کیونکہ سمباجی
کا بیٹا اورنگ زیب کے پاس قید تھا۔ تارا بائی تاریخ کی بڑی عورتون
مین شمار ہونے کے قابل ہے؎

"اسنے عملداری شاہی کے تاخت وتاراج کرنے کے واسطے
بڑے بڑے ہمت کے کام کیے اور دکن کے چھ صوبون مین سرونج
مندسور اور مالوہ تک لوٹ مار کے واسطے فوجین روانہ کین۔ اسنے
اپنے افسرون کے دل قابو مین کر لیے۔ باوجود ان سب لڑائیون اور

تدبیرون اور محاصرون کے جو اورنگ زیب کی طرف سے ہوتے رہے
مرہٹون کی طاقت روز بروز بڑھتی گئی۔ سخت لڑائی کے بعد شاہجہان
کے جمع کیے ہوے بیشمار خزانہ کو صرف کر کے اور ہزارون آدمیون کی
جان قربان کر کے اورنگ زیب اس خراب ملک مین داخل ہوا۔
بڑے بڑے قلعے تسخیر کر لیے اور مرہٹون کو گھر بار سے بالکل محروم کر دیا۔
مگر پھر بھی مرہٹون کی ہمت بڑھتی ہی گئی۔ وہ تخت شاہی کی پرانی
عملداری مین جا پہونچے اور جہان کے لوٹ مار کا بازار گرم کرتے
گئے۔ ۔ ۔ ۔ جہان کہین انکی فوج کے سالار کو کسی بڑے قافلہ کی
خبر ملجاتی ہے وہ فوراً چھ سات ہزار آدمی لیجاتا ہے اور اسکو لوٹ لیتا
ہے۔ اگر عامل چوتھ نہین وصول کر سکتا ہے تو یہ سالار شہر کے شہر
تباہ کر دیتا ہے۔ گانؤن کے مکھیا مرہٹون کی اعانت سے شاہی عاملان
مالگزاری سے من مانی شرطین کرا لیتے ہین۔ یہ لوگ احمد آباد کی سرحد
تک ملک کو اپنے حملون سے غارت کر رہے ہین اور مالوہ کے اضلاع پر
بھی حملے کرتے ہین اور دکن کے صوبون مین ہو کر اجین کے کنارہ تک
لوٹ مار مچائے ہوے ہین۔ شاہی لشکر کے دس بارہ کوس کے اندر کے

قافلون پر لوٹ پڑتے ہین اور لوٹ لیجاتے ہین اور اسدرجہ دلیر ہوگئے
ہین کہ شاہی خزانہ پر بھی حملہ کر بیٹھتے ہین *

چھاؤنی والے غل مچاتے ہی رہے اور مرہٹے شاہی ہاتھی کھول
لیگئے - اور یہانتک کیا کہ خود بادشاہ کو اُسی کے مورچون مین بند کردیا کہ
"ایک آدمی بھی لشکر کے باہر جانے کی جرأت نہ کرسکا" * *

اِس بیس برس کی پریشان کرنیوالی لڑائی کی سب سے زیادہ
عجیب بات یہ ہے کہ بڈھے بہادر بادشاہ نے اسکی سختیان اور ناکامیان
اسقدر تحمل اور استقلال کے ساتھ برداشت کین -

"جب وہ اس طویل لڑائی کے شروع کرنے کے واسطے نربدا اُترا
ہے تو اُسکی عمر بچانوے برس کے قریب پہونچ چکی تھی - اور برہمپور کی
چھاؤنی سے روانہ ہونے سے پہلے پورے اکاسی برس کا ہوچکا تھا -
(اور مرہٹون کے ملک مین آخری اور عظیم حملہ کرنے کو آیا تھا) - یہ عمر ایسی
نہ تھی کہ منزلون اور محاصرون کی تکان برداشت کیجاتی - اور باوجود اسکے

* دیکھو الیٹ وڈاسن جلد ہفتم صفحہ ٣٧٥ -

* * دیکھو [illegible] صاحب کی کتاب دکن کا [illegible] صفحہ ١٠٩ و ١٤٢ -

گو اسکے لشکر مین سامان آسایش بہت وافر تھا وہ ایسی ایسی تکلیفین اپنے اوپر برداشت کرتا تھا جس سے جوان آدمی کی صحت بھی جواب دیجاتی- ابھی بیرمپوری مین پڑا ہوا تھا کہ اندھیری رات مین دریا سے بھیا طغیانی پر آیا اور ایسی سخت بارش ہوئی جو صرف گرم ملکون مین دیکھنے مین آتی ہے- چھاؤنی کا بہت بڑا حصہ بالکل بہگیا جو باقی بچگیا تھا وہ بھی پانی سے لبریز تھا- خوف وہراس سے پریشانی اور بھی دوچند ہوگئی کہا جاتا ہے کہ بارہ ہزار آدمی مرگئے- اور گھوڑون اور اونٹون اور مویشیون کا تو کوئی شمار ہی نہین- بادشاہ خود معرض خطر مین تھا جس بلند مقام پر وہ ٹھہرا ہوا تھا اُسطرف طغیانی بڑھتی جاتی تھی کہ (جیسا کہ اُسکے درباروالے کہتے ہین) اُسکے دعاؤن کے اثر سے رُک گئی- اسیطرح کی ایک مصیبت اُسوقت پڑی تھی جب پارلی کے محاصرہ کے زمانہ مین ایک چشمہ بڑھ آیا تھا- اسمین شک نہین کہ اس پر آشوب ملک مین جو طوفان اتنی برساتون مین آئے ہونگے اُنکی وجہ سے بادشاہ کو بڑی بڑی مشکلین جھیلنی پڑی ہونگی- ناقابل عبور چشمے گھاٹیون کے سیلاب دَلدَل کی زمین تنگ راستے کیچ کی حالت مین اور بھی زیادہ تکلیف دیتے تھے

مجبوراً جہان رسد ملجاتی تھی وہین ٹھہر جاتے تھے۔ مویشی اسقدر ضائع جاتی تھین کہ اکثر فوج بالکل بے سروسامان رہ جاتی تھی۔ اور موسمون مین منزلین کرنا اور خیمون مین رہنا گرمی کے مارے عذاب جان ہوتا تھا۔ پانی کی کمیابی اور بھی ستم ڈھاتی تھی۔ کئی دفعہ قحط اور وبا کے بھی حملے ہوے اور گرانی اور بیماری تو اُسکے لشکر کے واسطے معمولی بات ہوگئی تھی۔ اور سب پر طرہ یہ کہ برابر خبرین آتی رہتی تھین کہ دشمن اُن ملکون کو تباہ کر رہا ہے جہان اُسکا پہونچنا محالات سے تھا"*۔

باوجود اسکے کہ طرح طرح کی مصیبتون کا سامنا تھا اورنگ زیب برابر اپنی پرانی ثابت قدمی اور مستعدی کے جوہر دکھلائے جاتا تھا۔ وہی ہر لڑائی کی تجویزین کرتا تھا۔ وہی سب احکام صادر کرتا تھا۔ وہی حملہ کے موقعے نکالتا تھا۔ وہی مورچون کے واسطے جگہہ بتلاتا تھا۔ وہی اپنی دکن کی فوج کے سب حصونکی حرکت کا نگران رہتا تھا۔ بہت سے محاصرے اُسنے بذات خاص جاری رکھے۔ ایک دفعہ ۱۶۹۹ء مین ستارا مین ایک سرنگ

* دیکھو الفنسٹن صاحب کی تاریخ (مطبوعہ ۱۸۶۶ء) صفحہ ۶۶۰ و ۶۶۶ -

اُڑی اور محاصرین پر سخت تباہی آئی اور فوج مین بڑی مایوسی پھیلی اُسوقت یہ اسّی برس کا بڈھا گھوڑے پر سوار ہوکر اُس خطرناک موقع پر اسطرح آیا کہ گویا "موت کی تلاش مین نکلا ہے"۔ لاشون کے ڈھیر دیکھکر اُسکا خون جوش مین آگیا اور بمشکل تمام اس بات سے باز رکھا گیا کہ خود حملہ کے واسطے بڑھے۔ اس زمانہ مین بھی اورنگ زیب وہی اورنگ زیب تھا جسنے سموگڑھ کی لڑائی مین ہاتھی کے پاؤن مین زنجیر ڈلوادی تھی۔ اور اُسکی مستعدی کچھ اس لڑائی ہی کی پریشان کرنے والی افکار تک محدود نہ تھی۔ وہ افغانستان کے معاملات مین بھی احکام صادر کرتا تھا۔ آگرے کے ہنگامون کا بھی انسداد کرتا تھا اور قندھار پر پھر قبضہ کرنے کی فکر بھی اُسکو لگی ہوئی تھی۔ کوئی افسر کوئی سرکاری محرر بغیر اُسکی اطلاع کے مقرر نہوتا تھا اور بہت سے جاسوسون کی مدد سے سارے ملازمون کے کام کی نگرانی بادشاہ خود کرتا تھا۔

حسن اتفاق سے اورنگ زیب کی دکن کی لڑائی کے زمانے کی ایک شبیہ* ہمارے ہاتھ آگئی ہے۔ دوشنبہ کے دن ۲۱-مارچ ۱۶۹۵ء کو

* دیکھو جیملی کریری کی کتاب واۓج راونڈ دی ورلڈ (جرنیل کا مجموعہ) جلد چہارم صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳

مجبوراً جہان رسد ملجاتی تھی وہین ٹھہر جاتے تھے۔ مویشی اسقدر ضائع جاتی تھین کہ اکثر فوج بالکل بے سروسامان رہ جاتی تھی۔ اور موسمون مین منزلین کرنا اور خیمون مین رہنا گرمی کے مارے عذاب جان ہوتا تھا۔ پانی کی کمیابی اور بھی ستم ڈھاتی تھی۔ کئی دفعہ قحط اور وبا کے بھی حملے ہوے اور گرانی اور بیماری تو اُسکے لشکر کے واسطے معمولی بات ہوگئی تھی۔ اور سب پر طرہ یہ کہ برابر خبرین آتی رہتی تھین کہ دشمن اُن ملکون کو تباہ کر رہا ہے جہان اُسکا پہونچنا محالات سے تھا۔*

باوجود اسکے کہ طرح طرح کی مصیبتون کا سامنا تھا اورنگ زیب برابر اپنی پُرانی ثابت قدمی اور مستعدی کے جوہر دکھلائے جاتا تھا۔ وہی ہر لڑائی کی تجویزین کرتا تھا۔ وہی سب احکام صادر کرتا تھا۔ وہی حملہ کے موقعے نکالتا تھا۔ وہی مورچون کے واسطے جگہ بتلاتا تھا۔ وہی اپنی دکن کی فوج کے سب حصونکی حرکت کا نگران رہتا تھا۔ بہت سے محاصرے آسنے بذات خاص جاری رکھے۔ ایک دفعہ ۱۶۹۹ء مین ستارا مین ایک تنگ

* دیکھو الفنسٹن صاحب کی تاریخ (مطبوعہ ۱۸۶۶ء) صفحہ ۶۶۰ و ۶۶۶ و ۶۶۶ -

اڑی اور محاصرین پر سخت تباہی آئی اور فوج مین بڑی مایوسی پھیلی اُسوقت یہ اسّی برس کا بڑھا گھوڑے پر سوار ہوکر اس خطرناک موقع پر اسطرح آیا کہ گویا "موت کی تلاش مین نکلا ہے"۔ لاشون کے ڈھیر دیکھکر اُسکا خون جوش مین آگیا اور بمشکل تمام اس بات سے باز رکھا گیا کہ خود حملہ کے واسطے بڑھے۔ اس زمانہ مین بھی اورنگ زیب وہی اورنگ زیب تھا جسنے سموگڑھ کی لڑائی مین ہاتھی کے پاؤن مین زنجیر ڈلوادی تھی۔ اور اُسکی مستعدی کچھ اس لڑائی ہی کی پریشان کرنے والی افکار تک محدود نہ تھی۔ وہ افغانستان کے معاملات مین بھی احکام صادر کرتا تھا۔ آگرے کے ہنگامون کا بھی انسداد کرتا تھا اور قندھار پر پھر قبضہ کرنے کی فکر بھی اُسکو لگی ہوئی تھی۔ کوئی افسر کوئی سرکاری محرر بغیر اُسکی اطلاع کے مقرر نہوتا تھا اور بہت سے جاسوسون کی مدد سے سارے ملازمون کے کام کی نگرانی بادشاہ خود کرتا تھا۔

حسن اتفاق سے اورنگ زیب کی دکن کی لڑائی کے زمانے کی ایک شبیہ* ہمارے ہاتھ آگئی ہے۔ دوشنبہ کے دن ۱۲- مارچ ۱۶۹۹ء کو

---

* دیکھو جیملی کریری کی کتاب ووایج راونڈ دی ورلڈ (چرچل کا مجموعہ) جلد چہارم صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳

ڈاکٹر جمیلی کریری بادشاہ کے حضور مین بمقام لشکر گاہ گلکہ پیش کیا گیا۔
اُسنے دیکھا کہ بادشاہ ایک بڈھا آدمی ہے۔ ڈاڑھی سفید ہے۔
اور برابر کتری ہوئی ہے۔ اور اُسکی زیتونی رنگت پر ڈاڑھی کی سفیدی
بہت کھلتی ہے۔ قد چھوٹا تھا۔ ناک بڑی تھی۔ دُبلا اندام تھا اور کبر سن
کی وجہ سے کمر جھک چلی تھی۔" نفیس قالین پر زر دوزی تکیہ لگائے
ہوئے بیٹھا تھا۔ نپولین کے ملک کے ڈاکٹر سے باخلاق پیش آیا۔
پوچھا کہ ہمارے لشکر مین کسطرح آنا ہوا۔ اور جب یہ سنا کہ کریری روم
کا بھی سفر کر چکا ہے تو اُس لڑائی کے حالات دریافت کرتا رہا جو اُس
زمانہ مین سلطان روم اور شاہان ہنگری سے ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر موصوف
نے دربار عام مین بادشاہ کو پھر دیکھا۔ دربار کے واسطے ایک عالیشان
شامیانہ نصب ہوا تھا اور چارون طرف چھینٹون کی قناتین لگی ہوئی
تھین۔ پہلے آگے آگے کچھ سردار آئے اُنکے بعد ایک دستہ دار عصا
کے سہارے بادشاہ آیا۔ سادہ سفید ملبوس زیب تن تھا۔ کمر مین ایک
ریشمی پٹکا بندھا ہوا تھا اسمین خنجر لٹکتا تھا۔ سر پر ایک سفید عامہ تھا
جسپر سنہری جالی کا کام بنا ہوا تھا اور بیچ مین چار چھوٹے اور ایک بڑے

زمرد کا طرہ لگا ہوا تھا - پاؤن مین مسلمانی وضع کے کفش تھے اور موزے نہین پہنے تھا - وہ ایک مربع سنہری تخت پر جلوہ افروز ہوا - یہ تخت ایک چبوترہ پر رکھا ہوا تھا اور چارون طرف چاندی کا کٹہرہ لگا ہوا تھا - تین کمخواب کے تکیے لگے ہوے تھے - دو پہلوؤن مین - ایک پشت پر - سر کے اوپر ایک ملازم سبز چتر لگائے ہوے تھا - دو ملازم پیچھے کھڑے ہوے چنور ہلاتے تھے - جب بادشاہ بیٹھ گیا تو شمشیر اور سپر پیش ہوئی اور اُسنے تخت پر بائین طرف کو رکھ لی - پھر جن لوگون کو کام تھا اُنکو ہاتھ کے اشارہ سے قریب بلایا - جب وہ قریب آئے تو دو پیش دستون نے سامنے کھڑے ہو کر عرضیان لین اور سُناکر بادشاہ کو دے دین - میرے دل مین بادشاہ کی بڑی عظمت ہوئی جب مین نے یہ دیکھا کہ اُسنے بغیر عینک لگائے ان عرضیون پر اپنے ہاتھ سے حکم لکھا - اُسکی متبسم صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اس شغل مین بہت لطف آتا ہے "

اس نیپولین کے زمانہ کے ڈاکٹر نے جو مرقع اورنگ زیب کی سادگی کی شان اور خوشدلی کی مصروفیت اور زہد و ریاضت کی زندگی کا کھی

کے بڑے لشکر سے لیکر دکھایا ہے وہ بہت ہی دلکش ہے۔ یہ مرقع ایک
عجیب و غریب تصویر اُس بڈھے شخص کی ہے جسکے دل کی کسی قوت
مین باوجود کبرسنی کوئی ضعف نہین آیا تھا اور جسکے جسم کے سارے کل پرزے ہنوز
ڈھیلے نہین ہونے پائے تھے۔ مگر اس شاندار مرقع کے پیچھے کیا تھا۔
اُسی کی اکیلی جان۔ مغلی بادشاہ کی قسمت ہی مین یہ لکھا تھا کہ اکیلا
جیے اور اکیلا مرے۔ اُسکے مرتبہ کی شان کو اکیلا رہنا بھی لازمی تھا
اور اُسنے مزاج بھی ایسا پایا تھا کہ اُسکی وجہ سے وہ اپنے درباروالون
سے اور بھی الگ ہوگیا تھا۔ شاہجہان کی حالت کا خیال کسی وقت
اُسکے دل سے نہ نکلتا تھا۔ وہ اپنے بیٹون کو یاد دلاتا رہتا تھا کہ وہ ایسا
نہین ہے کہ اُسکے ساتھ وہ لوگ وہی سلوک کرسکین جو اُسنے اپنے باپ
کے ساتھ کیا تھا۔ اُسکا سب سے بڑا بیٹا ایک خفیف سی نافرمانی کرکے
ہمیشہ کی قید کا مزہ چکھ رہا تھا اور منجھلے بیٹے کو بھی اورنگ زیب نے
تھوڑے ہی عرصہ مین سبق دیدیا تھا۔ اُسنے معظم کو سمجھا دیا تھا کہ سلطنت
کا کام ایسا نازک ہے کہ بادشاہ کو اپنے سایہ سے بھی شک ہوتا ہے۔
سمجھ کر کام کرنا ورنہ جو تمھارے بھائی کا حال ہوا ہے وہی تمھارا بھی ہوگا۔"

معظم مجسم سعادتمندی کا نمونہ تھا - مگر باپ کو کئی دفعہ اُسکی طرف سے شبہہ ہوا - اُسکا بھائی اعظم اپنے مغلی طریقہ کے مطابق اس شبہہ کو اور بھی بھڑکا تا رہا - یہان تک کہ وہ بچارا قید ہو گیا اور سات برس بہت سختی کے ساتھ کاٹے (۱۶۸۷ء لغایت ۱۶۹۴ء) - جب اُسنے رہائی پائی تو اعظم کی باری آئی اور اُس سے بدگمانی پیدا ہوئی - خیر اس بدگمانی کی وجہ بھی کسیقدر معقول تھی - بادشاہ نے جس طریقہ سے اپنے بیٹے کو یہ دکھلا دیا کہ سازش کرنے سے کچھ حاصل ہوتا نہین ہے اُسکا حال بھی سننے کے قابل ہے - وہو ہذا :-

"جب اُسے یہ شبہہ ہوا کہ شہزادہ خود مختار ہو جانے کی فکر مین ہے تو اُسے دربار مین یاد فرمایا - جب شہزادہ نے حیلے کیے اور خوف ظاہر کیا تو یہ کہا اچھا ہم تھوڑے سے آدمی لیکر شکار کو جاتے ہین وہان ہمسے ملو - چنانچہ اعظم روانہ ہوا اور اورنگ زیب نے خفیہ طور پر مقام ملاقات کے چارون طرف منتخب سوار متعین کر دیے - جون جون شہزادہ قریب قریب آتا گیا بادشاہ اُسکے ہمراہیون کو کسی نہ کسی بہانہ سے رخصت کراتا گیا - یہان تک کہ جب شہزادہ باپ کے پاس پہونچا ہے تو صرف

تین آدمی ساتھ تھے - چونکہ کوئی شخص گھوڑا پکڑنے کے واسطے نہین رہا
اسلیے شہزادہ نے مجبور ہوکر اپنے دو ساتھیون کو گھوڑون کے پاس چھوڑا
اور خود مع ایک ہمراہی کے آگے بڑھا بادشاہ کے حضور مین پیش کیے
جانے سے پہلے اُسکے اور اُسکے ہمراہی کے ہتھیار بھی لے لیے گئے شہزادہ
سمجھ گیا کہ اب شامت آئی - یا تو عمر بھر قید مین کاٹون گا ورنہ مدت
دراز تک قید رہنے مین تو شک ہی نہین - مگر جب وہ باپ کے سامنے
پیش ہوا تو اُسنے بہت شفقت کے ساتھ اُسکو گلے سے لگا لیا - اورنگزیب
شکار کے واسطے تیار تھا - اُسنے اپنی بھری ہوئی بندوق شہزادہ کے
ہاتھ مین دیدی کہ ذرا اسے لیجاؤ اور اسکا ہاتھ پکڑکر ایک علیحدہ خیمہ مین
لیگیا - وہان اپنے خاندان کی ایک نفیس تلوار اُسکو دکھلائی اور برہنہ
اُسکے ہاتھ مین دیدی کہ ذرا اسے دیکھو تو کیسی جوہر دار ہے - پھر یہ کہکر
کہ بلا کی گرمی پڑتی ہے اپنی قبا بھی کھولڈالی تاکہ شہزادہ کو معلوم ہو جائے
کہ نیچے کوئی زرہ نہین پہنے ہے - اسطرح اپنے اعتبار کا اظہار کر کے
اُسنے اعظم کو تحفون سے مالامال کردیا اور آخرکار یہ کہا کہ بہتر ہوگا کہ اب
تم رخصت ہو ورنہ تمھارے آدمی گھبرانے لگین گے - درحقیقت یہ خیال